

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الحمد لله والمنة  
کہ کتاب

# تَحْفِیْلُ الْبَحْرِ الْکَلَامِ فی التَّحْقِیْقِ الْفَلَاحِ الْکَلَامِ جلد اول

از تالیف شریف عالیجناب فیض مآب لانا غلام احمد رضا تعلقدار ضلع کریم نگر  
ریاست حیدر آباد دکن

۱۳۳۰ھ میں

باہتمام محمد رحمت اللہ مد

نامی پبلیشرز، قیومین چھاپنی مگئی

اور مولف ممدوح نے قلم و سحر کار آصفیہ سے شائع فرمائی

ملکستان





# سبب تالیف کتاب

درد مندانِ اسلام رفتارِ زمانہ سے اس بات کو محسوس کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں سے شعارِ اسلام ایک حد تک مفقود ہو گیا ہے اور دن بدن ہوتا جاتا ہے اس کے مختلف اسباب ہیں جن کا تفصیلی ذکر باعثِ اطنابِ ممل ہے۔ مگر مختصر یہ ہے کہ عموماً مسلمان اپنی ذاتی کمالیت اور رلا پروائی سے اپنی پت کھونٹھے۔ اور ایسے حقیض ادبار میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ الامان۔ باخصوص مسلمانانِ ہند تو کاد الفقر ان یكون کفرًا کے درجے تک پہنچ گئے ہیں۔



خُداے پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہو کہ یہ کتاب بعد  
 پادشاہ اسلام کہن البرایا و المسلمین ممدّ دین ختم المسلمین معدن  
 خلق وجود برگزیدہ درگاہ ربّ و دودا حضرت قوی شوکت  
 بندگان عالی متعالی حضور پر نور صفت جاہِ سادس  
 نظام الدولہ نظام الملک میر محبوب علیخان بہادر  
 فتح جنگ جی سی۔ یس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی۔  
 سریر آرائے سلطنت حیدر آباد و کن ادا م اللہ شمس  
 اقبالہم طالعتہ الی یوم القیامۃ اور نرمان وزارت اسطوئے  
 زمان معین خیر و امان صاحب اخلاق رضیۃ خیر خواہ سلطنت آصفیہ  
 ممدّ عدل و داد راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد  
 بہادر بکین السلطنتہ۔ کے۔ سی۔ آئی۔ امی۔  
 زاد دولت و شہمتہ مدار المہام سرکار عالی۔

ان کے افلاس نے نہ ان کو دنیا ہی کا رکھا اور نہ دین کا۔ اور خال خال افراد نے ضروریاتِ زمانہ کو محسوس کر کے علومِ مغربی میں کچھ حصہ لیا ہے مگر انہیں بھی بہت سے بوجہ کم فرصتی علومِ دین سے کما میںغنی معلومات حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ تاہم اس گروہ کو تربیت یافتہ کہا جاسکتا ہے۔ اور انکی تھوڑی سی توجہ پڑ مردہ باغِ اسلام کی آبیاری کا کام کر سکتی ہے اور نیز اس خیال سے کہ سب سے زیادہ اخلاقی عنصر کا درست کرنا لازمی ہے کہ بوجہ ناواقفیتِ اسلام کے شائستہ اخلاق سے قوم بہت دور ہو گئی ہے۔ مناسب سمجھا گیا کہ اسلامی تہذیب کے مضامین قرآن مجید سے اخذ کر کے بطور تحریک ہدیہ ناظرین کیے جائیں تاکہ قومی حالت کی اصلاح کی جانب اکابرینِ قوم کا میلانِ خاطر جو شش زن ہو اور وہ اچلے دین محمدی کے مناسب تدابیر اختیار کریں یہی خیال کتابِ خیر الکلام فی اخلاقِ الاسلام کی تحریر کا باعث ہوا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تمہید

یہ بات ظاہر ہے کہ انسان حادث ہے اور اپنے نظر و فکر کی تقلید کرتا ہے جو مثل دیگر  
قوتِ انسانی کے وہ بھی ایک قوتِ حادثہ اور تابعِ عقل ہے۔ قوتِ فکر اپنے حدود و مرتبے  
تجاوز نہیں کر سکتی۔ جو حکم یا تخصیص دوسرے قوت کو حاصل ہے وہ اسکو حاصل نہیں کر سکتا  
قوتِ حافظہ۔ مصورہ۔ متخیلہ کو جو بات نصیب ہے وہ قوتِ فکر کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح  
قوتِ لامسہ۔ شامہ۔ باصرہ۔ سامعہ اور ذائقہ سے جو احکام متعلق ہیں ان سے وہ بے بہرہ  
ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک قوت کو بہ نسبت دیگر قوتوں بے بشریہ کے  
ایک دوسرے کی احتیاج ہے یعنی جو کام قوتِ حافظہ سے نکل سکتا ہے وہ قوتِ مصورہ  
نہیں نکل سکتا۔ اور جو کام قوتِ مصورہ سے حاصل ہوتا ہے قوتِ حافظہ اُس سے عاجز ہے  
اور تمام دلائل عقلی کا سلسلہ اسی طرح قائم ہے چنانچہ اس ارشادِ باری پر کہ ان الله قد اعطى

تالیف و طبع ہو کر شائع کی گئی۔

ناظرین باتمکین سے عاجزانہ التماس ہو کہ بالاستیجاب  
اس کتاب کو ملاحظہ فرماوین کہ یہی اس کا قیمتی صلہ ہو۔ اگر  
کوئی خطا نظر سے گزرے تو قلتِ معلوماتِ مولف پر محمول کر کے  
درگزر فرماوین۔ فقط

الملمتس خاکسار

غلام احمد

لاحتی ہوتی ہے پس اس بیان سے عقل کی محتاجی کا حال ظاہر ہے کہ بلا واسطہ دیگر قوت  
انسانی کے وہ بذاتہ کسی چیز کو معلوم کرنے میں کیسی عاجز ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہے  
کہ دراصل عقل ایک بیکار شے ہے مقصود صرف اس بات کا بیان کرنا ہے کہ عقل کو منجانب اللہ جو  
بات نصیب ہے وہ صرف مادہ قبولیت ہے تو ایسی حالت میں جن امور کی خبر خود خدائے تعالیٰ  
نے دی ہو اس کو قبول کرنا عقل کا لازمی کام ہے کیونکہ بمقابلہ اخبار الہی کے جن باتوں کو فکر  
بطور خود حاصل کرتی ہے وہ قوی نہیں ہو سکتیں اس سے عقل کے حدود مرتبہ کا پتہ لگ سکتا ہے  
اگر عقل سے اس نکتہ کو بیان کیا جائے کہ دیکھو ورے طور عقل بھی کوئی چیز ہے جس سے  
ملائکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام نے فیض حاصل کیا ہے اور جب کا ذکر کتب سماوی  
میں مندرج ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے انسان کو علم ورے طور عقل کے حاصل کرنے کے لیے  
ریاضت قطع علاق کی احتیاج ہے اور شبہات فکر کا ترک کرنا لازمی ہے کیونکہ فکر کی ڈھنگت  
تک محدود ہے اور علم ورے طور عقل انبیاء و رسل سے ماخوذ ہے جب اس کی طرف توجہ کلی ہو تو  
پھر علم الہی کا فیضان قلب پر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے من کان لہ  
قلب سلیم یمان قلب کا لفظ اسوجہ سے استعمال فرمایا گیا ہے کہ قلب میں ایک حالت  
قائم نہیں رہ سکتی ہر وقت اختلاف حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے جیسا کہ  
تجلیات الہی کی شان ہے۔

چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان القلب بین  
اصبعی الرحمن یقلبه کیف یشاء پس اس بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ جو قوت ورے طور

کل شئی خلقہ غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہر شے میں ایک خاص صفت ہے۔  
ایسی قوت ہے کہ عقل بھی اسکی محتاج ہے۔ مثلاً سمع کو ایک خاص قوت قدرت نے عطا کی ہے  
وہ ایسی قوت ہے کہ اگر عقل کو صوت کے ادراک کی ضرورت لاحق ہو تو بدون استمداد قوت  
سمع کے وہ اقلام صوت کا امتیاز ہی نہیں کر سکتی۔ گدھے کی آواز کو گھوڑے کی آواز  
سے جدا سمجھنا قوت سمع کا ہی کام ہے عقل فی حد ذاتہ اس فرق کا ادراک نہیں کر سکتی  
یہی حال تمام قولے انسانی کا ہے دیکھو خیال کو جو اس کی احتیاج ہے کیونکہ اگر قوت حافظہ  
خیال کی مدد نہ ہو تو جو اس سے جو فوائد خیال کو حاصل ہوتے ہیں وہ قائم نہیں رہ سکتے یہ امور  
بدیہی ہیں۔ اگر کسی کی قوت حافظہ میں ضعف ہو تو بہت سے امور اُسکے خیال سے  
نکل جاتے ہیں ایسی حالت میں خیال کو دوسری قوتوں سے مدد لینے کی ضرورت  
لاحق ہوتی ہے تاکہ جو باتیں قوت حافظہ سے نکل گئیں ہیں وہ پھر یاد ہو جائیں۔ سطح  
جب قوت مفکرہ خیال کی طرف رجوع کرتی ہے تو اُسکو قوت مصورہ کی احتیاج لاحق  
ہوتی ہے تاکہ جو امور خیال میں منضبط ہیں وہ دیل و برہان کی شکل پیدا کر سکیں اور ان  
جس امر کا ثابت کرنا مقصود ہو وہ ثابت کیا جائے جب قوت فکر اس طرح سے کوئی  
دلیل پیدا کرتی ہے تو اُسکو عقل کام میں لاتی ہے یعنی مدلول پر اسکا استعمال کرتی ہے  
اس سے عقل کا احتیاج ظاہر ہو۔ مزید برآں ہر قوت کو اپنے اثر کے دکھلانے میں  
موافقات بھی حائل ہیں جس سے احتمال ہے کہ اظہار اثر میں کبھی وہ غلطی بھی کرے تو  
ایسی حالت میں رفع احتمال اور صحیح نتیجہ نکالنے کے لیے ایک فصل خاص کی ضرورت



زبان نمی کان می چونوشیدہ شود	آب نطق از گنگ جوشیدہ شود
طفل نو زادہ شود جبر و نصیح	حکمت بالغ بخواند چون مسیح
از گمہ کہ یافت ان می خوش لبی	صد غزل آموخت او دہنی
جلمہ مرغان ترک کردہ چیک چپک	ہم زبان و یار د او دلیک
چہ عجب گر مرغ گردد مست او	چون شنید آہن زدے دست او
صرصرے بر عادی قتالی شدہ	مرسلیمان را چو حالی شدہ

اس لحاظ سے یہ کام تو بہت بڑا اور نازک ہے اس کام کا تمام کرنا خدا ہی کے ارادہ اور مرضی پر موقوف ہے۔

چونکہ میں نے اس کتاب کو اپنے معصوم بچے ابو الخیر غلام محی الدین  
 طاب ثرا د کی یادگار میں لکھنا شروع کیا ہے اسلئے اسکا نام **خیر الکلام فی**  
**اخلاق الاسلام** رکھا ہے جو حضرات اس کتاب کو ملاحظہ فرماوین اُن سے بعجز ہوتا  
 ہے کہ اگر کہیں لغزش ہو تو ازراہ عنایت اُسکی اصلاح فرماوین۔

غلام احمد

عقل ہر اسکا فیضان قلب پر ہوتا ہر اسی وجہ سے آیہ موصوفہ میں قلب کا لفظ تخصیص کے ساتھ بیان ہوا ہر لفظ عقل عام ہر اس سے ہر ایک انسان کم و زیادہ مستفید ہر معرفت الہی کا تعلق خاص طور پر قلب سے ہر اگر عقل کو بھی کچھ حصہ معرفت الہی کا ملا ہو تو وہ بطفیل قلب کے ہر جس طرح وہ اور امور کی معرفت فکر کے صدقے میں حاصل کرتی ہے۔ یہ مسئلہ بہت وسیع اور نازک ہر اثبات توحید باری و ضرورت بعثت انبیاء علیہم السلام کی بحث میں قدوۃ المحققین شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے فتوحات مکیہ میں اسکا ذکر بہت حسرت کے ساتھ فرمایا ہر پس اس اصول کے لحاظ سے مناسب سمجھا گیا کہ علم اخلاق میں ایک مختصر کتاب ایسی لکھی جائے کہ جسکے اصلی دلائل و براہین کلام الہی سے مستنبط کیے جائیں دلائل عقلی سے حتی الامکان زیادہ بحث نیکجائے۔

چنانچہ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العزیز اسطرح بیان فرماتے ہیں  
 ای دلیل تو مثال آن عصا      در کفت دل علی عیب اعمی  
 اسی دلیل با چوں کراذلیل      ہستی ما پیش دانا یاں قلیل  
 اور نیز دوسرے ایک مقام پر دلائل عقلی اور علم و راے طور غمتل کی نسبت یوں  
 ارشاد فرماتے ہیں۔

نوح نہ صد سال در راہ سوی      بود ہر روز زیش تذکیر نوی  
 لعل و تازہ زیا قوت لقلوب      نے رسالہ خواند نے قوت لقلوب  
 و غظ را نا موختہ، سیچ از شرح      بلکہ بیوہ کشوف و شرح روح  
 ابو طالب علی ۱۲

میں سن مانی مراد میں پائیں گے۔

چونکہ ان آیات سے ہدایت و حکمت ربانی کا اور نیز اصل مقصد یعنی یہ کہ اصلاح حال انسان کے لیے  
مجاہد اخلاقی تعلیم کا سلسلہ کس طرح شروع کیا گیا ہے؛ ذکر کرنا مقصود ہے لہذا مختصر بطور تفسیر بھی  
کچھ لکھنا ضروری تاکہ اُن مضامین پر اجمالی نظر پڑنے سے فہم مقصود میں آسانی ہو جائے۔

دیکھو اس بیان کو اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات یعنی الف لام میم سے شروع  
فرمایا ہر اسکی وجہ یہ ہے۔

(۱) کہ قرآن کریم اہل عرب کے محاورات اور روزمرہ کے موافق نازل ہوا ہے۔ عرب مختصر نوین  
مختصر کلام کرنے والے تھے۔ اسی طرز کو قرآن کریم نے بھی لیا ہے۔ چنانچہ عرب بجائے انا للہ  
وانا الیہ راجعون کے استرجع اور لاحول ولا قوۃ کو حوقل سے ادا کر لیتے ہیں  
اور اسی طرح بہت سے لمبے فقرات کو مختلف طرز پر اختصار کے ساتھ کہا کرتے ہیں۔

(۲) یا اس بات پر مطلع کرنا مقصود تھا کہ قرآن کریم کی ترتیب انھیں حروف سے ہی پہلے  
تم ان حروف کو الگ الگ مفرداً سن لو پھر یہ حروف تکرار کر سنائے جائیں گے جس طرح  
چھوٹے چھوٹے بچوں کو اولاً مفردات سکھائے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ مرکبات کی تعلیم  
دی جاتی ہے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ وہی حروف اب آئندہ کس ترکیب سے بیان کیے جاتے ہیں  
اور اُن سے کیسے کیسے کلمے اور جملے بنتے ہیں اور کیسی کیسی عجیب و غریب ہدایتوں اور  
حکمتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

(۳) بعض کا یہ بھی قول ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفار نے باہم گمراہی شروع کر لیا تھا کہ قرآن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جیسا کہ تمہید بالا میں ذکر ہوا ہے پارہ اتم میں سے آیات ذیل کا استنباط کیا گیا ہے اور ان آیات مقدسہ میں جن اخلاقی مضامین کا ذکر ہوا اختصار کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

اَلَمْ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِمَّا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هٰكذَا مِثْقٰتُنَا وَاَوَّلٰتِكَ هُمْ (المفلحون) ترجمہ یہ وہ کتاب ہے جس کے کلام اتنی ہونے میں کچھ بھی شک نہیں پر میرے گاروں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور اے پیغمبر جو کتاب تم پر اُتری اور جو تم سے پہلے اُتریں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستے پر ہیں اور یہی آخرت

(۲۱) عرب اکثر حلقی حروف بولتے ہیں یا وسطی۔ یا شفتی آلمین الف حلقی کلام  
وسطی میلا شفتی ہے۔

(۲۲) آلم کے لفظ سے بطریق حمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت کی طرف بھی  
ایما ہے جو اکتیس نبیوں کے چالیس صحیفوں میں مرقم ہے۔

اسکے بعد فرمان الہی کی ابتدا لفظ ذلک سے ہوئی ہے۔ اب یہاں سے سلسلہ بیان  
کو دیکھو۔ لفظ ذلک سے جو حرف اتارہ مجید کے کتاب کی طرف اسوجہ سے اشارہ کیا گیا ہے  
کہ اس سورہ کے زیادہ حصہ میں یہود اور بنی اسرائیل پر حجت اور الزام قائم کیا گیا ہے کیونکہ  
بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے خبر دی تھی کہ حق تعالیٰ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجے گا اور ان پر کتاب نازل فرمائے گا۔ اس لیے یہاں  
خدے تعالیٰ نے ذلک الکتاب سے ابتدا فرمائی ہے۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جسکی نسبت  
انبیاء سالقین نے پیشین گوئی کی تھی۔

(۲۳) یا یون سمجھو کہ قرآن مجید بڑی بڑی حکمتوں اور علوم پر مشتمل ہے جس پر تمام اطلاع پانا بہت دشوار  
ہے گو وہ باعتبار صورت ظاہری کے تمھارے سامنے موجود ہے لیکن باعتبار اسرار و حقائق کے  
تمھاری نظر سے غائب ہے لہذا حرف اشارہ بعید اس حکمت کے اظہار کے لحاظ سے استعمال  
کیا گیا ہے دیکھو ترکیب بیان اور طرز ادا میں کیا کیا عجیب و غریب نکات کا لحاظ فرمایا گیا ہے کہ  
اس بعید معانی کا لحاظ الفاظ میں بھی رکھا گیا ہے اس کو اعجاز القرآن کہتے ہیں۔ اسکے بعد  
کتاب کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور اس لفظ کے تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے

سُنیں گے۔ ایسے جب کبھی قرآن شریف کے سُننے کی نوبت آتی تھی تو وہ شور و غل مچا یا کرتے تھے اور قرآن سے اعراض کرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر خدائے تعالیٰ کو ازاں فطرت اور عینیت اُنکی بہتری اور اُنکو راہِ راست پر لانا مقصود تھا اس واسطے خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتدا ایسے حروف سے فرمائی کہ جسکے مقصود کا سمجھنا اُنکی فہم سے باہر تھا اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ جب کوئی انوکھی بات سُننے میں آتی ہے تو خواہ مخواہ انسان کی طبیعت اُسکے جانب رکتی ہے ایسے جب وہ ان حروف کو سُننے لگے تو تعجب کر کے ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ذرا سنو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کلام اُترا ہے۔ جب اس رجحان سے وہ ذرا اس طرف کان لگاتے تھے تو اُنکا شور و غل کم ہو جاتا تھا اور قرآن کے مضامین اُن پر برسے لگتے تھے اس طرح سے قرآن کے مفید احکام اُنکے کانوں میں پڑ جاتے تھے۔ جنگی قسمت میں خداوند عالم نے دولت اسلام کو ودیعت رکھا تھا وہ قرآن مجید کی پاک ہدایت سے راہِ راست پراتے تھے اسکے بعد ان حروف کے استعمال کے مفاد پر بھی غور کرو۔

آلہ سورہ بقرہ کا نام ہے جو الحمد شریف کی تفسیر ہے۔ عرب ایسے ہی نام رکھنے کے عادی ہیں۔ حماسہ میں لکھا ہے کہ ایک شاعر کا نام بالام تھا مگر کتاب الدین ایسے ناموں کا ذکر صرف عاداتِ انہیں ہوا ہے بلکہ اُسین بہت سے اسرار و حکمت بھی مضمین چنانچہ اس نام میں مندرج ذیل چند اسرار کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی

(۱) اس سورہ شریف میں تین قصے حضرت آدم۔ اسرائیل۔ ابراہیم علیہم السلام کے بیان ہوئے ہیں۔ پس الف سے آدم کا م سے اسرائیل میم سے ابراہیم مراد ہے۔

اس جگہ متقین کا لفظ مع کے طور پر ذکر فرمایا گیا ہے پس مفہوم یہ ہے کہ یہ کتاب ایسے لوگوں کو راہ راست بتلانیوالی ہے جو دنیا و آخرت کے کاموں میں زیادہ حفاظت و نگہبانی کو مد نظر رکھتے ہیں اور جن امور کی شرعاً ممانعت کی گئی ہے اس سے الگ رہتے ہیں۔

**فائدہ** قرآن مجید میں مختلف مقامات پر تقوٰے کا لفظ مستعمل ہوا ہے مگر باعتبار استعمال اس کے اغراض بھی مختلف ہیں۔ کہیں تو لفظ تقوٰے ایمان کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ کہیں توبہ کہیں طاعت۔ کہیں ترک معصیت۔ اور کہیں اخلاص کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ وَالزُّمُّهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ یہاں تقوٰے کے لفظ سے توحید مراد ہے قوم فرعون والا یتَّقُونَ یہاں تقوٰے نہ اختیار کرنے سے ایمان نہ لانا مراد ہے ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا یہاں تقوٰے سے توبہ مراد ہے وانا انکم فاتقون یہاں تقوٰے سے عبادت مقصود ہے واتوا البیوت من ابوابها واتقوا اللہ یہاں تقوٰے سے ترک معصیت مقصود ہے فانها من تقوی القلوب یہاں تقوٰے سے اخلاص مراد ہے۔ بہر کیف چونکہ تقوٰے کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس لیے تقوٰے کے نسبت خود ارشاد باری یون ہوا ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم عسکون۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقا کہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ الخ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں میں بزرگ بننے کی خواہش رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ خدا کا خوف کرے اور جو شخص زیادہ قوی بننا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ خدا پر توکل کرے اور جو شخص زیادہ دولت مند بننا چاہے تو اس کو چاہیے کہ نسبت اس چیز کے

نام ہین منجملہ اُن ناموں کے کتاب بھی ایک نام ہر اور نیز جو مکاتبت مابین آقا اور غلام کے ہوتی ہر اُسکو بھی محاورہ عرب میں کتاب کہتے ہین۔ چونکہ قرآن مجید منجانب اللہ بندوں کی ہدایت و صلاح حال کے لیے نازل ہوا ہر اسلئے مناسبت بالاکے لحاظ سے کتاب کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہر اور اُسکی توثیق کے لیے یہ ارشاد ہوا ہر کہ لا ریب فیہ یعنی اس کتاب کی صحت اور اعجاز اور کتاب الہی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہر۔

بعض محدین نے اس آیت میں طعن کیا تھا۔ کہ قرآن میں شک نہونے سے کیا مراد ہر کیونکہ اگر اس بیان سے یہ مقصود ہر کہ ہمارے نزدیک (بقول کفار) شک نہیں ہر تو یہ کہنا صحیح نہیں ہر کہ ہکو تو قرآن میں شک ہر۔ اور اگر یہ مراد ہر کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک شک نہیں تو اس کہنے کا کیا نتیجہ ہر۔ مگر اس فضول خیالی کا یہی جواب ہر کہ قرآن کی فصاحت اور حقانیت ایسی مسلمہ ہر کہ کسی شک کرنے والے کو اُس میں شک کرنیکا موقع نہیں ہر۔ اسلئے کہ جس زمانے میں اس کلام پاک کا نزول ہوا اہل عرب فصاحت کے منتہا درجہ کو پہونچ گئے تھے اور سخن آفرینی میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ تاہم قرآن کی ایک چھوٹی سورت کے برابر نہ لاسکے۔ اسلئے لا ریب فیہ کے الفاظ سے خود اللہ جل شانہ نے ان شبہات کو رفع فرمادیا اور پھر اس کتاب مقدس کی توصیف ہدی للمتقین کے ساتھ کی گئی یعنی متقین کے ساتھ رہنا ہر پرہیزگاروں کے لیے۔ اس خصوصیت کے سمجھنے کے لیے بھی ہر ہر لفظ کے معنی پر غور کرنے کی ضرورت ہر۔ ہدایت کے معنی بتا دینا اور رہنمائی کے ہین اور متقین جمع ہر متقی کی اور اخذ ہر لفظ وقایہ سے جسکے معنی فرط صیانت اور پوری طور پر محفوظ رکھنے کے ہین



و تہذیب نفوس انسانی کے لحاظ سے نازل ہوئے اور قرآن مجید خاتم المرسلین پر نازل ہوا ہے اور جن احکام و ہدایات کا ذکر فرقان حمید میں ہے وہ بھی خلاصہ ہدایات ہر ایسے تہذیب نفس کا زینہ اسلام میں تقویٰ قرار دیا گیا ہے جسکی تفصیل آئندہ بھی آئے گی اس سے انتہائے عروج تعلیم قرآنی کا اندازہ ارباب بصیرت خود فرما سکتے ہیں ہر کیف متقیوں کی تعریف جملہ بعد سے خود یوں فرمائی ہے کہ الذین یؤمنون بالغیب یدیقون الصلوٰۃ و مناسر زقنھم ینفقون۔ کیونکہ متقی وہ شخص ہے جو نیکو کار ہو اور بدکاری سے احتراز کرے۔ عمل کے دو قسم ہیں کیونکہ عمل کا صوری یا تو قلب سے ہوتا ہے جیسے ایمان لانا یا جوارح سے جیسے نماز پڑھنا۔ اور زکوٰۃ کا دینا۔ پس الذین یؤمنون بالغیب میں عمل قلبی کا بیان کیا گیا ہے۔ اور یقیہون الصلوٰۃ و مناسر زقنھم ینفقون میں عمل جوارح کا ذکر ہوا ہے افعال جوارح کا اصل اصول نماز اور زکوٰۃ اور صدقہ ہے۔ ایسے کہ عبادت یا بدتی ہوتی ہے یا مآلی۔ عبادت بدنی میں سب سے بڑھکر نماز ہے اور مالی میں زکوٰۃ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کے ستون اور زکوٰۃ کو اسلام کے پُل سے تعبیر فرمایا ہے غرض کہ ان سب امور کو اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے ایسے کہ سعادت بکمال اُس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جن چیزوں کا ترک کرنا لازم ہے وہ ترک کی جائیں اور جنکو عمل میں لانا ضرور ہے انکو عمل میں لایا جائے۔ پس نامناسب چیزوں کے ترک کا نام تقویٰ ہے۔ جبکہ تقویٰ ترک فعل کا نام ہے۔ اسکو فعل یعنی نماز و زکوٰۃ پر اس لحاظ سے مقدم کیا گیا ہے کہ قلب کا حال مثل ایک تختی کے ہے جس میں عقائد حقہ اور اخلاق حسنہ کے نقوش قبول کرنے کی قابلیت ہوتی ہے اور جب تختی کے اندر خوشنما نقوش کا رچ کرنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے

جو اُس کے ہاتھ میں ہر اُس چیز پر زیادہ بھروسہ رکھے جو خدا کے ہاتھ میں ہو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ  
تقویٰ کے معنی یوں فرماتے ہیں کہ التقویٰ ترک الاصرار علی المعصیۃ و ترک الاعتراض  
بالطاعة یعنی تقویٰ وہ ہو کہ گناہ پر اصرار نہ کیا جائے اور عبادت پر گھمنہ نہ کیا جائے۔ اور  
ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ معنی تقویٰ کی تعبیر یوں فرماتے ہیں التقویٰ ان لا یجد الخلق فی  
لسانک عیباً ولا الملائکۃ فی افعالت عیباً ولا مملک العرش فی سرک  
عیباً یعنی حقیقت تقویٰ یہ ہو کہ لوگ تیری زبان میں کوئی عیب نہ دیکھیں اور ملائکہ تیرے  
افعال میں کوئی عیب نہ دیکھیں اور خدا تعالیٰ تیرے باطن میں کوئی عیب نہ دیکھے۔  
واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہر التقویٰ ان تزیین سرک للخلق کما دینت ظاہرک  
للخلق یعنی تقویٰ وہ ہو کہ انسان اپنے باطن کو خدا تعالیٰ کے لیے اسطرح آراستہ کرے  
جسطرح ظاہری حالت کو مخلوق کو دکھانے کے لیے آراستہ کرتا ہو۔ الحاصل متقی وہ ہو کہ جو  
ممنوعات الہی کا مرتکب نہ ہو۔ چونکہ تقویٰ میں ایسے لطیف معانی داخل تھے اس لیے اس آیت کریمہ  
میں خدا تعالیٰ نے متقین کو مخاطب بنایا کیونکہ جب تک قلوب میں اتقا کا اثر نہ ہو علم الہی کا فیضان  
نہیں ہوتا۔ کمال عدل کا وصف یہی ہو کہ وضع الشئی علی محلہ ہو بعض بے دینوں کا یہ بھی  
خیال فاسد ہو کہ جب قرآن مجید عام مخلوقات کی ہدایت کے لیے نازل ہوا بیان کیا جاتا ہو تو پھر  
متقین کے اختصاص کی کیا ضرورت ہو مگر یہ وہ نہیں سمجھتے کہ کلام کی عزت صاحب کلام  
کی عظمت اور موقع کے لحاظ سے ہوتی ہو۔ تو اسد جل شانہ کا یہ کلام نقش اولین نہیں ہو بلکہ  
ابتداء بعثت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت صحائف و کتب بابت

فرمایا کہ بڑا تعجب ہو اُس شخص سے جو اپنی بضاعت خلقت کو دیکھے اور پھر خدا کے وجود میں شک  
 کرے اور تعجب ہو اُس شخص سے کہ باوجود اپنی ابتدائی پیدائش کے حال سے واقف ہو  
 آخرت میں دوبارہ پیدا ہونے سے انکار کرے۔ اور تعجب ہو اُس شخص سے جو حشر و نشر کا انکار  
 کرے جبکہ وہ خود ہر رات اور دن میں مڑا اور جتیا یعنی سوتا اور جاگتا ہوا اور تعجب ہو اُس شخص  
 سے کہ جنت اور اسکی نعمتوں کا یقین کرتا ہوا اور پھر دنیا کے حصول کی کوشش میں مبتلا ہے  
 اور تعجب ہو فخر اور تکبر کرنے والے سے جبکہ وہ جانتا ہو کہ اسکی پیدائش ایک ناجیز لطفہ سے  
 ہو اور انجام کار سڑنا گلنا ہو اولئک علی ہدی من ربہم واولئک ہم المفلحون ۵  
 سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہو کیونکہ یہاں یہ سوال بھی ہو سکتا تھا کہ متقیوں کے ساتھ  
 ہدایت کو خاص کرنے کا کیا سبب ہو تو الذین لیؤمنون بالغیب سے لیکرم المفلحون  
 تک اسکا جواب دیا گیا ہے یعنی جو شخص اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ اور فلاح نجات کے ساتھ  
 متصف ہو تو ضرور ہو کہ خداے تعالیٰ کی طرف سے اسکو ہدایت بھی ہو۔ اولئک علی ہدی  
 کے ساتھ متقین کو خاص کرنے میں اہل کتاب پر تعرض بھی مراد ہو سکتی ہو کہ جو رسول خدا صلی اللہ  
 علیہ وسلم پر ایمان نہ لاکر اپنے آپ کو ہدایت پر ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور خداے تعالیٰ سے فلاحیت  
 کے امیدوار ہیں۔ یا یہ مراد ہو کہ خداے تعالیٰ نے متقین کو ہدایت پر قدرت دی ہو اور ہدایت  
 پر قائم کیا ہو۔ یہ ایک محاورہ ہے جس طرح کہا کرتے ہیں کہ فلان شخص حق کے اوپر یا باطل ہے یا گمراہی  
 یا جہل پر سوار ہے پس متقین کے ہدایت پر ہونے سے یہ مراد ہو کہ وہ دلیل کے موافق چلتے ہیں۔ اور  
 اُس سے اپنی حجت قائم کرتے ہیں۔ گویا خداے تعالیٰ نے اپنے توانا کی تعریف کی کہ جو کتاب

بدنام قشوش سے اُسکو صاف کر لینا ضرور ہوتا ہے یہی حال اخلاق کا بھی ہے۔ لہذا خدائے تعالیٰ نے پہلے تقویٰ کا ذکر فرمایا جس میں ناشائستہ افعال کا چھوڑنا ضروریات سے ہے اور اُسکے بعد شائستہ اور پاکیزہ افعال کا ذکر فرمایا۔

اسی طرح ایمان بھی دو قسم پر ہے۔ ایک ایمان مجمل اور دوسرا ایمان مفصل۔ اب اسکے بعد والذین يؤمنون بما انزل الیہ سے ایمان تفصیلی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی جو احکام الہی بذریعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوئے ہیں اُنکا بالتفصیل جاننا بھی مسلمانوں پر واجب ہے۔ کیونکہ اولئک هم المفلحون کا تعلق اسی علم تفصیلی سے وابستہ ہے مگر یہ وجوب برسیل کفایہ ہے عوام الناس پر واجب نہیں وما انزل من قبلک سے اُن احکام کا جاننا جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئے ہیں مقصود ہے جو ایمان مجمل سے تعلق رکھتے ہیں اور پھر اُسکی تقسیم اسطرح ذکر کی گئی ہے کہ وبالآخرة هم یوقنون آخرت پر یقین رکھنا متیقنون کا وصف ہے۔ یعنی جس چیز کا وقوع آخرت میں ہونے والا ہے مثلاً حساب اور سوال اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا وغیرہ وغیرہ روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال یا عجباً کل العجب من الشاک فی اللہ وهو یرای خلقہ وعجباً ممن یعرف النشاة الاولی ثم ینکر النشاة الاخرة وعجباً ممن ینکر البعث والنشور وهو فی کل یوم ولیلہ یموت ومیحاً یعنی النوم والیقظة وعجباً ممن یؤمن بالجنة وما فیہا من النعم ثم یسعی لدار الغرور وعجباً من المتکبر الفخور وهو یعلم ان اولہ نطفة مزرعة واخرہ جيفة قدرة یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے

کسی نے توبہ کی ہے۔ پھر تم کسی سے دریافت کرو کہ وہ کون شخص ہے تو اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ زبد التائب تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ شخص جبکی توبہ کا حال تکو معلوم ہوا ہے زید ہے حاصل اس تمام بیان کا یہ ہے کہ مکارم اخلاق حاصل کرنے کے لیے پہلے انسان کو تقویٰ حاصل کرنا ضرور ہے۔ جب تک انسان میں اتقا پیدا نہوا سو وقت تک اُس پر ہدایت کا پر تو نہیں پڑ سکتا۔ اس واسطے اسد جل شانہ نے فرقان حمید میں پہلے ہی اس کا ذکر فرمادیا کہ ہماری اس کتاب (قرآن مجید) سے وہی لوگ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں جن میں تقویٰ ہو۔ ہدایت دراصل مکارم اخلاق کی رہنمائی کو کہتے ہیں۔

الذین اتقوا و راست بجات  
زندہ دانش و گرچہ از اموات  
آنکہ بے تقویٰ بہت در رہ دین  
آدمی نیست ہست دیو لعین  
حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اعداء لعبادی الصالحین مالا عین رأیت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلبہ بشیر اسی مضمون کو حضرت مولوی معنوی قدس سرہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

آن وہ حق شان کہ لا عین رأیت  
کہ نہ گنج در زبان و در لغت

یا ایہا الناس اعبدوا امر بکم الذی خلقکم والذین من قبلکم احکمکم تقویٰ  
ترجمہ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گئے ہیں پیدا کیا عجب نہیں تم آخر کار پرہیزگار بن جاؤ۔ اس آیت شریف میں بلا واسطہ انسان کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے کیونکہ یہ قاعدے کی بات ہے کہ بسبب کی بزرگی عظمت کا ظہار

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے اُس پر وہ ایمان لکھتے ہیں اور پھر دوسری مرتبہ یون مج فرمائی کہ وہ برابر اُس پر قائم ہیں اور شبہات سے محفوظ ہیں۔ اور یہ بات ہر مکلف پر واجب ہے اس واسطے کہ جب کوئی شخص دین کا پابند ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ کا خوف اُس کے دلمین ہوتا ہے تو وہ بالضرور اپنے نفس سے علم و عمل کا حساب لیتا رہتا ہے اور اپنے اصلاح حال کی فکر یہ لکھتا ہے۔ جب کسی شخص نے اپنے نفس کی حفاظت کی اور اُس میں خلل واقع ہونے نہ دیا تو وہ اس قابل ہو گیا کہ اُس کی تعریف ہدایت اور بصیرت ہو سکی کیجائے ہدای کا لفظ نکرہ اسوجہ سے لایا گیا ہے کہ اُس سے ہدایت لانا اور غیر محصور کا ذکر مقصود ہے۔ جسکے یہ معنی ہوئے کہ متقین اپنے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی ہدایت سے ممتاز ہیں کہ جس کا حصر و اندازہ نہیں ہو سکتا اولئک کے مکرر لانے میں اس بات کی انتباہ ہے کہ جس طرح یہ لوگ ہدایت کے ساتھ خاص ہیں اسی طرح فلاحیت کے ساتھ بھی مخصوص ہیں ہم کی ضمیر فضل کے لیے واقع ہوئی ہے اس کے دو فائے ہیں ایک تو ضمیر فضل سے معلوم ہو گیا کہ اُس کا بعد اقبل کے لیے خبر جو صفت نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ جب خبر کے ساتھ ضمیر استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے بتداین حصر کا معنی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ الانسان ضاحک اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ضاحک فقط انسان ہے۔ برخلاف اسکے اگر یون کہیں کہ الانسان هو الضاحک تو اس سے ضحک کا حصر انسان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ المفلحون پر الف لام تعریف داخل ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اسے جل شانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے پیغمبر متقی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کامیاب ہونا تم کو معلوم ہے یہ بات ایسی ہے کہ مثلاً تم کو معلوم ہو کہ تمھارے شہر والوں میں سے

کہ بندوں پر طاعت اُسی کے واجب ہوئے کا سبب یہی ہے جسکو خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ خدائے تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا اور پھر ان پر انعامات فرمائے۔ اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ بندہ اپنے فعل کی وجہ سے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب عبادت کے ہونے کا سبب یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہمو پیدا کیا اور ہمارے اوپر انعامات فرمائے تو ظاہر ہے کہ ہمارا خدا کی عبادت میں مشغول ہونا اس کے حق واجب کا ادا کرنا ہے اور جو شخص کسی واجب حق کو ادا کرے وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پس بندہ بسبب اپنے اعمال و افعال کے اس بات کا مستحق نہیں ہوتا کہ خدائے تعالیٰ پر اسکو ثواب دینا لازم ہو جائے۔

المختصر پہلے یہ حکم صادر فرمایا گیا کہ بندوں کو چاہیے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں تو اب اس بات کی ضرورت تھی کہ وجود باری کے دلائل بیان کیے جائیں سو اسکا ذکر اسطرح ہوا ہے کہ اُس نے سب مکلفین کو پیدا کیا اور نیز ان لوگوں کو جو تم سے پیشتر گذر چکے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت کا کوئی طریقہ بجز اس کے نہیں ہے کہ اس کے صفات میں غور و فکر اور استدلال سے کام لیا جائے۔ اگرچہ بعض فرقوں کو اس میں کلام ہے۔

واضح ہو کہ علم معقول میں اثبات وجود باری تعالیٰ کے جو طریقے بیان کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں ایک تو امکان ذوات یا حدوث اجسام یا ان دونوں کا مجموعہ۔ اور پھر اس میں بھی دو صورتیں باعتبار جوہر و اعراض کے مذکور ہوئی ہیں۔ پس اسطرح سے اثبات وجود ذات باری کی چھ مکملین قابل ذکر ہیں۔

(۱) ممکنات کی ذوات کے امکان سے وجود باری پر استدلال کرنا جیسا کہ خود امد تعالیٰ نے

مقصود ہوتا ہے تو اُس سے بلا توسط گفتگو کیجاتی ہے۔ گویا اسد جل شانہ فرماتا ہے کہ اے لوگو پہلے تو ہم نے بواسطہ رسول مقبول تم پر اُن احکام کا ذکر کیا ہے جو اس سے قبل کی آیات میں مذکور ہو چکے ہیں اب ہم تمہارے تقرب و بزرگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور شرف مکالمہ سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں اسلئے بلا توسط تم سے خطاب کیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پیشتر کی آیات میں منافقین اور مومنین اور کافروں کے حالات بیان فرما کر اب ان آیات میں مسلمانوں کو تکلیف اور مشقت کے ساتھ مامور فرمایا ہے۔ اس موقع پر ضرورت تھا کہ مشقت کے مقابلہ میں ایک قسم کی راحت بھی پائی جائے تاکہ وہ مشقت آسان ہو جائے اسلئے وہ شہنشاہ حقیقی درمیان کے واسطہ کو اٹھا کر بلا واسطہ خطاب فرماتا ہے جس طرح کہ کوئی آقا اپنے غلام کو ایک عظیم الشان کام پر مامور کرے تو وہ خود اپنی زبان سے یوں کہتا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ تم اس کام کو کر گے تو اس ترغیب سے اُس کام کا کرنا غلام پر آسان ہو جاتا ہے۔ بلکہ اُس کام کے کرنے میں ایک قسم کا لطف آتا ہے۔ امر بالعبادۃ اگرچہ سب لوگوں کے لیے عام ہے مگر اُس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن میں فہم نہ ہو۔ مثلاً۔ لڑکا۔ مجنون۔ غافل۔ بھولنے والا۔ اور وہ شخص جسکو قدرت نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے لا یكلف اللہ نفساً الا و سہما یعنی خدائے تعالیٰ کسی شخص کو سبکی و سہت سے زیادہ مشقت میں نہیں ڈالتا۔ اُسی قدر مشقت میں ڈالتا ہے جتنی کسی میں گنجائش ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے غلام بھی مستثنیٰ ہیں۔ اس واسطے کہ خدائے تعالیٰ نے غلاموں کے اوپر اُنکے مالکوں کی اطاعت فرض کی ہے۔ جب وہ اپنے مالک کی اطاعت میں مصروف رہیں گے تو خدائے تعالیٰ کی عبادت سے باز رہیں گے۔ قاضی نے بیان کیا ہے



وہ خود نہ جسم ہوا اور نہ جسم سے اُسکو لگاؤ ہو۔ لہذا جناب باری تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اسی قسم کی دلیل کو ذکر فرمایا۔

دلائل قرآنی سے حقیقت میں مجادلہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ لوگوں کو عقائد حقیقہ سہولت کے ساتھ معلوم ہو جائیں۔ اس قسم کی دلیلیں تمام دلائل سے قوی ہو کر تہین کیونکہ ان دلائل سے جس طرح وجود خالق کا علم ہوتا ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ کے انعامات جو بندوں پر ہیں یا آجاتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں خشک کے لفظ سے حیات یا آجاتی ہے جو خدا کا بڑا انعام ہے انعامات کے یا آجانے سے خواہ مخواہ منعم کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اُسکے تسلیم کرنے میں جھگڑا و قضیہ نہ کریں اور اُسکے سامنے گردن جھکا دیں اور اُسکے سب احکام کو بچا سمجھیں اسی وجہ سے اس قسم کے دلائل کا ذکر کرنا خصوصاً ابتدائے کتاب میں ضروری تھا۔ جسکو اسد جل شانہ نے ذکر فرمایا

واضح ہو کہ سلف رحمہم اللہ تعالیٰ نے وجود باری کے متعلق بہت سی باریک باتیں بیان کی ہیں جنکا ذکر کرنا لفظاً مناسب مقام مناسب سمجھا گیا۔

(۱) روایت ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نذیق نے جو صنایع سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے اُسنے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا تو نے کشتی کی مصیبت کو بھی دیکھا ہے اُسنے کہا کہ ہاں دیکھی ہے۔ ایک مرتبہ بڑی سخت ہوا چلی جس سے کشتی ٹوٹ کر ٹکڑے ہو گئی اور ملاح غرق ہو گئے۔ میں نے یہ ترکیب کی کہ کشتی کا ایک تختہ تھا اُسپر لٹک رہا۔ پھر وہ تختہ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور موجوں کے

اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے و اللہ الغنی و انتم الفقراء اور برسبیل حکایت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے ذکر ہوا ہے عدولی الا رب العالمین یا یہ آیت و ان الی ربک المنتهی  
یا قل اللہ ذرہم یا فقر و الی اللہ یا الابد کر اللہ تظمئن القلوب  
(۲) صفات کے ممکن ہونے سے اُسکے وجود پاک پر استدلال کرنا خلق السموات و الارض یا الذی جعل لکم الارض فراضا و السماء بناءً  
(۳) اجسام کے حدوث سے استدلال کرنا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قول سے اشارہ فرمایا گیا ہے لا احب الا فلین۔

(۴) اعراض کے حدوث سے استدلال کرنا اور یہ طریقہ سب طریقوں سے سہل ہے اور جلد ہم میں آجاتا ہے اور اسکا حصہ دو قسم کے دلائل پر ہے (۱) دلائل نفس (۲) دلائل آفاق کتب الہیہ میں اکثر انھیں دو باتوں کا ذکر ہے۔ دلائل نفس یہ ہیں کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ وہ پہلے سے موجود نہیں تھا اب موجود ہوا ہے اور جو چیز عدم سے وجود میں آئی ہے اُسکے لیے موجد کا ہونا ضروری ہے اور وہ موجد اُسکی ذات نہیں ہو سکتی اور نہ اُسکے مان باپ وغیرہ ہو سکتے ہیں اس واسطے ایک ایسے موجد کی ضرورت ہے جس کا وجود ان سب سے علیحدہ ہو اور وہی خدا ہے۔ دلائل آفاق سے یہ مراد ہے کہ جو چیزیں انسان کی ذات کے علاوہ ہیں اُن سے وجود باری پر استدلال کیا جائے جسمین تمام تغیرات عالم داخل ہیں جیسے پانی کا برسنہ۔ ہوا کا چلنا۔ اختلاف فصول وغیرہ۔ یہ سب ایک ایسی ذات کے محتاج ہیں جو سب سے بڑی ہو اور جسم سے مبرا مگر سب کی موجد ہو۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ تمام اجسام کو ایک موثر کی ضرورت ہے جو سب پر قادر ہو اور

پھر جو تھارا دل چاہے کرو انھوں نے کہا وہ کیا سوال ہے۔ آپ نے فرمایا اُس شخص کے بارہ مین  
 تم کیا کہتے ہو جو یہ بیان کرتا ہے کہ مین نے ایک کشتی اسباب سے بھری ہوئی دیکھی کہ دریا کی موجوں  
 اور مختلف ہواؤں نے اُسکو پریشان کر رکھا ہے مگر وہ کشتی برابر چلتی ہے اور کشتی کے اوپر طبع بھی  
 نہیں ہے جو اُسکو باقاعدہ چلائے اور نہ اور کوئی ہے جو ہوا کے جھوکوں اور پانی کی موجوں سے  
 کشتی کو محفوظ رکھے غرض وہ کشتی خود بخود اپنا سب انتظام کرتی ہے۔ ایسے بیان کرنے والے  
 کی نسبت تم کیا کہتے ہو۔ تو دہر لوں نے کہا کہ اُس شخص کا یہ قول بالکل جھوٹا ہے عقل میں نہیں  
 آتا۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ جب یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ دریا کے اندر کشتی خود بخود  
 بلا کسی محرک کے قاعدہ کے ساتھ نہیں چل سکتی تو یہ بات کیسی باور کیجاتی ہے کہ یہ تمام دنیا باوجود  
 اس قدر تغیرات اور اختلاف حالات کے اور باوجود اس قدر فراخی اور بعد اطراف کے اس طرح  
 محفوظ ہے اور کوئی اُسکا حافظ اور صانع نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ دہریے سب کے سب وٹنے لگے  
 اور کہنے لگے کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ پس تلوارین نیام مین کر لین اور تو بہ کر کے مشرف  
 باسلام ہو گئے۔

(۴۷) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ وجود صانع پر کیا دلیل ہے آپ نے  
 فرمایا کہ شہتوت کے پتوں کا مزہ اور اُسکی طبیعت تھا لے نزدیک ایک ہے کہ نہیں انھوں نے کہا  
 کہ ہاں ایک ہے تو آپ نے فرمایا۔ رشیم کا کیر جب ان پتوں کو کھاتا ہے تو اُس سے رشیم نکلتا ہے  
 اگر رشیم کی مکھی کھاتی ہے تو اُس سے شہد نکلتا ہے اگر بکری کھاتی ہے تو اُس سے میٹھی نکلتی ہے  
 ہر ن کھاتا ہے تو اُسکے نافہ میں مشک بجاتا ہے پس بتاؤ کہ وہ کون ہے جس نے ایسی مختلف

تلاطم میں مبتلا ہو گیا۔ اور بہتا بہتا دریا کے کنارے پر جا لگا۔ اُسوقت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے تو جھک کر ملاح اور کشتی پر اعتماد ہوگا اُسکے بعد تجھ کو اُس تختہ پر بھروسہ ہوگا جس پر تو لٹکا تھا جب وہ بھی تیرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو بتلا کہ پھر تیرا کیا حال تھا اور کس پر بھروسہ تھا کیا تو نے اُسوقت اپنی جان کو موت کے حوالہ کر دیا تھا یا اُسوقت بھی تجھ کو بچنے کی کچھ امید تھی۔ اُس نے کہا کہ ہاں مجھ کو امید تھی کہ شاید اب بھی بچ جاؤں تو آپ نے فرمایا سچ بتا کہ یہ امید مجھ کو کس سے تھی وہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔ یہ بات سُکر وہ زندیق خاموش ہوا۔ آپ نے فرمایا دیکھ جس سے تجھ کو امید تھی وہی سب کا صانع ہے۔ اور اُسی نے تجھ کو دُوبنے سے بچایا ہے یہ بات سُکر وہ شخص آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گیا۔

(۲) کتاب دیانت العرب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصینؓ سے استفسار فرمایا کہ تیرے کتنے معبود ہیں اُس نے کہا کہ دس ہیں۔ آپ نے فرمایا اُن سب میں وہ کون ہے جو غم اور مصیبت کے وقت تیرے کام آتا ہے اور جب کبھی کوئی بڑی دقت پیش آتی ہے تو وہ اُس کو دور کرتا ہے اُس نے بیاختہ عرض کیا وہ تو اللہ ہے۔ آپ نے فرمایا جب یہ بات ہے تو پھر اللہ کے سوا تیرا کوئی معبود نہیں ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دہریوں کے حق میں ایک تیز شمشیر کا حکم رکھتے تھے ایسے دہریے بھی موقع کی تاک میں رہا کرتے تھے کہ کسی ترکیب سے امام صاحب کو قتل کر ڈالیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ اپنی مسجد میں بیٹھے تھے کہ دہریوں کی ایک جماعت برہنہ تلواریں لیے ہوئے آگئی۔ اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے تم ہکو ایک سوال کا جواب دینا

علیٰ قصب الزبرجد شہادت بان اللہ لیس لہ شریک  
یعنی زمین کی گھاس پر نظر ڈال کر دیکھ لے کہ اُس بادشاہ کی قدرت کے کیا کیا آثار و وجود ہیں  
کسین پھول کھلے ہوئے ہیں جیسے چاندی کی آنکھیں۔ کمین کلیان ہیں جیسے پگھلا ہوا سونا۔  
یہ سب سبزنگ کی شاخوں پر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اُس خدا نے فی الجلال  
لہ کو کوئی شریک نہیں ہے۔

(۹) ایک اعرابی سے کسی نے وجودِ صانع کی دلیل طلب کی تو اُس نے کہا البعرات دل  
علی البعیر والروث علی الحمیں واثار الاقدام علی المسیر فسماء ذات ابواب  
وارض ذات فجاج وبحار ذات امواج ماتدل علی الصانع المحلیم  
العلیم القدیم یگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ اور لید گدھے پر۔ اور قدم کے  
نشان چلنے پر۔ تو یہ آسمان جسکے اندر برج ہیں اور یہ زمین جس میں بڑے بڑے استے ہیں اور یہ  
دریا جو موجیں مارتے ہیں۔ کیا صانعِ حلیم۔ وعلیم و قدیر پر دلالت نہیں کرتے۔

(۱۰) کسی نے طبیب سے دریافت کیا کہ تو نے اپنے پروردگار کو کس طرح پہچانا اُس نے کہا کہ میں نے  
بلبلہ کے مزاج سے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اگر خشک استعمال کیا جائے تو باوجود سوکھا ہونے  
کے دست آورے اور اگر اسکا لعاب استعمال کیا جائے تو باوجود تر ہونے کے دستوں کو بند کر دیتا  
ہے۔ ایک شرمین ایسی متضاد صفات کا پیدا کر نوا لا وہی خدا نے عزوجل ہے۔

ایسی طرح ایک اور طبیب نے بیان کیا کہ میں نے شہد کی مکھی سے اپنے پروردگار کو پہچان لیا  
کہ اُسکے ایک جانب سے تو شہد نکلتا ہے اور دوسری جانب سے وہ کاٹتی ہے۔ عربی میں شہد کو

چیزیں اُس پتہ میں پیدا کر دین باوجود کہ پتہ کی طبیعت ایک ہی ہے۔ یہ بات اُن لوگوں کو بہت پسند آئی اور سب کے سب آپ کے ہاتھ پر شرف باسلام ہو گئے۔ اور یہ ستر آدمی تھے۔

(۵) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے وجود باری کی نسبت سوال کیا۔ آپ نے یہ دلیل بیان کی کہ تم اکثر دیکھا کرتے ہو کہ کبھی انسان خواہش کرتا ہے کہ اُس کے لڑکا پیدا ہو مگر لڑکا پیدا نہیں ہوتا بلکہ لڑکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب لڑکی کا ارادہ کرتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اسے ثابت ہوا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے اور وہی خدا ہے۔

(۶) احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وجود صانع پر ایک مرتبہ یہ دلیل بیان کی کہ مین نے ایک مضبوط قلعہ دیکھا جو صاف اور چکنا بنا ہوا تھا اُس مین کین روزن نہ تھا باہر سے اُسکی شکل ایسی تھی جیسے گچھلی ہوئی چاندی ہوتی ہے اور اندر سے مثل سونے کے۔ پھر اُس قلعہ کی دیواریں بھینچیں جنمیں سے ایک جانور نکل پڑا جس کے آنکھ کان سب اعضا موجود تھے۔ آیا یہ کسی کے خیال میں آتا ہے۔ اُنکی مراد قلعہ سے انڈا اور جانور سے انڈے کے اندر کا بچہ تھا۔ نتیجہ اس بیان کا یہ تھا کہ ایسی چیزوں کا پیدا کرنا کوئی ہے اور وہی خدا ہے۔

(۷) ہارون رشید نے امام مالک سے وجود صانع پر دلیل پوچھی تو اُنھوں نے فرمایا آوازوں کا مختلف ہونا اور لغتوں کا متفاوت ہونا بھی وجود صانع کی دلیل ہے۔

(۸) ابو نواس سے کسی نے وجود صانع کی دلیل پوچھی تو اُس نے یہ تین شعر پڑھ دیے۔

تأمل فی نبات الارض وانظر  
الاشرار ما صنع الملیک  
عیون من لجین شاخصات  
واذہار کما الذہب السبیل

لعل زید بیکر منے شائد زید میرا کرام کرے کلام میں ترجی اور خوف کا استعمال اسی وقت ہوتا ہے کہ جب ایک چیز کے پائے جانے سے جہل ہو۔ اور اسکا انجام معلوم نہ ہو۔ جناب باری تعالیٰ تو ان سب امور سے پاک ہے لہذا ایسے مواقع میں تاویل کیجاتی ہے اور ظاہری معنی سے عدول کیا جاتا ہے سو وہ تاویل یہ ہے کہ یہاں ترجی کے معنی بندوں کی طرف راجع ہیں نہ خدا کی طرف اصل ہے کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو بظاہر ایسے مختصر الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ جو امید دلانے کے لیے آتے ہیں۔ یا آنکھ سے اشارہ کر دیتے ہیں یا سہم فرماتے ہیں غرض کہ جو باتیں اور لوگوں سے یقین کے لیے نہیں پائی جاتیں انکا استعمال فرماتے ہیں اور باوجود اسکے اہل غرض کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ہم کامیاب ہو گئے۔ یہ طرزِ ادا اور تقسیم ارادہ کا اثر ہے۔ اسی طرح جناب باری عزائمہ کے کلام میں لفظ لعل وغیرہ مستعمل ہوئے ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ تقویٰ اور عبادت ایک ہی چیز ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عبادت ان افعال کے کرنے کا نام ہے جنکے کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور تقویٰ دراصل اُن چیزوں سے بچنے کا نام ہے جو انسان کے حق میں مضر ہیں۔ گو بہ لحاظ تعلیم معنی تقویٰ میں عبادت بھی داخل ہے مگر یہاں بلحاظ اصلیت معنی کے عبادت کے حکم کے بعد لعل کو تقویٰ کے ذکر سے عبادت کو تقویٰ کے حصول کا باعث قرار دیا گیا ہے اور اس مضمون عبادت کو دیکھو اس نظم میں کس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

پشت درخدا متشدد تا کردن

جاہ و حرمت ز دل رہا کردن

تقویت کردن روان ز خرد

تقیّت کردن نفوس از بد

عسل اور کاٹنے کو سع کہتے ہیں اور یہ ایک دوسرے کا عکس ہے۔ اس عکس لفظی کا معنی شہد کی مکھی میں موجود ہے۔ اہل لغات کی وسعت نظر بھی قابل غور ہے۔

(۱۱) دلیل یہ ہے کہ ہر کافر و مومن باہتاً بلا کسی دلیل کے خدا کے وجود کا قائل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ هُم لَيَقُولُنَّ اللَّهُ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم اُنسے پوچھو گے کہ اُنکو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ انکابیان ہی خدا کے موجود ہونے کی بری دلیل ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ فَلَمَّا رَاوْا بَاسْنًا قَالُوا اَصْنَابًا اِلٰهًا وَحَدَہٗ وَکُفْرًا۔ عا کذابہ مشرکین یعنی جب مشرکین نے ہمارے مذاہب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم خدا کے اوپر ایمان لائے وہ کیسا ہے اور جسکو ہم خدا کا شریک بناتے تھے اُس سے باز آئے الَّذِیْ خَلَقَکُمْ کے بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ پہلے تو بندوں پر عبادت لازم کر دی گئی اور پھر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب ہم نے تمکو پیدا کیا ہے تو عبادت کے ہم ستحق ہیں تم پر ہماری عبادت واجب ہے وَالَّذِیْنَ مِنْ فِیْہِکُمْ کے کہنے میں یہ تعلیم آئی ہے کہ جیسا ہم نے تمکو پیدا کیا ہے جیسا ہی تمہارے اسلاف کے بھی ہم ہی خالق ہیں۔ اصول کا پیدا کرنا فرع کے حق میں بڑا انعام ہے گویا خدا نے تعالیٰ بندوں کو یاد دلایا ہے کہ میرا انعام تم پر ایک زمانہ دراز سے ہے حتیٰ کہ تم موجود بھی نہیں تھے۔ یہ گمان نہ کرنا کہ جب سے تم موجود ہوئے ہو اُسی وقت سے تمہارے اوپر ہمارے انعامات ہیں۔ اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ جسکا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ہماری عبادت کرو گے تو ہم تمہیں پرہیزگار بنادیں گے۔ لفظ لعل عربی زبان میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اکثر ترجمی اور ڈرانے کے لیے آیا کرتا ہے۔ جس میں یقین کا درجہ نہیں ہوتا جس طرح کوئی کہے



اس آیت شریفہ کے متعلق پہلے بعض ضروری الفاظ کے معنے کا لکھنا بھی مناسب ہے۔  
 مفسرین کا اتفاق ہے کہ اسرائیل سے حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم مراد ہیں۔ لفظ  
 اسرائیل مرکب ہے۔ بمعنی عبد اسد۔ کیونکہ اسرا کے معنی عبد کے ہیں اور ئیل کے معنی  
 اسد کے ہیں۔ جبرئیل و میکائیل کا بھی یہی معنی ہے بعضوں نے اسرائیل کے معنی مرد خدا  
 کے بھی کیے ہیں یا بنی اسرائیل اُن یہودیوں سے مراد ہے جو یعقوب علیہ السلام کی  
 اولاد سے آنحضرت صلی اسد علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں رہا کرتے تھے۔

نعمت اُس منفعت کو کہتے ہیں جو غیر پر احسان کرنے کے لحاظ سے پہونچائی جائے  
 کیونکہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے کہ جس کا نفع اُسی کے نفس پر عائد ہوتا ہو تو اُس کو نعمت نہیں  
 کہتے۔ دن رات جو احسانات ہم پر ہوتے ہیں یا جو مصیبتیں خدائے تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے  
 دفع فرماتا ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ وہ سب نعمت الہی ہیں جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا بَكُم  
 مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنْ اللّٰهِ جو نعمتیں بندوں کو حاصل ہوتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں ایک تو بلا واسطہ  
 جیسا کہ ہم کو پیدا کرنا اور ہم کو رزق دینا۔ اور دوسرے بالواسطہ یا بن طور کہ خدائے تعالیٰ نے  
 اولاً نفس نعمت کو پیدا کیا اور پھر نعم کو بنایا اور اُس کو نفع پہونچانے کی قدرت اور توفیق دی۔  
 اگرچہ یہ نعمت بھی وحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے مگر اُس کا ظہور بندہ کے ہاتھ سے ہو نیکی  
 وجہ سے بندہ بھی ضمناً شکر کے قابل ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے اِنَّ الشُّكْرَ لَے وَلِوَالِدَيْکَ لَفِیْ

۱۴ تم کو جو کچھ نعمت میری ہے وہ خدا کی طرف سے ہے ۱۲

۱۵ میرا شکر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو ۱۲

پس حصول مکارم اخلاق کے لیے عبادت الہی لازمی ہے۔ یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتہ  
 التی انعمت علیکم وادفوا بعهدی اوف بعہدکم وایای فارہبون وامنوا  
 بما انزلت مصداقاً لما معکم ولا تکنوا اول کاغریبہ ولا تشتروا بایاتہ ثمناً  
 قلیلاً وایای فاتقون ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتبوا الحق وانتم تعلمون  
 واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واکعوا مع الراکعین ہاتامرون الناس بالبر  
 وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب فلا تفلحون ہ واستعینوا بالصبرا  
 والصلوۃ وانھا لکبیرۃ لا علی الخاشعین ترجمہ اے بنی اسرائیل ہاے وہ احساناً  
 یاد کرو جو ہم تم پر کر چکے ہیں اور تم اُس اقرار کو پورا کرو جو (تم نے) ہم سے کیا ہے۔ ہم اُس اقرار کو پورا  
 کریں گے جو تم نے تم سے کیا ہے۔ اور ہم سے ڈرتے رہو اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے  
 (اب) نازل فرمایا ہے اور وہ اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہاے پاس ہے اور سب سے  
 پہلے اسکے منکر نہوا اور ہماری آیتوں میں تحریف کر کے اُنکے معاوضہ میں تھوڑی قیمت (یعنی  
 دنیاوی فائسے) حاصل نہ کرو اور ہم ہی سے (یعنی ہمارے عذاب سے) بچتے رہو اور سچ کو  
 جھوٹ کے ساتھ گڈ مڈ نہ کرو۔ اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ  
 دیا کرو۔ اور جو لوگ ہمارے حضور میں بوقت ادا سے نماز جھکتے ہیں اُنکے ساتھ تم بھی جھکا کرو۔  
 کیا تم (دوسرے) لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب الہی  
 بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور مصیبت کی برداشت کے لیے صبر  
 اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز شاق ہے مگر اُن پر نہیں جو خاکسار ہیں۔“

گر ہمہ موے بازبان گردد ہر یکے صد ہزار جان گردد  
تا بدان شکر او فروان گویند شکر توفیق شکر چون گویند  
پس سوے شکر نعمتش پویند گر بگویند ہم بد و گویند

اگر غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی تمام چیزیں یا تو باعث لذت ہوتی ہیں یا باعث نفرت۔  
یا موجب دفع مضرت اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ سروسا اُن سے حصول نفع یا دفع ضرر کی  
توقع تو نہیں ہوتی مگر اُن سے وجود صانع پر استدلال ہو سکتا ہے۔ جو معرفت و طاعت الہی کی  
باعث ہوتی ہیں جس سے دوامی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پس یہ سلسلہ اس قسم کا ہے کہ جس سے  
تمام مغنی نعمت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ اذکروا انعمت  
اللہ انعمت علیکم سب سے مقدم نعمت حیات ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کیف  
تکفرون بالله وکنتم امواتا

بعض محققین کا قول ہے کہ نعمت کے بندے بہت ہیں لیکن بندہ بنعم کم ہیں اسلئے  
اس آیت میں بنی اسرائیل سے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا یوں سمجھو کہ پہلے خدا نے اُن لوگوں  
کا ذکر کیا ہے کہ جو بندہ نعمت ہیں اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یوں ارشاد ہوا ہے  
فاذکروا انعمت اللہ علیکم یعنی وہ بندہ بنعم قرار دیے گئے اور اس سے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم  
کا شرف تمام امتوں پر ثابت ہوتا ہے۔

قائدہ جانتا چاہیے کہ بنی اسرائیل پر بہت سی نعمتوں کا نزول ہوا ہے چنانچہ بعض کا

۱۔ میری نعمت کو یاد کرو جسے تم پر کی ہے ۲۔ کیا تم انکا انکار کرتے ہو لاکھ تہجد ۳۔ تم بھکاد کرو زمین تکو یاد کرو ۴۔

لی کے تقدم سے اشارہ ہو کہ ہر ایک احسان کا تعلق دراصل خدائے تعالیٰ سے ہے چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا يَشْكُرُ اللَّهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ تیسری نعمت وہ ہے کہ جو عبادت کے معاوضہ میں خدا ہکو عطا فرماتا ہے۔ یہ نعمت بھی منجانب اللہ ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ ہکو اولے عبادت کی توفیق و ہدایت اور سکت نہ دے تو جو نعمتیں عبادت کے معاوضہ میں میسر ہوتی ہیں انکو ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں گویا یوں سمجھو کہ دینے والا داتا تو وہی ہے۔ لیکن دینے کے چڑھنگ جداجدا ہیں اور سب انتظام و مصالح عباد پر مبنی ہیں۔ اس عنایت الہی کو دیکھو کہ کین تو مالک کی اطاعت کی تعلیم ہوتی ہے کہ کین محسن کی شکر گزاری سکھائی جاتی ہے۔ کین عبادت (خدمت) کے معاوضہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ سب نعمات الہی نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں۔ اسلئے ارشاد ہوا ہے وَأَنْ تَعْدُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا اسکی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو منافع اور لذتیں ہم میں پیدا کی ہیں جن سے ہم مستفید ہوتے ہیں اور جن اعضا کو نفع کے حاصل اور ضرر کے دور کرنے میں استعمال کرتے ہیں جو جو دصانع کے سمجھنے اور گناہوں سے احتراز کرنے کے باعث ہیں وہ سب نعمت میں داخل ہیں اور بشمار میں انکا حد و ضریب ہوا اسکی نعمتوں کی دراصل کیفیت تو یوں ہے۔

او بہ بخشہم او ثواب دہ      او بگوید ہم او جواب دہ  
ہر چہ بستہ نعمت و نازت      بہ ازان یا ہمان دہ بازت

۱۱ جو شخص مخلوق کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ۱۲

۱۳ اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرو تو اسکا حصہ نہ کر سکو گے ۱۴

ابر کا سایہ کیا۔ اور من و سلوے اُتار اور اُنکو ایک پنہر دیا جو آدمی کے سر کے مانند تھا۔ اُسین یہ صفت تھی کہ جب وہ چاہتے تھے بقدر ضرورت اُس سے اُنکو پانی مل جاتا تھا اور جب پانی کی ضرورت نہ رہتی تھی تو اُسکو زمین سے اُٹھالیتے تھے اور فوراً پانی بند ہو جاتا تھا اور اُنکو رات کے لیے روشنی کا ایک ستون عنایت فرمایا تھا کہ جسکی روشنی میں آرام سے بسر کرتے اور اُنکے سر گرد آلود نہوتے تھے اور کپڑے پُرانے نہوتے تھے خدائے تعالیٰ نے یہ نعمتیں کئی وجہ سے یاد دلائی ہیں منجملہ اُسکے۔

(۱) یہ کہ توراۃ۔ انجیل اور زبور میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جو ذکر ہوا اسکی تصدیق کریں اور اس نعمت کو فراموش نہ کریں۔

(۲) یہ کہ نعمتوں کی کثرت نعم کی نافرمانی کی وجہ سے بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہونے کی بھی باعث ہوتی ہوا سیلے ان نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے تاکہ اُسکے حکم کی مخالفت کا خوف کریں اور قرآن اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

(۳) نعمات کے یاد دلانے سے یہ مقصود بھی ہے کہ جب کسی پر کسی کی بہت ساری مہربانیاں اور احسانات ہوں تو اُسکو اپنے محسن کے ساتھ مخالفت کرنے میں شرم آتی ہے۔

(۴) نعمات کثیرہ کا یاد دلانا اس بات کا بھی مستلزم ہے کہ بین الناس اُس قوم کو ختم کیا کو ظاہر کر دیا جائے اور جب کوئی قوم بہت سی نعمتوں کے ساتھ ممتاز ہو تو اُسکو اس بات کی

بھی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ نعمتیں اُس سے زائل نہوں اور یہ امید اُس قوم کو مطیع و فرمان بردار بنا کر رکھ سکتی ہے نافرمانی کے مادہ کو دفع کرتی ہے۔ بہر حال اسکے بعد ارشاد ہوا ہے اور فواہم ہدیہ

تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ بنی اسرائیل کو خدا نے فرعون سے اور اُسکی قوم سے نجات دی اور اُن کی گردن میں غلامی کی جو رسن تھی اسکو نکال دیا اور حکومت عطا فرمائی کما قال ونسريد ان  
 عن علي الدين استضعفوا في الارض وجعلهم ائمة وجعلهم الواسرئين  
 ولكن لهم في الارض وترى فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانوا يحذرون  
 (۲) خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیا اور بادشاہوں کو پیدا کیا اور وہ قبط  
 کے غلام بنے رہتے تھے پس اُنکے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور اُنکو اُنکے ملک مال کا وارث بنادیا  
 جیسا کہ فرماتا ہو کذلک اور ہناہا بنی اسرائیل

(۳) اُن پر بڑی بڑی کتابیں نازل ہوئیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے واذ قال موسیٰ لقومہ  
 اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واثاکم مالاً لہمیوت  
 احدا من العالمین -

ہشامؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ منجملہ نعمائے الہی کے جو بنی اسرائیل  
 پر نازل ہوئیں ایک یہ بھی تھی کہ خدائے تعالیٰ اُنکو آل فرعون سے نجات دی اور جنگل میں اُن پر

۱۱ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ اُن لوگوں پر احسان کریں جنکو ملک میں ضعیف سمجھا گیا اور اُنکو ہم امام بنائیں اور ارشاد کرنا  
 اور زمین میں اُنکو قدرت عطا کریں اور فرعون ہامان اور اُنکے لشکر کو اسے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے ۱۲

۱۳ یعنی جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم خدا کی نعمت کو یاد کرو جو تمہارے اوپر ہوئی کہ خدائے تعالیٰ  
 نے تم میں انبیاء بنائے اور تمکو بادشاہ بنایا اور تمکو وہ چیز دی جو جہان میں سے کسی کو نہیں دی ۱۴

ایسی ہدایت سے جو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کے لیے سودمند ہو ناکام نہ ہو اور  
 ایسا ی فارہیون سے یہ بات بھی بتلا دی گئی کہ اگر ایسا نہ کرے تو تم پر ہمارا عذاب نازل ہو گا یعنی  
 پہلے جرم کی تعریف بتلا دی گئی اور پھر اسکی سزا کا ذکر ہوا ہے۔ اور ولا تلبسوا الحق بالباطل  
 سے اس بات کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ دوسروں کو گمراہ کرنا یا گمراہ ہونیکا اغوا دینا بھی بُرا ہے اس کو  
 چھوڑ دیا جائے غیر کے گمراہ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اگر انھوں نے دلائل حقہ کو سنا  
 تو انکے گمراہ کرنے کے لیے اُن دلائل میں تشویش پیدا کر دینی اور اگر سنا نہیں ہو تو ان سے  
 دلائل حقہ کو خفی رکھنا تاکہ اُن سے مستفید نہوں۔ پس ولا تلبسوا الحق بالباطل سے  
 پہلی صورت کی ممانعت کی گئی ہے و تکفوا الحق سے دوسری صورت کی اور پھر اتم تعلمون  
 سو بھی بتلایا گیا ہے کہ اسطرح جان بوجھ کر گمراہ کرنے میں جو ضرر و نقصان ہو اُس سے تم قف  
 ہو۔ اگرچہ بظاہر یہ خطاب خاص بنی اسرائیل کی جانب ہے لیکن بلحاظ معنی کے اسکا مفہوم  
 عام ہے۔ وہی بات ہے۔ درترگویم دیوار تو بشنو۔ تعلیم قرآن کے سلسلہ کو دیکھو کہ کیسا پاک سلسلہ  
 ہے۔ پہلے ایمان کا حکم ہوا ہے۔ اور پھر امر حق میں آمیزش باطل اور دلائل نبوت کے کتمان سے  
 ممانعت کی گئی ہے جب اس سے ایمان کی تکمیل ہو گئی تو پابندی شریعت کا حکم ہوا ہے اور  
 اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو چیز شریعت میں اصل اور مقدم ہے پہلے اُس کا ذکر  
 فرمایا گیا ہے۔ یعنی واقموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرّاکعین ایسے کہ نماز  
 عبادت بدنی میں سب سے بڑی عبادت ہے اور زکوٰۃ عبادت مالی میں عظم عبادت ہے اور یہ  
 دونوں فروعات شرعی ہیں ایسے ان فروعات سے یہود کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ اگرچہ

اوف بجھد کہ چونکہ عہد کا اثر معاہدہ اور معاہدہ دونوں پر یکساں ہوتا ہے اس لیے اسے بدلنا  
 فرماتا ہے کہ اگر تم ہماری نعمتوں کو پیش نظر رکھو گے اور شکر بجالاؤ گے تو ہم بھی اسکی جزا تمہیں  
 دیں گے اور ایسی فائدہ رہبوں سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ انسان کو خدا ہی سے خوف اور امید  
 رکھنا چاہیے کیونکہ تمام امور کا ظہور اسکی مشیت و قدرت سے وابستہ ہے۔ اور کوئی عبادت بغیر خوف  
 ورجا کے درست نہیں ہو سکتی ہے وامنوا بما انزلت مصداقاً لما معکم سے بنی اسرائیل  
 کو قرآن مجید پر ایمان لانیکی ہدایت کی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن تو جن پیغمبروں کو وہ مانتے ہیں  
 (یعنی موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام) اور جن کتابوں پر ان کا اعتقاد ہے (یعنی توراہ و انجیل)  
 ان سب کی تصدیق کرتا ہے۔ پس اگر وہ قرآن کو سچ مانیں تو انکے ایمان میں اور تقویت ہو جائیگی  
 دلائل کو نوا اول کا فرقہ سے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ تم کو توراہ و انجیل سے تو  
 قرآن کے نازل ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی کیفیت معلوم ہے پس تم اسکو  
 مت جھٹلاؤ تمہارے انکار میں اور قریش کے انکار میں فرق ہے۔ انکار انکار تو جہل پسندی ہے  
 تم اس عذر کو پیش نہیں کر سکتے۔ اس سے یہ ہدایت مقصود ہے کہ کسی امر کا جان بوجھ کر انکار  
 کرنا سخت گناہ ہے۔ ولا تشنوا بایا تے ثمناً قليلاً سے بنی اسرائیل پر قرآن مجید کی  
 عظمت ثابت کی جاتی ہے کہ چونکہ کعب بن اشرف اور حسن بن الخطب جو دو سارے یہود تھے غریب  
 یہودیوں سے کچھ کچھ ہر تیا لیا کرتے تھے۔ اور انکا یہ خیال تھا کہ اگر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم قرآن پر ایمان لائیں تو یہ دیا ان سے منقطع ہو جائیں گے۔ اس لیے انکو کفر پر اصرار تھا اور  
 قرآن مجید کی آیتوں میں تحریف کیا کرتے تھے لہذا انکو ممانعت کی گئی کہ نبوی قلیل نفع کے لیے



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں کو خیر کی تعلیم کرے اور خود اس پر عمل نہ ہو تو اسکی مثال ایک ایسے چراغ کی ہے جو دوسروں کے لیے توروشنی کا کام دیتا ہے اور خود اُسکو بجلا دیتا ہے۔

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لکبيرة الاعمال الخاشعين الذين يظنون انهم ملائكة وهم واجعون خطاب بھی بنی اسرائیل کی طرف ہے۔ کیونکہ خدا نے جب انکو اداے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم فرمایا تو یہ باتیں اُن پر شاق گذرین۔ کیونکہ نماز سے تکبر و جاہ کا ترک کرنا اور زکوٰۃ سے مال سے شکش ہونا لازم آتا تھا اسلئے اس مرض کا علاج اللہ تعالیٰ نے اسطرح بیان فرمایا واستعينوا بالصبر والصلوة چونکہ ان امور کا اختیار کرنا اُنکے نفوس پر نہایت گران گذرتا تھا جسکا ذکر قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یوں ہوا ہے کبر علی المشركين مات دعوا هم اليه ان محدين کا اعتقاد یہ تھا کہ ان احکام کے بجالانے میں نہ تو کوئی منفعت ہے نہ ترک میں کوئی عتاب۔ اسلئے انکی قلبی حالت کو اسطرح ظاہر فرمایا گیا ہے وانها لکبيرة ان پر نماز کا ادا کرنا نہایت گران ہے۔ مگر اعلیٰ الخاشعين سے مسلمانوں کو مستثنیٰ فرمایا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں کا اعتقاد تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں ہر طرح کی منفعتیں ہیں اور نافرمانی موجب عذاب الہی ہے۔ جیسے کہ کسی مریض کو جب شفا کی توقع ہوتی ہے تو اُسکے سامنے کیسی ہی تلخ دوا رکھی جائے تو وہ اُسکو بخوشی نوش جان کر لیتا ہے برخلاف اسکے اگر صحت کی امید نہ ہو تو استعمال نہ و ابال جان ہوتا ہے بہر کیف اس آیت شریف کی تعلیم و فوائد پر غور کرنے سے

وارکوعا مع الراکعین کا ذکر اقیمو الصلوٰۃ کے بعد نماز کا معنی کے بطور تکرار معلوم ہوتا  
 ہے لیکن پہلے جواقبوا الصلوٰۃ کا ذکر ہوا ہے اس سے مقصود حکم اقامت صلوٰۃ ہے اور ارکوعا  
 مع الراکعین سے اسکی عملی تعمیل یعنی جماعت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا مراد ہے اور نیز یہود  
 کی نماز میں رکوع نہیں ہے اسلیئے انکو مثل مسلمانوں کی نماز ادا کرنے کی تحریص بھی دلائی گئی ہے  
 چونکہ رکوع کے معنی خضوع کے بھی ہیں اس صورت میں گویا اداے نماز کا طریقہ بھی بتلایا گیا  
 ہے کہ نماز پڑھو تو خضوع کے ساتھ پڑھو کبر کے ساتھ مت پڑھا کرو اور زکوٰۃ کا ذکر خاص طور پر  
 اسوجہ سے بھی کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سود کھایا کرتے تھے جیسا  
 کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اکلہم السحت واکلہم الربا واکلہم اموال الناس  
 بالباطل لہذا انکوا و امر کی تعلیم اور منہیات سے احتراز کرنیکی ہدایت کی گئی ہے چونکہ بنی اسرائیل  
 کی عادت تھی کہ دوسروں کو تو عبادت الہی کی ہدایت اور معصیت سے بچنے کا حکم کرتے تھے  
 اور خود طاعت الہی کو ترک کرتے اور معصیت میں مبتلا ہوتے تھے اسلیئے ارشاد ہوا کہ تا مرن  
 الناس بالبدو تنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون اخیر جملہ  
 افلا تعقلون کا مقام تعجب میں مستقل ہوا ہے۔ کیونکہ دوسرے کو امر معروف و نہی منکر سے  
 تحصیل خیر کی ہدایت کرنا اور اپنے نفس کو اس سے محروم کرنا حقیقت میں حیرت انگیز بات  
 ہے اور جب تک ناصحین ان اعمال کے خود بھی عامل نہ ہوں تو ایسی نصیحت مؤثر نہیں ہوتی اور  
 عبث ہو جاتی ہے۔ کبھی دشمنہ ایسا لغو کام نہیں کرتے وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 مثل الذی یعلم الناس الخیر ولا یعمل بہ کالسراج یضی للناس ویحرق نفسه

اشارہ فرمایا ہے۔

چون تو با صدق در نماز آئی	با ہمہ کام خویش باز آئی
ور تو بے صدق صد سلام کنی	نیستی نچستہ کا رخام کنی
یک سلامی دو صد سلام ارزد	سجدہ صدق صد قیام ارزد
آن نمازے کہ عادی باشد	خاک باشد کہ باد برپاشد
بے دعا و تضرع و زاری	یک دو رکعت بغفلہ بگزاری
ظن چنان آیدت کہ هست نماز	بخدا اردہنت ایچ جواز
بار عونت شوے بہ نزد خدا	از تو کے بشود خداے <sup>پہچھے</sup> دعا
بے تو باشد بہ پاک برگیرد	کز تو آلودہ گشت نہ پذیرد
تو بہ زمین طاعت تو لے نادان	خویشتن را در تو بندہ مخوان
چون ز نزد نیاز باشد پیک	از تو یارب بود وز و لبیک

ثم قسم قلوبكم من بعد ذلك فهي كالحجارة أو أشد قسوة وإن من الحجارة لمانعات من الماء يخرج منه الماء وإن من الناس يغيثهم الله وما الله بغافل عما تعملون افتطمعون أن يؤمنوا لكم وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون ۵ ترجمہ پھر اُس کے بعد تمھارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر۔ اور پتھر دن میں تو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہرین نکلتی ہیں اور

واضح ہو گا کہ احسان کو فراموش نیکو ہدایت کس خوبصورتی سے بیان ہوئی ہے کہ جس سے آقا  
 اور غلام کا پیوند قائم رہ سکتا ہے اور خدا اور بندہ یا ماتحت و بالادست میں اطاعت و انقیاد کا مادہ  
 پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان احسانمندی کو بھلا دیتا ہے تو اس میں سرکشی اور ناحق شناسی اثر کر جاتی  
 ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے۔ اسکے ساتھ ہی وفاداری اور معاہدے کی پابندی کی تعلیم کی گئی  
 ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمام دین و دنیا کے کاموں میں رونق پیدا ہو جاتی ہے اگر انسان  
 میں وفاداری اور اقرار کی پابندی نہ ہو تو وہ بے اعتبار ہو جاتا ہے ایسے انسان کی نہ مخلوق میں  
 عزت ہے نہ خدا کے پاس اور نیز یہ جتلا یا گیا ہے کہ کسی بات کو جان بوجھ کر جھٹلایا نہ جائے اور  
 دنیوی عارضی نفع کی لالچ میں آخرت کی دائمی منفعت کو فراموش نہ کیا جائے۔ حق و باطل  
 میں ماہ الامتیاز قائم رکھیں جس سے ہر کام حفاظت سے سرانجام پاسکتا ہے۔ یہ سب امور  
 ایسے ہیں کہ جن سے ایمان مستحکم ہو جاتا ہے۔ جب تکمیل ایمان کی باتیں پہلے بتلا دی گئیں تو اسکے بعد  
 احکام شرع کی بجا آوری کی ہدایت ہوئی کیونکہ ایمان کا ثمرہ یہی ہے کہ شریعت کے احکام کی  
 بجا آوری دل و جان سے قدر و منزلت کے ساتھ کی جائے۔ احکام شریعت پر غور کرنے سے  
 معلوم ہو سکتا ہے کہ بنیان انسان کے محفوظ رکھنے کے لیے وہ بمنزلہ حصن حصین کے ہیں  
 اگر کوئی مسلمان اُس سے دل چراتا ہے تو سمجھو کہ مریض اپنے علاج سے غافل ہے اور ایسا  
 بیمار آج نہیں تو کل ہلاک ہو جائے گا۔ بہر حال چونکہ عبادت بدنی میں مقدم نماز ہے اس لیے  
 پہلے اس کی بجا آوری کا حکم ہوا ہے اور اُس کے بعد عبادت مالی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جو عبادت  
 ہو وہ خلوص کے ساتھ ہوئی چاہیے عبادت ریائی مقبول نہیں ہے اس کی طرف حکیم الہی نے

منتصد عامن خشية الله دوسری بات یہ ہے کہ پتھر میں ابا وانکار کا مادہ نہیں ہے جو تصرف  
 اُس میں کیا جاتا ہے باوجود سختی طبع کے اُس کو قبول کر لیتا ہے برخلاف مشرکین کے کہ یہ پتھر سے بھی  
 زیادہ سخت بن گئے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو پتھر دن سے فائدہ پہنچتا ہے اور بعض اوقات  
 اُس نے پانی نکلتا ہے مگر یہ ایسے سنگ ل ہیں کہ کچھ بھی نہیں پگھلتے اور خدا کی عبادت میں نہیں  
 جھکاتے۔ ایسے دلون پر پتھر کو جو فضیلت ہے اُس کو خود خدا نے تعالیٰ نے تین طریقوں سے  
 بیان فرمایا ہے وان من الحجارة لما يفجر منه الانهار یعنی پتھروں میں تو بعض ایسے  
 بھی ہوتے ہیں کہ اُسے نہرین نکلتی ہیں۔ حکما کا بھی قول ہے کہ پانی کی نہرین ان بخارات سے  
 پیدا ہوتی ہیں جو زمین کے تحت میں مجتمع ہوتے ہیں۔ اگر زمین میں دھیسلا ہیں ہو تو آسانی  
 کے ساتھ جا بجا سے بخارات شکل نہروں کے شکل جاتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر زمین میں  
 جبریت ہو تو بخارات مجتمع ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ صلابت بڑھتی جاتی ہے پھر زلزلہ ہوتا ہے  
 جس کے زور سے زمین پھٹتی ہے اور پانی وادیلوں اور نہروں میں پہنچ جاتا ہے۔ بہر حال نقل و  
 عقل سے پتھر سے پانی کی نہروں کا بہنا ثابت ہے اور دوسرے طور پر یون ارشاد ہوتا ہے  
 وان منہا لما يشقق فيخرج منه الماء یعنی بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جائیں  
 مثل چشمہ کے ہو جاتے ہیں۔ نہر کے طور پر جاری نہیں ہوتے۔ اس سے تفاوت رطوبت کا  
 بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ کثرت رطوبت کی وجہ سے اُسے نہرین  
 نکلتی ہیں۔ جس کا ذکر جملہ اولین میں ہوا ہے اور بعض میں کم رطوبت ہوتی ہے اور اُن سے پانی

۱ اگر بنیہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار اہوتا تو تم اُس کو دیکھ لینے کہ خدا کے ڈر کے ماتے جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا ۱۲

بعض تپھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور اُنسے پانی جھرتا ہوا اور بعض تپھر ایسے  
 بھی ہیں جو اس کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس دُاس سے بے خبر نہیں مسلمانوں  
 کیا تم کو توقع ہے کہ یہود تمہاری بات تسلیم کر لیں گے انکا حال یہ ہے کہ انہیں کچھ لوگ ایسے بھی گذرے  
 ہیں کہ کلام خدا سنتے تھے اُسکے سمجھے پیچھے دیدہ و دانستہ اُسکو کچھ کا کچھ کر دیتے تھے۔ بعض  
 چیزیں بالذات ایسی ہوتی ہیں کہ اُنہیں دوسری شے کے اثر قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہوا اور  
 جب عوارضات حائل ہو جاتے ہیں تو اُنہیں قبولیت کا مادہ باقی نہیں رہتا تو اُسوقت ایسی  
 شے سخت اور غلیظ کھلاتی ہے جیسے جسم کہ جب اُس میں حجریت عارض ہو جاتی ہے تو نفس جسم میں اثر  
 قبول کرنے کا جو مادہ ہے اُس سے زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قلب انسان میں بذات ایسی حسرت  
 موجود ہے کہ دلائل الہی اور عبرت انگیز واقعات سے وہ متاثر ہوتا ہے اور اس تاثیر کو بدائتاً با خدا  
 لوگوں میں دیکھو کہ اُنہیں سرکشی اور خدا کی نافرمانی باقی نہیں رہتی اور طاعت و خوف الہی میں  
 منہمک رہتے ہیں۔ مگر جب قلب پر عوارض لاحق ہو جاتے ہیں تو یہ صفت زائل ہو جاتی ہے  
 اور مثل تپھر کے بجاتا ہے۔ اس آیت میں وہ اہل کتاب مخاطب ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے زمانے میں باوجود عجیب و غریب خدا کی نشانیوں کے دیکھنے کے اُنکے دلوں میں ایمان  
 اثر نہیں کرتا تھا یا وہ یہود مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں باوجود موسیٰ علیہ السلام  
 سے کھلے معجزات ظاہر ہونے کے معترض ہوتے تھے اور عناد رکھتے تھے۔ ان کے دلوں  
 کو خدا نے تپھر سے تشبیہ دی ہے بلکہ تپھر سے بھی زیادہ سخت ہونا بیان کیا ہے۔ جیسا کہ  
 اللہ جل شانہ فرماتا ہے لَوْ اَنْزَلْنَاهُ ذَٰلَ الْقرآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاٰیْتَهُ خَاشِعًا

عما تعملون ۵ کہ اسد اُس سے بے خبر نہیں ہر ایسے سخت دلون کی تاک میں لگا ہوا ہو۔  
 اسکے اعمال کو دیکھ رہا ہو دنیا اور آخرت میں اسکی سزا انکو دی جائیگی۔ یہ حکم مشرکین کے حق میں بطور  
 وعید کے ہے۔ یہاں تک تو اسلاف یہود کی بد اعمالیوں کا ذکر تھا جو جنابِ سالتِ مآب صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے قبل گذر چکے ہیں اسکے بعد اب ان یہود کے افعال کا ذکر کیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے زمانے میں تھے افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منهم لیسمعون  
 کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون ﴿۱۱﴾ (مسلمانو) کیا انکو توقع  
 ہے کہ یہود تمھاری بات کو تسلیم کر لیں گے اور انکا حال یہ ہو کہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی  
 گذرے ہیں کہ کلامِ خدا سنتے تھے اور اُسکے سمجھے پیچھے دیدہ و دانستہ اسکو کچھ کا کچھ کرتے تھے  
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان قصون کو جو ذکر فرمایا ہے اُس سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی صحتِ نبوت کا سب کو یقین ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ان قصون کا تذکرہ بدون تعلیم کے فرمایا ہے اور جو خبر بلا تعلیم مطابق واقعہ کے بھی ہو تو ظاہر ہے  
 کہ وہ وحی کے سبب سے ہے تمام عرب اور اہل کتاب ان قصون سے اچھی طرح واقف  
 تھے جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان قصون کو سنتے تھے اور اُس میں تفاوت بھی  
 نہ پاتے تھے تو انکو اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ اس طرح واقعات کا بیان کرنا مبنی بر وحی ہے  
 ایسے اہل کتاب بھی ان قصون سے فائدہ حاصل کرتے تھے اور عموماً اہل عرب بھی۔  
 اہل کتاب کا استفادہ ہونا تو مطابق واقعات سے تھا اور عموماً قوم عرب کو اسوجہ سے فائدہ  
 پہونچتا تھا کہ اہل کتاب کی تصدیق کا اثر انکے دلون پر پڑتا تھا وہ بھی ان قصون سے فائدہ مند

جھر کر صرف ایک چشمہ بنجاتا ہے۔ جملہ مافی البیان سے اُسی کا اظہار مقصود ہے اور ساتھ ہی ان مشرکین کے قلوب کی مشابہت کا ذکر کرنا بھی مقصود ہے کہ جن میں نصیحت کا رگر نہیں ہوتی اور ہدایت سے اثر پذیر نہیں ہوتے اور تیسری حالت کا یوں بیان ہوا ہے کہ وان منہا لم یلبط من حشیۃ اللہ۔ بعض تپھر ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں تپھر سے جبل موسیٰ علیہ السلام مراد ہے جو تجلی الہی کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ یہ کچھ خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے وہ جس شی میں چاہے حیات عقل۔ ادراک پیدا کر دیتا ہے اور کر سکتا ہے اس طرح کے بہت سے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں جیسا کہ وفالوالجملودھم لم شہدتمہ علیہنا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء اس آیت شریف میں کفار کا تنزل بیان کیا گیا ہے کہ باوجود خدا کی روشن دلیلوں کے دیکھنے کے اپنے غناد و تکبر پر مصر ہیں یہ انکے مرتبت انسانی سے گر جانے کی علامت ہے۔ اگر ان میں کچھ بھی عقل سلیم ہوتی تو فرمان الہی کے تابع بنجاتے اور خدا کا خوف انکے دلوں میں اثر کر جاتا۔ مگر یہ ایسے اشہدین کہ تپھروں سے بھی گئے گئے ہین یہ بات ظاہر ہے کہ خداے تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سوائے جن انس کے سب چیزوں میں عبودیت ذاتی کو پیدا کیا ہے کسی میں سرکشی و سرتابی کا مادہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تپھر سے یا جس شے سے جس قسم کا کام لینا چاہو لیا جاسکتا ہے۔ جب خدا نے بوجہ اپنی خلافت کے تمکو اسطرح کی قدرت دے رکھی ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں من مانے تصرف کر سکتے ہو اور وہ تمہاری اطاعت سے منہ نہیں پھرتے تو پھر خدا کے حکم سے تپھروں میں ان صفات کا پیدا ہونا کیا مشکل ہے۔ بہر حال اللہ جل شانہ تنبیہا فرماتا ہے وما اللہ بظاہل



کیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور باوجود نبوت کی نشانیوں کے دیکھنے کے ایمان سے مشرف ہوئے مگر معدوئے چند بے من اسلم و جھہ لله و هو محسن فله اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا هم یحزنون بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اُس کے لیے اسکا اجر اُس کے پروردگار کے ہاں موجود ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا غم طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزرہ خاطر ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کا اعتقاد ہے کہ انکے سوائے کسی کو جنت نہیں ہے۔ یہ دعویٰ بھی مسلمانوں کے دل میں ایک شبہ پیدا کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ دراصل یہود یہ نہیں کہتے کہ نصاریٰ جنت میں داخل ہوں گے اور نہ نصاریٰ کا یہ اعتقاد ہے کہ یہود داخل جنت ہوں گے۔ بلکہ یہود کا معتقد یہ ہے کہ جنت انھیں کے لیے مخصوص ہے۔ علیٰ ہذا نصاریٰ بھی جنت اپنی ہی لیے خاص کرتے ہیں یہ انکی تمنائیں ہیں جبکہ کمال یہ ہے کہ مسلمانوں پر خیر الہی نازل نہیں ہوتا ان باطل آرزوں کی تردید ہا تو ہر ہا انکے سے کی گئی ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع هواہا و تمنی علی اللہ الا مانی وقال علی رضی اللہ عنہ لا یتکل علی المنی فانہا بضائع التولے۔ من اسلم و جھہ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ نفس خدا کی عبادت کے لیے مطیع و متقاد ہو جائے۔ طاعت کے لیے وجہہ یعنی منہ کی تخصیص اس واسطے کی گئی ہے کہ وہ اشرف اعضاے انسانی ہے کہ حواس و فکر و خیال کا

ترجمہ حدیث فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقلیہ وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو متقاد کرے اور با بعد موت یعنی آخرت کے لیے عمل کرے۔ اور یہ یقین وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہشوں کا فرمان بردار ہو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جھوٹی خواہشوں کو پورا ہونے کی آرزو رکھے۔ اور فرمایا حضرت علیؓ کہ تمناؤں پر بھروسہ نہ کیا جائے کیلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت لایت کو دلوں سے ہٹا کر دیتی ہیں

ہوتے تھے۔ اور نیز بنی اسرائیل کے اسلاف پر جو نعمتیں خدا کی طرف سے اُتریں تھیں جن کا اُنھوں نے کچھ خیال نہیں کیا تھا وہ بھی جتلا دینا مقصود ہے اور اسی طرح آنحضرت کے زمانے میں جو یہود موجود تھے اُنکو خوف دلانا بھی مقصود ہے کہ بوجہ کفر و طغیان کے جس طرح تمہارے اسلاف پر عذاب الہی نازل ہوا ہے اگر تم بھی اُسی راہ پر چلو گے تو ویسا ہی عذاب تم پر بھی نازل ہوگا۔ علی ہذا مشرکین عرب کو بھی جتادینا منظور تھا کہ دیکھو بصورت خلاف ورزی تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوگا جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی حرص اور متناہات کی تھی کہ مشرکین عرب دولت اسلام سے مالا مال ہوں اور ایمان لائیں۔ مگر جب اُنکی جانب سے مخالفت ہوتی تو آپ کے مبارک قلب میں ایک تنگی سی ہو جاتی تھی۔ ایسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی خاطر کے لیے بنی اسرائیل کا جو برتاؤ اپنے پیغمبروں کے ساتھ تھا اُسکو برسبیل حکایت بیان فرمایا ہے اور اُنکے عادات کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب تک حصہ میں دولت ایمان نہیں ہے اُنکے افعال ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جھل و کھو ان آیات میں سچے واقعات کو جان بوجھ کر جھٹلانے کی ندمت کس عہدگی سے کی گئی ہے۔ اس سے اہل اسلام کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ سچ کہنا اور سچے واقعات کا انکار انکارنا تہذیب اخلاق کے لیے لازمی ہے قولہ تعالیٰ اَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْنَا اَاقِلِيَا مِنْكُمْ وَانْتُمْ مَعْرُضُونَ تَرْجُمُهُ نَازِرٌ يَّرِي تَهْتَرُ رَهْنَا اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا (باقی) سب پھر بیٹھے اور تم لوگ ہو بے پروا۔ ناز و زکوٰۃ کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے مگر ٹھٹھ تو لیتے سے اخیر آیت تک اُنھیں مشرکین کا ذکر

نیت بھی کہتے ہیں۔ پس اس نیت کا باعث وہی علم و اعتقاد ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ باعث فعل کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی دو بر تقدیر ثانی ان دونوں میں ہر ایک سبب مستقل ہوتا ہے یا منجملہ ان دو کے ایک سبب مستقل ہوتا ہے اور دوسرا غیر مستقل بہر حال اس طرح چار صورتیں باعث فعل و عدم فعل کی قرار پاتی ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک شیر نے کسی انسان پر حملہ کیا۔ بمجرّد حملہ کے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گا۔ اب اس فعل کا یعنی اٹھ کھڑے ہونیکا باعث وہی اعتقاد نفع ہے جو بھاگ جانے میں خیال کیا جاتا ہے یا نہ بھاگ جانے سے ضرر میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ۔ پس اسی نیت کا نام نیت خالص ہے اور ایسی نیت سے جو عمل ہو اُسی کو اخلاص کہتے ہیں۔

یادون فرض کرو کہ کسی کا ایک دوست محتاج ہے اور اُس نے اپنے دوست کی حاجت برآری کی التجا کی اور اس شخص نے اُس محتاج شخص کو اپنا دوست اور محتاج سمجھ کر حاجت وائی کی تو یہ دونوں صفتیں یعنی دوستی اور محتاجی ایسی ہیں کہ ہر ایک صفت ادا حاجت کے لیے مستقل باعث ہو سکتی ہے ایسے اسباب کا نام موافقت الباعث ہے۔

تیسری صورت وہ ہے کہ دونوں سبب مل کر باعث مستقل ہوں۔ اس کو مشارکت کہتے ہیں اس کی مثال ظاہر ہے۔

چوتھی وہ کہ ایک سبب تو مستقل ہوا و دوسرا سبب امدادی۔ جیسا کہ ایک شخص وظیفہ پڑھنے کا عادی ہے۔ جب وظیفہ پڑھنے کا وقت آیا تو کچھ اور لوگ بھی اس شغل کے جمع ہو گئے جب تکی شرکت سے اس کے وظیفہ کی پڑھائی میں آسانی ہو گئی تو یہ شکل معاونت کی ہے

معن ہے۔ جب یہ مطیع ہو گیا تو سب اعضا اسکے تابع ہو جاتے ہیں اور کبھی کنایۂ وجہ کے معنے نفس کے بھی لیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کل شیء ہالک الا وجہہ میں وجہ سے نفس مراد ہے یا اسلئے کہ سب سے بڑی عبادت سجدہ ہے اور سجدہ کے حصول کا تعلق بھی منہ سے ہے اور اللہ کے معنے خالصاً اللہ کے ہیں کیونکہ جس عبادت میں خلوص نہ ہو وہ مقبول نہیں ہے و ہو محسن سے یہ مقصود ہے کہ عبادت کی ادائی کا طریقہ بھی عجز و انکسار کے ساتھ ہو۔ ہندو بھی خدا کے ساتھ اظہار عجز کرتے ہیں مگر طریقہ اڑٹھیک نہیں ہے کہ وہ ایسے افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں جو شان الہی کے شایان نہیں ہے۔ بہر کیف جب خدا کے مقرر کردہ طریقوں پر عبادت ادا کی جائے تو کسی قسم کا خوف و حزن نہیں۔ خوف کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے حزن کا تعلق زمانہ حال و ماضی سے۔ سعادت کا ملکہ کی تعریف یہی ہے کہ اُس میں کسی طرح کا نقصان نہ ہو۔ چونکہ عبادت الہی میں خلوص کی شرط ہے تو اب اخلاص کی بھی تعریف معلوم کرنی ضرور ہے۔ اخلاص کے لیے امور ذیل کی ضرورت ہے اول یہ کہ نیت اچھی ہو انا مال اعمال بالنیات وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان الله لا ينظر الے صورکم ولا الی اعمالکم وانہا ینظر الے قلوبکم و نیا تکمہ دوسرا یہ کہ جب انسان کو اس بات کا علم یا گمان بھی ہو کہ کسی فعل کے کرنے میں یا ترک میں کوئی نفع یا دفع ضرر ہے تو اسکے دل میں ایک طلب پیدا ہو جاتی ہے جو اُس فعل کے وجود کی باعث ہوتی ہے اسی کا نام ارادہ ہے جسکو

۱۱ ترجمہ حدیث۔ علون کا مدار نیت پر ہے ۱۲  
 ۱۳ ترجمہ حدیث۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کی طرف دیکھتا ہے ۱۴

بندہ ہیں۔ اور جو مقربین بارگاہِ ہین انکے اعمالِ محبت آگہی میں ہوتے ہیں جنکی شان میں یہ آیت ہر ہم الذین یدعون ربہم بالغداہ والعشی یریدون وجہہ بہ حال جیسی نیت ویسی برکت ہو دیکھو نیک نیتی کے ساتھ کام کریں کیسی ہدایت ہوئی ہو جن لوگوں کو خدا کی عبادت خلوص نیت کے ساتھ ادا کریں کی عادت ہو کیا وہ بندگانِ خدا کے ساتھ برعاطلی یا بد نیتی کو کام میں لائیں گے۔ پس جو شخص دوسروں کے ساتھ نیک نیتی سے پیش آئے تو وہ بھی اُسکے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں گے اور ایسی خوش معاملگی سے جو عمدہ نتائج پیدا ہوں گے وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں پس نیک نیتی سے کام کرنا اخلاق کا جزوِ عظم ہے قولہ تعالیٰ فاذکروا نے اذکرکم واشکروا لے ولا تکفرون۔ یا ہا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللہ مع الصابرین ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتٌ بل احياءٌ وکن لا تشعرون ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس الثمرات وبشر الصابرین الذین اذاصابتم مصیبة قالوا اناللہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمة واولئک ہم المقتدون ۰ ترجمہ تو تم ہماری یاد میں لگے رہو کہ ہمارے یہاں بھی تمہارا ذکر (خیر) ہوتا ہے اور ہمارا شکر کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو مسلمانو صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے (مصیبت کی برداشت پر) سہارا پکڑو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مائے جائیں انکو مراہوانہ کہنا (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں مگر (انکی زندگی کی حقیقت) تم نہیں سمجھتے۔ اور البتہ

اور یہاں صورت اول یعنی اخلاص مقصود ہے۔ بہر حال چونکہ قلب تمام جسم میں اشرف اعضا ہے پس اس کا فعل بھی اور اعضاے جسم کے افعال سے بہتر ہے۔ ایسے نیت عمل سے بہتر ہے کیونکہ وہ قلبی فعل ہے۔ عمل کی تین قسم ہیں۔ طاعت۔ معصیت۔ مباح۔ نیت کی وجہ سے اعمال معاصی اپنے موضوعات سے خارج نہیں ہو سکتے۔ جیسے کسی شخص نے محتاج کو کسی غیر کا مال دیدیا یا حرام مال سے مسجد بنوائی تو یہ افعال نیکی میں داخل نہیں ہوتے۔ افعال طاعات بلحاظ اصل و فضیلت کی نیت سے مربوط ہیں۔ نیت کا تعلق عبادت کے ساتھ بالاصل اسطرح ہے کہ عبادت خاص اللہ کے لیے ہو اگر ریا ہو تو معصیت ہو جاتی ہے نیت کا تعلق فضیلت کے ساتھ نیات خیر کے کثرت سے ہوتا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہے اس نیت سے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور ساتھ ہی مشاہدہ الہی بھی پیش نظر ہو تو ایسی نیتوں کا تعلق فضیلت سے ہو جاتا ہے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من قعد فی المسجد فقد ساء لہ امر اللہ وحق علیہ المن وراکرام زائرۃ جیسا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا اُس نے اللہ کی زیارت کی اور خدا پرستی کی کہ ایسے زائر کا اکرام کرے یا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ رہنا بھی داخل فضیلت ہے کہ ایسا انتظام گویا نماز میں ہی مشغول رہنا ہے۔ یا خدا سے شرم کر کے گناہوں سے باز آنا۔ یہ سب تین فضیلت نیت کی ہیں۔ اور نیز نیت کے بھی اقسام ہیں بعض تو اعمال صالحہ دوزخ کے خوف سے کرتے ہیں اور بعض حصول جنت کے توقع میں۔ جو لوگ دوزخ کے خوف سے نیک عمل کرتے ہیں وہ اچھے ہیں۔ مگر جنت کی ہوس سے جو لوگ عمل خیر کرتے ہیں وہ نفعانی غلام ہوتے ہیں۔

**دوسرا** اُن دلائل پر غور کرنا جو تکلیف شرعی اور اوامر و نواہی یا وعدہ و وعید پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان امور کو جب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو ان افعال کی ادائیگی میں سہولت ہو جاتی ہے۔

**تیسرا** مخلوقات کے اسرار میں غور و فکر کرنا تاکہ ہر ایک ذرہ کرشمہ قدرت کے معانی کیلئے آئینہ ہو جائے جیسے

برگِ درختان سبز در نظر ہو شیار ہر وقتے دفترِ است معرفت کردگار  
ذکرِ جوارح وہ ہو کہ اعضاءِ انسانی اوامرِ الہی کے بجا لانے میں مصروف رہیں اور  
نواہی سے محفوظ۔ جملہ اذکروا نے میں یہ سب باتیں شامل ہیں اور اذکوکم کے یہ معنی  
ہیں کہ اگر حسبِ بیان بالاتم ہماری اطاعت میں مشغول رہو گے تو ہم بھی حسبِ مناسب  
تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے یعنی کسی عمل کے معاوضہ میں ثواب عنایت فرمائیں گے  
کسی فعل کے نسبت تمہاری رح کریں گے اور کسی فعل کے نسبت اپنی خوشنودی ظاہر  
کریں گے۔ کسی کے بے تمہارے مراتب میں ترقی دین گے و قس علیٰ ہذا۔ یا اُسکی تفسیر میں بھی  
کی گئی ہے اذکروانی بطاعتی اذکوکم برحمتی اگر تم ہماری طاعت کو پیش نظر رکھو گے  
تو ہم تمکو اپنی رحمت سے فراموش نہ کریں گے۔ اذکروا نے بالذعاء اذکوکم بالاجابة  
والاحسان اگر تم کوئی اپنی حاجت چاہو گے تو ہم اسکو قبول کریں گے بلکہ کچھ زیادہ  
دین گے اذکروانی فی الرضاء اذکوکم فی البلاء خوشوقتی کی حالت میں اگر ہماری  
یاد رکھو گے تو تمہاری مصیبت کے وقت میں ہم بھی تمکو نہ بھولیں گے و قس علیٰ ہذا۔

ہم تھوٹے سے خوف اور بھوک سے اور مال و جان اور پیداوار (ارضی کی) کمی سے آزمائیں گے۔ اور (اے پیغمبر) صبر کرنے والوں کو (خوشنودی خدا اور کثالت کی) خوشخبری سنا دو۔ یہ لوگ جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُنکے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہو اور یہی راہ راست پر ہیں۔“

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رُے زمین کے فرشتے روزانہ بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہوتے ہیں تو اُن سے بندوں کا حال پوچھا جاتا ہے تو وہ مجالس خیر کا تذکرہ عرض کرتے ہیں سو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایسے بندوں پر رحمت کا اظہار ہوتا ہے شاید اس آیت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہوگا۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان صبر کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسکو مصیبت کی ایذا محسوس نہیں ہوتی۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مت جاتا ہر رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان گئیں اسکے سولے آیت اولین یعنی فا ذکر والی اذ ذکر کم و اشکو والی ولا تکفرون میں دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے ایک تو ذکر کی اور دوسرے شکر کی ذکر کئی قسم پر ہے۔ ذکر لسانی ذکر قلبی۔ ذکر جوارح۔ تحمید۔ تجید۔ تسبیح۔ اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ سب ذکر لسانی ہیں لہذا ذکر قلبی کی تین قسم ہیں۔

ایک تو اُن دلائل پر غور کرنا جو خدا نے تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ یا اُن دلائل کی تردید میں خوض و فکر کرنا جن سے دلائل مذکورہ میں شبہ واقع ہو۔



سعود بن عفراء۔ عوف بن عفراء۔ جب یہ حضرات شہید ہوئے تو لوگ کہنے لگے کہ فلان فلان  
اشخاص مر گئے اور کفار قریش کہتے تھے کہ لوگ بیفائدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے  
اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے شہدائی شان میں اموات  
کا لفظ استعمال نہ کریں کیونکہ قریب میں قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے اور اپنے نیک اعمال  
کی جزا پائیں گے۔ اور انکو جنت میں نعمتیں دی جائیں گی۔

اصل یہ ہے کہ بقائے وجود انسانی روح سے متعلق ہے۔ موت کے بعد بھی روح میں  
کسی طرح کا فرق و تمیز عارض نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ الم و لذت کا مزہ برابر حاصل کرتی ہے۔  
قیامت کبریٰ میں پھر روح کا تعلق جسم کے ساتھ بحکم قدرت الہی ہو جاتا ہے اور یہ بات اللہ کے  
پاس کچھ مشکل نہیں ہے و لنبیونکم لشیء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال  
والانفس و الثمرات یہ آیت متعلق ہے و استعینوا بالصبر و الصلوة سے یعنی اے  
مسلمانو صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مصیبت کی برداشت پر سہارا پکڑو کیونکہ ہم کمون خوف  
سے بھوک سے مال و جان سے پیداوار اراضی کی کمی سے آزمائیں گے۔ بعض منافقین  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا اظہار مال اور کنائش رزق کی طمع سے ظاہر کرتے تھے  
اس لیے کھوٹے کھرے کی آزمائش کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب کا ذکر فرمایا ہے  
جب منافق اس مضمون کو سنتے تھے تو بھاگ جاتے تھے اور دین کو چھوڑ دیتے تھے  
جس سے انکی اصلی حالت کا امتحان ہو جاتا تھا اور نیز انسان کے خلوص اعتقاد کی  
کیفیت مصیبت کے وقت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے۔ فراغت کے وقت اسکا معلوم

بہر کیف جبکہ خداے تعالیٰ نے فا ذکر و انی سے امور بالاکہ ہدایت فرمائی تو دلاشکر و  
 سے اداے شکر کا حکم ہوا۔ اور ساتھ ہی اُن امور کا ذکر کیا گیا ہے جن سے عبادات و شکر  
 کی تائید ہوتی ہے لہذا ارشاد ہوا کہ استعینوا بالصبر والصلوة کیونکہ صبر سے نفس مقہور  
 و مغلوب ہو جاتا ہے اور نماز کا بھی یہی اثر ہے کہ نماز میں خضوع و خشوع و تذلیل و اخلاص لازم ہے  
 جس سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اور جب نفس کی اصلاح ہو جائے تو پھر عبادت  
 و شکر الہی میں کچھ خلل نہیں واقع ہوتا۔ وروی انہ علیہ الصلوۃ والسلام کا ناذاخر بہ  
 امر فزع الی الصلوۃ۔ ثم قال ان الله ملع الصابرين۔ اس سے  
 ظاہر ہو سکتا ہے کہ صبر اور نماز میں اصلاح نفس کی کیا خوبیاں ہیں ولا تقولوا لمن یقتل  
 فی سبیل اللہ اموات بل احياء و لكن لا تشعرون اس آیت کو مضمون باقبل سے  
 یوں ربط ہے کہ ہر گاہ صبر اور نماز میں مدد ہیں تو پھر خدا فرماتا ہے کہ بشرط ضرورت دشمنین کے  
 مقابلہ میں تمکو جان و مال بھی خرچ کرنا ہوگا۔ جو لوگ اقامت دین کے لیے جان دیتے ہیں  
 انکی نسبت یہ خیال نہ کیا جائے کہ انھوں نے یوں ہی اپنے نفوس کو راسخاں کھو دیا بلکہ  
 وہ ہمارے پاس زندہ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت شہدائے  
 جنگ بدر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس جنگ میں چودہ مسلمان شہید ہوئے چھ مہاجرین  
 سے اور آٹھ انصار سے مہاجرین میں عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب۔ عمر بن ابی وقاص  
 ذوالشمالین۔ عمر بن نفیلہ۔ عامر بن بکر۔ جعفی بن عبد اللہ۔ اور انصار میں سعید بن خثیمہ۔  
 قیس بن عبد المنذر۔ زید بن حرث۔ تمیم بن ہام۔ رافع بن معالی۔ حارثہ بن سراقہ۔

بہر حال ان امور پر صبر واجب ہے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں عدل و حکمت کیا ہے جن لوگوں کا ایمان کامل نہیں ہے وہ ان باتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ وہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَن يَجْعَلُ اللّٰهُ عِلْمَهُ حُرُوفًا ۚ فَانصَابِهِ خَيْرٌ لِّطَحْمَانٍ به وان اصابتہ فتنۃ ۚ فلقلب علی وجہ خسار الدنيا والاخرۃ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر انسان کا خاصہ ہے۔ بہائم و ملائکہ میں صبر نہیں ہوتا۔ بہائم میں اسوجہ سے صبر نہیں ہوتا کہ وہ ناقص الخلقہ ہیں۔ شہوت ان پر غالب ہے انہیں اس قدر عقل نہیں ہوتی کہ مکروہات کا مقابلہ استقلال کے ساتھ کریں جس سے صبر حاصل ہو۔ اور ملائکہ میں صبر اسوجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ کامل الخلقہ ہیں وہ شہوت کے مطیع نہیں ہیں اس لیے انکو مکروہات سے مقابلہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ برخلاف انسان کے ۵

آدمی زادہ طرفہ معجون ست      کز فرشتہ سرشتہ وز حیوان  
گر کند میل این شود بہ ازین      ور کند رغبتش شود بہ ازان

اسکی ابتدائی حالت تو مثل بہائم کے ہوتی ہے کہ صرف کھانے پینے کی خواہش میں گزرتا ہے اور کچھ چند روز کے بعد کھیل کود کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسکے بعد جماع کی۔ اور کچھ ضعیف نہیں ہوتا اسکا بلوغ کا زمانہ تو ایسا ہوتا ہے کہ سوائے طلب لذات دنیوی کے آخرت کا خیال ہی نہیں ہوتا جب عقل کا زمانہ شروع ہوتا ہے تو اسوقت نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی

۱ ترجمہ۔ لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی عبادت تو کرتا ہے۔ دگر اکھڑا اکھڑا کہ اگر اسکو کوئی فائدہ پہونچ گیا تو اسکی وجہ سے مطمئن ہو گیا اور اگر اسکو کوئی مصیبت آپڑی تو جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی کو لوٹ گیا۔ اُس نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی ۱۲

ہونا محال ہے۔ علاوہ اسکے جن مصیبتوں کا ذکر اس آیہ شریف میں ہوا ہے اُن کا ہر ایک واقعہ متعلقہ بھی ہے۔ خوف کا تعلق واقعہ احزاب سے ہے کہما قال اللہ تعالیٰ ہذا لک ابتداء المؤمنون وزلزلوا زلا لا شديدا۔

اور بھوک کا تعلق ابتداء ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ کیونکہ اُس وقت مال کی بہت کمی تھی۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا۔ اور مال و جان کا نقصان جہاد میں واقع ہوتا ہے کہما قال اللہ تعالیٰ وجاہدوا با أموالکم وانفسکم۔

اور کبھی فوج جہاد میں توشہ نہ دینے سے بھوک کی تکلیف ہوتی ہے قال اللہ تعالیٰ ذلک بانہم لا یصیبہم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل اللہ

نقصان نفس بعض اوقات عزیز و قریب کی موت سے واقع ہوتا ہے چنانچہ یہی تاویل آیت ولا تقتلوا انفسکم میں کی گئی ہے۔ اور نقصان ثمرات کبھی تو قحط سے ہوتا ہے اور کبھی عار و گنہگار کی مرمت نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو لوگوں کو بوجہ مشغولی جہاد اپنے گھروں اور باغچوں کی مرمت کا کم موقع حاصل ہوتا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خوف سے خوف خدا۔ بھوک سے روئے۔ نقصان مال سے زکوٰۃ اور صدقات کا دینا۔ نقصان نفس سے امراض اور نقصان ثمرات سے اولاد کا فوت ہو جانا مقصود ہے

۱۔ ترجمہ۔ اس موقع پر مسلمانوں کے دستقلال کی آزمائش کی گئی اور خوب ہی جھڑپیں لگے ۱۲

۲۔ ترجمہ۔ اور اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرو ۱۳

۳۔ ترجمہ۔ یہ اسلئے کہ ان جہاد کو نہوا لون کو خدا کی راہ میں پیاس اور سخت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے ۱۴

حدیث شریف میں اسی لحاظ سے صبر کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ بہر حال جن مشکلات کا ذکر آیت شریف میں ہوا ہے وہ از قبیل عقوبت نہیں ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اسکو رسول مقبول اور صحابہ کرام کے جانب اسوجہ سے منسوب فرمایا ہے کہ اُسکے معاوضہ میں دین میں اُنکا درجہ بڑھانا مقصود ہے اور نیز منجمن و تنویر کے اقوال کی تردید بھی مقصود ہے جو اس قسم کے مصائب کو نحوست کو اکب وغیرہ کا اثر بتلاتے ہیں۔

اب صابریں کے لیے جو خوشخبری ہے اُسکا ذکر کیا جاتا ہے۔ و بشر الصابریں

الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا ان الله وانا اليه راجعون۔ اولئک

علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المہتدون یعنی اے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنائے کہ جب اُن پر مصیبت آپڑتی

ہے تو کہتے ہیں کہ اناللہ وانا الیہ راجعون کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف

لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اسمین لعنہ و نشور کا اعتراف ہے عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم من استرجع عند المصیبة جبر اللہ مصیبتہ احسن عقباہ وجعل

لہ خلفاھا لکیا یرضاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مصیبت کیوقت

اناللہ وانا الیہ راجعون کہے تو خدا اُسکا بہتر معاوضہ عطا

فرماتا ہے اور اُسکو خلف صالح عطا فرماتا ہے جس سے وہ خوش رہے دوی اندھ طے سراج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان الله وانا اليه راجعون فقیل

امصیبتہ ہی قال نعم کل شیء یؤدی المؤمن فصولہ مصیبتہ اکیبار آنحضرت

مقابلہ کا نام صبر ہے۔

فائدہ صبر دو قسم پر ہے بنی۔ نفسانی۔ صبر بدنی وہ ہے کہ انسان جسمانی مشقتوں کا تحمل

کرسے درد و تکالیف بدنی کو سہے۔ اعمال شاقہ کا عادی ہو۔ صبر نفسانی وہ ہے کہ مقتضیات شہوت

اور مستہیات طبع کو روکے۔ اگر شہوت بطن و فرج پر صبر کرے تو اسکو عفت کہتے ہیں۔ اگر مکروہات

کی برداشت ہو تو بہر حال حالت ایسے صبر کا نام جدا جدا رکھا گیا ہے اگر محض نصیبت کی برداشت

ہو تو اسکو بھی صبر کہتے ہیں۔ اگر ان امور سے حالت بڑھ جائے اور چیخنے پکائے اور دامن

چاک کر نیکی نوبت پہنچ جائے تو اسکو جوع و بلع کہتے ہیں۔ اگر حالت غنا میں صبر کی ضرورت ہو

تو ضبط نفس کہا جاتا ہے۔ اور حالت فقر میں بطر۔ معرکہ رزم میں صبر کا نام شجاعت ہے۔ والا جبین

کہتے ہیں۔ حالت عیظ و غضب میں صبر کرنے کو حلم کہتے ہیں والا نزق۔ اگر زمانہ کے حوادث

میں مبتلا ہو اور صبر کرے تو اسکا نام سعة الصدر ہے۔ والا صخر۔ دم اور ضیق الصدر ہے حقا

کلام کے صبر کا نام کتمان النفس ہے۔ زیادتی عیش سے اپنے آپ کو بچا ناز بہ کہلاتا ہے اور

اسکے ضد کا نام حرص ہے۔ بقدر ضرورت مال پر اکتفا کرنا قناعت ہے جسکا ضد شرہ ہے۔

احادیث میں صبر کی جو فضیلت مذکور ہے کسی قدر اسکا ذکر بھی مناسب ہے فتال

علیہ الصلوٰۃ والسلام الصبر نصف ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ صبر ایمان کا نصف حصہ ہے کیونکہ ایمان کی تکمیل بدون ترک ممنوعات کے ہونہیں سکتی

خواہ وہ اقوال سے متعلق ہوں یا اعمال و عقائد سے۔ اگر فعل یا ترک فعل خواہش کے مطابق

ہے تو اس میں صبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر خلاف خواہش ہو تو البتہ صبر کی ضرورت ہے

تو وہی شرمورث آفات بجاتی ہے تب انسان کا دل مکروہات عالم سے متنفر ہو جاتا ہے اور خدا کے پاک کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اُنس تھا آخر وہی جنت و بال ہو گئی اور وہاں سے نکالے گئے تو آپ کو ذکر الہی سے اُنس ہو گیا اسی طرح یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے انتہا درجہ کا اُنس تھا جس کا نتیجہ فراق ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے نصرت و اعانت کی توقع تھی۔ مگر وہی ایسی سختی کرنے لگے کہ آخر کار آپ نے فرمایا مَا اَوْذَىٰ نَبِيٍّ مِّثْلَ مَا اَوْذَىٰتِ الْغُرَضِ آخر آریہ میں صابرین کے مراتب کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہی لوگ مورد عنایت و رحمت ایزدی ہیں اور یہی راہ راست پر ہیں۔

**حاصل۔** دیکھو کہ انسان کو ذکر و شکر کی تعلیم کس طرح دی گئی ہے اور صبر میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ صبر کی تعریف کس عہدگی سے کی گئی ہے اور صابرین کا کیا مرتبہ ہے بہر کیف ذکر و شکر و صبر بھی لازماً اخلاق ہے قولہ تعالیٰ يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا و طَيِّبًا و لَا تَتَّبِعُوا اُخْطَاۗتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ۔ اِنَّمَا يَأْكُمُ بِالْاَسْوِءِ و الْفَحْشَآءِ وَاِنْ تَقُولُوْا عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ترجمہ) لوگو زمین میں جو چیز حلال طیب (قسم کی) ہے اس میں سے (جو چاہو بے تامل) کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں بدی اور سچائی (کے ہی کام کرنے) کو کہے گا اور یہ چاہیگا کہ اپنی طرف سے، بے سمجھے ہو۔ جھٹھ خد پر بہتان باندھو۔ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں

**۱۲** ترجمہ۔ کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہونچائی گئی جیسا کہ مجھ کو پہونچائی گئی ہے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ مبارک کا چراغ گل ہو گیا تو آپ نے فرمایا ان اللہ واننا الیہ راجعون تو حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا چراغ کا گل ہو جانا بھی مصیبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں جو چیز مومن کو ایذا دیوے وہ مصیبت ہے قال نام سلمۃ حدثنی ابوسلمۃ انه علیہ الصلوٰۃ والسلام قال ما من مسلم یصاب بمصیبة فیفزع الی ما امر اللہ بہ من قوله ان اللہ واننا الیہ راجعون اللهم عندک احتسبت مصیبتی فأجرنی فیہا وعوضنی خیرا منها الا اجرہ اللہ علیہا وعوضہ خیرا منها قالت فلما توفی ابوسلمۃ ذكرت ہذا الحدیث وقلت ہذا القول فعوضنی اللہ تعالیٰ ہمہ الصلوٰۃ والسلام ام سلمۃ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ مجھے ابوسلمہ نے بیان کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو مسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ پناہ گزین ہو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یعنی ان اللہ واننا الیہ راجعون کہے اور نیز یہ دعا پڑھے اللهم عندک احتسبت مصیبتی فأجرنی فیہا وعوضنی خیرا منها تو اللہ جل شانہ اُس کو نیک معاوضہ عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ بی بی ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جبوقت ابوسلمہؓ کی وفات ہوئی تو مجھ کو یہ حدیث یاد آئی اور میں نے اُس پر عمل کیا یعنی اُس قول دعا کو پڑھا تو اللہ جل شانہ نے مجھ کو ابوسلمہ کے عوض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمایا جو برگزیدہ عالم ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان قضاے الہی پر راضی ہو جاتا ہے تو اُس میں صبر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور صبر و طرح سے پیدا ہوتا ہے یا بطریق تصرف یا بطور جذب الہی تصرف سے جو صبر پیدا ہوتا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب کسی شے کی طرف خاطر اُل متفت ہو جاتی ہے



آیت میں ہر لاقعد ن ہم صراطک المستقیم ثم لایینہم من بین ایدیہم ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائہم ولا یجد اکثرہم شاکرین اور یہ جو آیت زیر تفسیر میں انما یا مکرک بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ملا نعمون کا ذکر فرمایا ہے یہ بھی اُسی عداوت کی محملی تفصیل ہے۔ کیونکہ لفظ سوء میں وہ تمام معاصی شامل ہیں جو خواہ افعال جوارح سے متعلق ہوں یا افعال قلوب سے فحشاء بدترین قسم سوء میں داخل ہے۔ علی ہذا خدایہ پر ہتھان باندھنا بھی اقسام گناہ کبائر میں داخل ہے۔ جسکو خطوات الشیطان کی تفسیر میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔ معنی آیت یہ ہے کہ شیطان گناہ صغیرہ۔ کبیرہ۔ کفر اور جہل بابد کی طرف انسان کو مائل کرتا ہے۔

**حاصل** دیکھو حرام کھانے اور پینے افعال سے بچنے کی ہدایت کس جامعیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ دونوں باتیں تہذیب اخلاق انسانی کی جزو عظم ہیں۔ قولہ تعالیٰ لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین واتى المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفي الرقاب واقام الصلوۃ واتى الزکوۃ والموفون بعهدهم اذا عاہدوا والصابرون فی الباس والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک هم المتقون

**لہ** میں بھی ترے سیدھے رستے پر بنی آدم کی ناک میں بیٹھوں تو سہی۔ پھر اود بکر اُنکے آگے سے آؤں اور اُنکے پیچھے سے (آؤں) اور اُنکے داہنے طرف سے (آؤں) اور اُنکے بائیں طرف سے (آؤں) اور جس طرح بن بٹے اُنکو ہبکا کر رہوں) اور تو اکثر بنی آدم کو (اپنا) شکر گزار نہیں پائے گا۔ ۱۲

نازل ہوئی جنھوں نے اپنے اوپر سوائب و ضائل اور بھائے کو حرام کر لیا تھا جو قبیلہ ثقیف بنی عامر بن صعصعہ خزانہ اور بنی مدلیج سے تھے۔ حلال کے معنی مباح کے ہیں یعنی جو چیز فی نفسہ حرام نہ ہو۔ جیسے مردار خون شراب اور زنا مال غیر ہو کہ جسکے کھانے کی اجازت صاحب مال سے بیگنی ہو کیونکہ یہ دونوں صورتیں اشیائے حرام سے متعلق ہیں اسکے سوائے سب حلال ہیں طیبہ کی قید حلال کے ساتھ اسید واسطے لگائی گئی ہے کہ اُنسے غیر کا حق متعلق نہ ہو پس حلال کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اشیاء کہ جنکی جنس حلال ہو اور اُنسے غیر کا حق متعلق نہ ہو ان دونوں فظون سے اشیائے حرام کی دونوں مذکورہ بالا صورتوں سے بچنے کی تعلیم ہوئی ہے۔ خطوات الشیطان سے طریقہ شیطانی مقصود ہے کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ ناجائز چیزوں کو حلال کی صورت میں زینت دیدیتا ہے اسلئے خدا نے اسکی اتباع سے زجر فرمایا اور بتادیا کہ دیکھو وہ جو تمھارے ساتھ اسطرح برتاؤ کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ تمھارا گھلا دشمن ہے۔ شیطان اپنی عداوت کی وجہ سے سات چیزوں کو لازم کر لیا ہے جنہیں سے چار چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی ولا ضلنہم ولا مینہم ولا مردنہم فلیتکن اذان الانعام ولا مردنہم فلیغیروا خلقت اللہ اور تین چیزوں کا ذکر اس

۱۲ سائب۔ معمولی سائب جن سے کوئی کار و خدمت نہ لیا جائے ۱۲

۱۳ و صیلہ اونٹنی جسکے پہلوئی کے اوپر سے کے دو بچے مادہ ہوں ۱۳

۱۴ بحیرہ۔ کن بھٹی اونٹنی۔ وہ ایک طرح کی سائب ہوتی تھی جو بتوں کے نام کان پھاڑ کر چھوڑ دیتی تھی

اور پھر اسکو کوئی دودھ نہیں سکتا تھا ۱۴

۱۵ ترجمہ۔ اور انکو ضرور ہی بہکاؤنگا اور انکو امیدیں بھی ضرور دلاؤنگا اور انکو سمجھاؤنگا تو وہ میری ہدایت کے مطابق بنوگی نیا کہ جانوروں کے کان بھی ضرور چیر کر گینگے اور انکو سمجھاؤنگا تو وہ میری ہدایت کے مطابق خدا کی بنائی ہوئی صورتوں کو بھی ضرور بلا کر لینگے ۱۵

ستوج ہو کر عبادت کا ادا کرنا یہی نہیں ہر ملکہ فلان فلان باتیں نیکی میں داخل ہیں اُن پر عمل پیرا ہو۔  
 خدا کی نسبت اہل کتاب کے اعتقادات جُدا جُدا ہیں۔ یہود تجسم کے قائل ہیں اور عیسائیوں کو ابن  
 کہتے ہیں اور نیز خدا کو فقیر اور اپنے کو غنی سمجھتے ہیں چنانچہ خدا نے تعالیٰ نے حکایتاً قرآن مجید  
 میں اسکا ذکر یوں فرمایا ہو قالوا ان الله فقير ونحن اغنياء اور نصاریٰ مسیح کو ابن الہ  
 جانتے ہیں۔ آخرت کی نسبت بھی انکے اعتقادات ایسی ہی ہیں۔ یہود و نصاریٰ دونوں کئی کئی گنا  
 بدخل الجنة الامن کان ہودا و نصاریٰ اور یہود و نصاریٰ کے بھی قائل نہیں ہیں  
 انکا اعتقاد یہ ہے ان تمسنا النار الا اياما محدودا نصاریٰ معاد جسمانی کے منکر ہیں  
 جسکا مطلب یہ ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں ہے۔ ملائکہ کی نسبت یہود کا عجیب اعتقاد ہے وہ  
 توجریل علیہ السلام کے ساتھ اپنی عداوت ظاہر کرتے ہیں۔ کتب الہی کے نسبت بھی انکے  
 اعتقادات میں کمی ہے۔ قرآن مجید کو کتاب الہی سمجھنے سے محروم ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے  
 وان يا نوكم اسامی تفادوهم وهو محرم علیکم اخراجهم افتون منون ببعض  
 الكتاب وتكفون ببعض اعتقاد انبیا کا بھی یہی حال ہے۔ یہود نے تو انبیا علیہ السلام کو  
 قتل کر ڈالا جیسا کہ خدا تعالیٰ اسکا ذکر فرماتا ہے ۵۵ و يقتلون النبیین بغیر الحق اور آخرت

۱ ترجمہ۔ اسکو محتاج اور اپنے تئیں مالدار کہتے ہیں ۱۲

۲ ترجمہ۔ (یہود) کہتے ہیں کہ یہود کے (سوا) اور نصاریٰ دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے پائیکا

۳ ترجمہ۔ گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہو چھوٹے گی بھی تو نہیں ۱۲

۴ ترجمہ۔ اور وہی لوگ اگر کمین قید ہو کر تھکے پاس ہر دماغنے کو اُن میں تو تم جی بھر کر انکو چڑا لیتے ہو حالانکہ سرے  
 انکا نکال دینا بھی تمکو روانہ تھا تو کیا کتاب الہی کی بعض باتوں کو ماننے ہو اور بعض کو نہیں مانتے ۱۲

۵ ترجمہ۔ اور پیغمبروں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے ۱۲

ترجمہ نیکی ہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق (کی طرف کر لو) یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی تو ایسی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی حُب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی) گردنوں کے چھڑانے میں (دیا) اور نماز پڑھتے ہے اور زکوٰۃ دیتے ہے اور جب (کسی بات کا) تکرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے اور سختی و تکلیف میں اور ہلا چلی کے وقت ثابت قدم ہے۔ یہی لوگ ہیں جو (دعویٰ اسلام میں) سچے نکلے اور یہی ہیں (جنکو) پرہیزگار کہنا چاہیے۔

علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں جو خطاب واقع ہوا ہے وہ خاص ہے یا عام۔ بعض کا قول ہے کہ اہل کتاب مخاطب ہیں اس لیے کہ وہ بیت المقدس کی جانب متوجہ ہو کر عبادت کے ادا کرنے کو بہت ضروری جانتے تھے۔ سوائد تعالیٰ نے اُسکی نسبت فرمادیا کہ نیکی محض کسی ایک خاص جہت کی طرف متوجہ ہو کر عبادت کے ادا کرنے کو نہیں کہتے ہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لایا جائے اور آخرت۔ ملائکہ۔ کتبِ الہی اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی جائے۔ علیٰ ہذا اُن سب امور کی پابندی کی جائے جس کا ذکر آیت مقدس بالا میں ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومنین مخاطب ہیں کیونکہ تحویل قبلہ کی انھیں بہت آرزو تھی۔ جب کعبۃ اللہ کی جانب نماز ادا کرنے کا حکم ہوا تو وہ سمجھے کہ اب ہماری مراد حاصل ہو گئی تو انکو جتا دیا گیا کہ محض کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا نام نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی میں وہ سب باتیں شامل ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ خطاب عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض مغرب یا مشرق کی جانب

ان پانچ امور کی خصوصیت ایمان کے ساتھ اسوجہ سے کی گئی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے تحت میں معرفت - توحید باری اور اُس کے عدل و حکمت پر ایمان لانا بھی داخل ہو جاتا ہے۔ آخرت پر ایمان لانے کے ضمن میں احکام ثواب و عقاب و معاد وغیرہ کی معرفت و تصدیق شامل ہو جاتی ہے۔ ایمان ملائکہ کے تحت میں ملائکہ کا انبیاء علیہم السلام پر احکام الہی پہنچانا اور نیز ایسے احکام جنابِ سالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک پہنچنا داخل ہے۔ علیٰ ہذا کتاب و نمبین کے تحت میں قرآن مجید اور جمیع کتب الہی کی تصدیق اور انبیاء سابقین کی نبوت و شریعت کی صحت شامل ہے۔ جس سے ایمان کے جملہ اجزاء کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ہر مکلف کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ ابتدائی - وسطی - انتہائی - حالت اول دوم و تفرقت مبداء و منتہی سے متعلق ہے جس کا جائزنا مقصود بالذات ہے۔ معرفت مبداء ایمان باللہ کو کہتے ہیں اور معرفت منتہی ایمان بہ آخرت کو۔ حالت وسطی کی تکمیل بغیر رسالت کے نہیں ہو سکتی۔ تیمم سالت کے لیے تین چیزوں پر ایمان لانا ضرور ہے۔ ایک تو ملائکہ پر جو وحی کے لانیوالے ہیں اور نفس وحی پر یعنی کتاب اللہ پر اور تیسرا وحی الیہ یعنی رسولوں پر۔ دیکھو تکمیل ایمان کے لیے جن امور پر ایمان لانیکی ہدایت ہوئی ہے اس میں انسان کی تینوں حالتوں کو درست کرنے کے لیے کیسے عمدہ اصول قرار دیے گئے ہیں۔ آیت شریف میں ایمان کو زکوٰۃ و نماز پر اسوجہ سے مقدم کیا گیا ہے کہ ایمان افعالِ قلوب میں داخل ہے۔ زکوٰۃ اور صلوٰۃ افعالِ جوارح میں داخل ہے۔ افعالِ قلوب کو افعالِ جوارح پر جو شرف حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اسیلئے اُس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے و اٰتی المال علی جبہ کے یہ معنی ہیں کہ حالتِ صحت اور امید حیات میں خدا تعالیٰ کے

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے نسبت بھی ان بھلے مانسون نے طعن کیا ہے۔ علی ہذا زکوۃ و نماز اور وفا بالہود کی نسبت بھی انکے عقائد گونا گوں ہیں۔ الغرض نیکی کے لیے چند امور کی شرط ہے۔ ایک تو خدا پر ایمان لانا۔ خدا پر ایمان لانے کے لیے اولاً اسکی ذات کا بھی علم ہونا چاہیے باین تفصیل کہ اُسپر کس طرح کا ایمان واجب ہے اور کن کن امور کا اطلاق اُسپر جائز یا محال ہے اور نیز ان دلائل کا معلوم کرنا کہ جن سے امور مافی البحث پر استدلال کیا جاتا ہے مثلاً عالم کو حادث سمجھنا اور جن اصول پر عالم کا حادث ہونا سببی ہے اُسکا جانا۔ خدا کے نسبت ان امور کا اعتقاد واجب ہے کہ وہ موجود ہے۔ قدیم ہے۔ اُسکو کوئی زوال نہیں ہے۔ تمام معلومات کا علم اُسکو حاصل ہے۔ قادر۔ حی۔ مرید۔ سمیع۔ بصیر۔ اور متکلم ہے۔ خدا کسی خیمین حلول نہیں کرتا اور نہ خدا میں کوئی چیز حلول کرتی ہے۔ علی ہذا وہ تحیز و عرضیت سے بری ہے۔ تمام مخلوقات کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ موجود عالم ہے۔ انبیاء اُس کے فرستادہ ہیں۔ دوسرا آخرت پر ایمان لانا۔ تیسرا ملائکہ پر ایمان لانا۔ چوتھا اسکی کتابوں پر ایمان لانا۔ پانچواں انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا۔ بعضوں نے اس مقام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علم وجود ملائکہ اور تصدیق کتب الہی کے لیے اولاً تصدیق رسل ضرور ہے۔ اس صورت میں انبیاء کے ذکر کے قبل ملائکہ اور کتب کا ذکر قرآن مجید میں کیوں واقع ہوا ہے اُسکا جواب یہ ہے کہ محض ترتیب عقلی اور فکری سے یہ اعتراض مترتب ہوتا ہے۔ اگر ترتیب وجودی پر خیال کیا جائے تو معاملہ برعکس کیونکہ ملائکہ کا وجود مقدم ہے اور انھیں کے واسطے کہ کتب الہی کی تبلیغ انبیاء علیہم السلام پر ہوئی ہے۔ کتب الہی سے انبیاء کی تصدیق ہوئی ہے۔ پس آیت شریف میں ترتیب وجود خارجی کا اعتبار کیا گیا ہے نہ ترتیب اعتباری ذہنی کا۔

سالمین وغیرہ کا درجہ ہے۔ حقیقت میں کمی و زیادتی حاجت کا معلوم کرنا مشکل تھا۔ اس لیے اسد اللہ نے خود اس کی صراحت فرمادی۔ ماہیت بزرگی، مین نماز کا قائم رکھنا اور زکوٰۃ کا دینا بھی دخل ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور وفا سے عہد بھی اسی میں دخل ہے جس کا ذکر بقدر ضرورت اوفا بعد ہی اوف بعہد کہہ کی تفسیر میں قبل ازین ہو چکا ہے اور یہاں بھی کچھ بیان کیا جاتا ہے عہد تین قسم پر ہے ایک تو وہ جو بندہ اور خدا کے مابین ہوتا ہے جیسا کہ اسد پر ایمان لانا اور اس کی نذر کا ادا کرنا دوسرا عہد مع الرسول ہے۔ جیسا کہ مومنین بیعت کے وقت آنحضرت سے عہد کرتے تھے کہ جن کو آپ سے کھینچیں ہم بھی ان کو دوست رکھیں گے آپ جن کو عدو سمجھیں ہم بھی ان کو اپنا عدو سمجھیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور تیسرا عہادہ بین الناس ہوتا ہے اور وہ بھی دو قسم پر ہے ایک تو وہ کہ جس کا وفا کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ شرائط سبع و رہن اور عقود معاوضات ہیں اور دوسرا سبب جیسا کہ کسی تبرہ کچھ مال دینے کا وعدہ کیا گیا ہو تو اس کا وفا کرنا اور حسب وعدہ اخلاص کے ساتھ کسی کی تائید کرنا الموفون بعہد ہمہ میں یہ تمام معاہدات داخل ہیں۔ اور نیز نیکی حاصل کرنے کے لیے سختی اور صیبت اور موت کے وقت بھی اپنے ایمان پر قائم رہنا ضرور ہے یعنی جس قدر اوصاف کائناتی کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے۔ ان سب کا مجموعہ حاصل کرنا نیکی کی تکمیل کے لیے ضرور ہے۔ اگر ان اوصاف سے کسی ایک وصف پر قائم ہو تو نیکی کی تکمیل نہیں ہوتی اس لیے بعض مفسرین کا قول ہے کہ ان تمام صفات کا جمع ہونا انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے دوسروں کو یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی۔

**حاصل**۔ اسلام میں نیکی کی تعریف کس جامعیت کے ساتھ کی گئی ہے غور طلب ہے

حکم کی تعمیل اور اسکی خوشنودی کے لحاظ سے اُن لوگوں کی خبر گیری کرین جنکی تفصیل ابعد میں  
 کی گئی ہو قال صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی تصدق عند الموت مثل الذی  
 یمھد ی بعد ما شبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قریب موت کے صفحہ  
 دے اسکی مثال ایسی ہو کہ جیسے پیٹ بھر کھانے کے بعد بچی ہوئی شکر کیکے لیے بدھیچا جائے  
 غرض کہ اس آیت شریف میں مال کے دینے کا جو حکم ہو وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہوا اور برسیل موجب  
 ہو قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یؤمن باللہ والیوم الآخر من بات شبعانا  
 وجارہ طاوا الی جنبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص اسداور آخرت  
 پر ایمان رکھنے والا نہیں کہ شب کو خود تو آرام سے کھا کر سوئے ہے اور اُسکے ہمسایہ میں کوئی  
 بھوکا ہو۔ یہ مسئلہ اجماعی ہو کہ مضطر کو بقدر دفع ضرورت دینا واجب ہو۔ گور زکوٰۃ کا مل ادا  
 کر دیکئی ہو۔ اہل حاجات میں اقارب کو مقدم کیا گیا ہو۔ کیونکہ محتاج قرابت دار کی دستگیری  
 دوسروں سے افضل ہو اس سے صلہ رحم کی رعایت اور صدقہ کا خیر و نون حاصل ہو جاتے  
 ہیں اسی لیے جب قرابت دار موجود ہوتے ہیں تو مالک مال پر سولے ثلث مال کے وصیت  
 جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ مستحق وراثت کے ہیں۔ جب موت کے بعد اُنکے ایسے حقوق ہیں تو  
 زندگی میں بدرجہ اولیٰ اُنکی اعانت ہونی چاہیے۔ اُنکے بعد متیوں کا حق ہو کیونکہ ایسے صغیر لیں  
 بچے جنکے باپ نہوں اور اُنکا کوئی معاون بھی نہ ہو تو اُنکی احتیاج دوسروں سے مستدم ہو  
 وہ میں کل الوجوہ منقطع اخیلہ میں۔ اُنکے بعد بنظر شدت احتیاج مساکین کا درجہ ہو اور پھر مسافریں  
 کا۔ کیونکہ انکو اپنے اہل و عیال سے ملنے کی سخت ضرورت ہوتی ہو۔ غرض کہ سب کے آخر میں



ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب مال لڑنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یا جو لوگ شجیع اور جنگ کرنے پر قادر ہوتے ہیں انکے ہاتھ میں روپیہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت شریف میں مالداروں پر اللہ نے نفقہ دینے کا حکم کیا ہے کہ وہ غریبوں کو مالی امداد دین جو جنگ کرنے پر تو قادر ہیں مگر آلات و ادوات جنگ کے فراہم کرنے میں بوجہ عسرت قاصر ہیں اور بعض کا قول ہے کہ جب آیہ کریمہ الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص نازل ہوئی دعوے کے لوگ۔ ذیقعدہ۔ ذی الحج۔ محرم۔ رجب۔ ان چار مہینوں کا بڑا ادب کرتے تھے کہ سائے ملک میں لوٹ مار لڑائی سب بند ہو جاتی تھی اور مسلمان بھی اسی دستور پر چلتے تھے تو کافر انھیں مہینوں میں مسلمانوں پر چڑھ کر آتے اور مسلمان جہنم کے ادب کے لحاظ سے لڑائی کا پہلو بچاتے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو بھی آیہ مذکورہ سے اجازت دیدی کہ ادب کے ساتھ ادب ہو کفار کسی وقت یا کام کا ادب نہ کریں تو انکو بھی ایسا ادب کرنا ضرور نہیں) تو حاضرین میں سے ایک شخص نے بے حلف عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس تو کچھ کھانے پینے کو نہیں ہے اور کوئی میرا معاون بھی نہیں ہے تو آپ نے فی سبیل اللہ نفقہ دینے کا حکم فرمایا۔ پھر آیت انفقوا فی سبیل اللہ نازل ہوئی۔ اچھے کاموں میں مال کے خرچ کرنے کو اتفاق کہتے ہیں فیضول خرچی اتفاق کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ جبکہ آیت شریف میں اتفاق کو فی سبیل اللہ کے ساتھ متعید کیا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مال بطریق مشروع صرف کیا جائے جیسے حج و عمرہ کے لیے یا جہاد کے لیے یا بطریق اعانت و صدقہ یا صلہ رحم کے لیے صرف کرنا یا زکوٰۃ و کفارات میں دینا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہاں مجاہدین کی تائید کے لیے دنیا مقصود ہے کیونکہ مال دراصل خدا کا ہے اور

کیا سولے خدا کے کیسی مجال ہے کہ ایسی اخلاقی تعلیم انسان کی جو ہر طرح کے عیب سے پاک ہو کر سکے اس کتاب میں اوساط الناس کے مناسب حال مضامین کا ذکر ہوا ہے۔ اگر پڑھنے والوں کے شوق میں خدا برکت دے اور وہ ذرا اس سے آگے قدم بڑھائیں اور ان احکام کے غموض و اسرار کو معلوم کریں تو پھر بات بات میں انھیں لطف آنے لگیگا اور معلوم ہوگا کہ اسلام کن جہوں سے ممتاز ہے افسوس ہے کہ باوجود اسکے مسلمان کسب فضائل کے جانب توجہ نہیں کرتے اور اقوام سے تو اسوجہ سے قطع نظر کرنا پڑتا ہے کہ وہ بد نصیبی اور شدت حسد سے ان ہدایات کو دیکھتے ہی نہیں۔ مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ خدا کے فضل و انعام کو دیکھیں اور اس سے بہرہ ور ہوں اسوقت جس نکبت میں مسلمان مبتلا ہیں وہ صرف احکام الہی کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ اور بس۔

قوله تعالى واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين - واتقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة واحسنوا ان الله يحب المحسنين ترجمہ۔ اور زیادتی کرنے میں (اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ انھیں کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

تقوے کا بیان تو اوپر ہو چکا ہے اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا متقین کے ساتھ ہے یعنی انکی معاونت و نصرت اور انکی حفاظت کا اللہ ذمہ دار ہے و اتقوا في سبيل الله الخ اس آیت کا تعلق اُس آیت ماقبل سے ہے جس میں قتال کا حکم ہے۔ چونکہ لڑنے کے لیے آلات و ادوات کی ضرورت ہوتی ہے جسکے خرید کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہے بعض وقت

اسلام میں فضول خرچی سے بچنا بھی اخلاق حسنہ کا ایک جزو و غلم ہے۔ مگر اسکے ساتھ مسلمانوں کی موجودہ حالت کا اندازہ کرو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ احکام الہی کے خلاف فضول خرچی کے کیسے عادی ہیں اور کس فخر و مباہات کے ساتھ غیر ضروری کاموں میں محض نام و نمونہ کو لحاظ سے بیجا صرف کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمان غربت کی تکبت میں مبتلا ہیں <sup>ذلیل</sup> لذلین المؤمنین ہاجروا و جاہدوا فی سبیل اللہ و اللہ یرجون رحمۃ اللہ و اللہ غفور رحیم۔ ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں سہمیں بھی کیں اور جہاد بھی کیے یہی ہیں خدا کی رحمت کی آس لگائے بیٹھے اور اللہ بخشنے والا نہر بان ہے۔

قرآن مجید میں جب وعید کا ذکر آتا ہے تو اسکے ساتھ وعدہ کا بھی ذکر ہوتا ہے یہ خدائے تعالیٰ کی کمال عنایت ہے کہ محض اعمال کی سزا کے خوف پر اکتفا نہیں فرماتا بلکہ بمقتضائے رحم و کرم فوراً اعمال خیر کے ثواب و جزا کی خوشخبری سنائی جاتی ہے یعنی اس آیت کے پہلے کتب علیکم القتال دھوکہ نہ لکھ بیان کیا گیا ہے جس سے جہاد کا ترک کرنا وعید قرار دیا گیا ہے۔ اور اس آیت میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اپنی رحمت کی امید دلانی گئی ہے جو وعدہ سے متعلق ہے۔ ہجرت سے اپنے اوطان و اقارب کا چھوڑ دینا مراد ہے۔ یا یہ کہ بوجہ مخالفت مذہب کے مسلمانوں کے خویش و اقارب نے انکا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور انھوں نے بھی انکی محبت ترک کر دی۔ یہاں رجا کا لفظ مقام

۱۲ ترجمہ۔ (مسلمانوں) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ ٹکونہ گوار بھی گزریگا

تو اسکو فی سبیل اللہ یعنی جہاد میں صرف کرنا واجب ہے۔ اور نیز یہ آیت شریف اُس وقت نازل ہوئی۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولے عمرہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف فرما ہوئے تھے اور اس سال جہاد ہونے کا ظن غالب تھا تو گویا دو امر جمع ہو گئے تھے۔ ایک تو عمرہ دوسرا جہاد کا احتمال ولا تلقوا ابایدیکم الی التھلکۃ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفوس کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ تھلکۃ کا لفظ اتفاق سے متعلق ہے یعنی اگر جہاد کے لیے مال خرچ نہ کرو گے تو دشمن تم پر غالب ہو جائے گا جس سے تمہارے نفوس ہلاک ہو جائیں گے۔ یا جہاد کے لیے مال تو دو مگر کل مال مت دیدنا کہ جس سے تمہاری حاجتیں بند ہو جائیں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ اس سے گویا اسراف کی بھی ممانعت ہے۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ جہاد کے لیے مال دو اور اس قسم کے دینے سے اپنے نفوس کی ہلاکت تصور مت کرو۔ ہلاکت نفس کے یہ بھی معنی کہے گئے ہیں کہ مثلاً کسی نے گناہ کا ارتکاب کیا اور یہ سمجھا کہ اب میرا کوئی عمل خیر اس گناہ سے بچانے والا نہیں ہے۔ اسلئے وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہو گیا تو ایسے خیالات چونکہ انسان کے لیے ترک عبودیت کے باعث ہو جاتے ہیں تو یہ عین ہلاکت نفس ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ خدا کی راہ میں اپنا مال نود و مگر خالصاً نود و سمع و یا کے طور پر نہ دینا اور نہ کسی پر منت و ہڑنا۔ کہ اس طرح کے دینے میں کوئی ثواب نہیں ہے و لھنوا ان اللہ یحب المحسنین کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں دواعتدال کے ساتھ دونا اسراف کرو اور نہ بخل۔ کہ ایسے ہی خرچ کرنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے۔

**حاصل**۔ دیکھو خداے تعالیٰ نے مال کو احتیاط سے صرف کر نیکی کیسی تعلیم فرمائی ہے

خالصاً اللہ نیک اعمال کا کرنا انسان کی وقعت کا پایہ بلند کر دیتا ہے ایسے ہی نیک نیتوں کا اثر  
 صفحات عالم پر باقی رہتا ہے۔ محض نام و نمود کے کام جسمین خوشنودی الہی کا خیال نہونے نتیجہ  
 ہیں واعلموا ان الله يعلم ما في انفسكم فاحذروا ه کے مغنے پر ذرا غور تو کرو کہ جس سے  
 کلیجہ پل جاتا ہے باوجود ایسی پاک تعلیم کے مسلمان اُس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ادبار کا منہ  
 ہے قولہ تعالیٰ مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت  
 سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع  
 عليهم۔ الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا  
 ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۛ  
 ترجمہ۔ جو لوگ اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکی خیرات کی مثال اُس دانے  
 کی سی ہے کہ جس سے سات بالین پیدا ہوئیں اور ہر بالی میں سو دانے۔ اور اللہ برکت  
 دیتا ہے جسکو چاہے اور اسد بڑی گنجائش والا اور ہر ایک چیز کے حال سے واقف ہے۔ جو  
 لوگ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کے پیچھے کسی طرح کا احسان نہیں جتاتے  
 اور نہ (لینے والے کو کسی طرح کی) ایذا دیتے ہیں انکو انکا ثواب پروردگار کے یہاں ملیگا اور  
 (آخرت) میں نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح پر آزر دہ خاطر ہوئے۔  
 اس آیت شریف کے قبل قرآن مجید میں اصول علم مبداء و معاد کا ذکر ہوا ہے سلیے  
 یہاں احکام و تکالیف شرعی کا بیان شروع ہوا ہے اور سب سے پہلے مال کو خدا کی  
 راہ میں صرف کرنے کا ذکر ہوا ہے کیونکہ پیشتر مجملہ بیان کیا گیا ہے من ذا الذي يقرض الله

شک میں مستقل نہیں ہوا ہے جیسا کہ ظاہر عبارت سے متبادر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ مومنین کی کمال قدر ہے کہ باوجود خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے ملکوں کی سکونت ترک کرنے اور اپنی جانوں کو دیدینے کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے عبادت الہی کو حسب طرح ادا کرنا ہی نہیں کیا۔ اور دین محمدی کی تائید جیسی کرنی چاہیے ویسی نہیں کی اسیلئے وہ خوف ورجا کے ساتھ خدا کی مہربانی کے طلبگار ہیں انکی اس امید کے بر لانے کا وعدہ واللہ غفور رحیم کے ساتھ کیا گیا ہے

**حاصل**۔ باوجود مالک و آقا کے احکام کی تعمیل بطیب خاطر کرینے صلہ کی توقع خوف ورجا کے ساتھ رکھنا تہذیب اخلاق کا ایک جز ہے۔ کچھ کام کر کے ساتھ ہی ڈھٹائی کے ساتھ اجرت کا طلب کرنا بد خلقی ہے۔ حسن اخلاق کے اہمات کو اس لطافت کے ساتھ کلام الہی میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر آپس پر خوب غور و فکر کریجائے تو سیدہ جزئیات کا استخراج ممکن ہوگا

واعلموا ان الله يعلم ما في انفسكم فاحذروا واعلموا ان الله غفور رحيم (ترجمہ)

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے جی میں ہے اس کو جانتا ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور یہ بھی جانے رہو کہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

اس آیت میں بھی وعید اور وعدہ کا ذکر ہے اور یہ بھی جتلا دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ظاہر و باطن کرتے ہو اس کو سب خدا جانتا ہے۔ اسیلئے تم کو چاہیے کہ ہر ایک کام کرنے کے وقت خدا کو پیش نظر رکھیں۔

اعمال نیک کی جزا ضرور ملنے والی ہے اسیلئے انسان کو چاہیے کہ ہر وقت خدا کو پیش نظر رکھ کر کام کرے۔ اس سے سمعہ وریا کی مانگت ہے جو حقیقت میں مخرّب اخلاق ہیں۔

اور عبدالرحمن بن عوف نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار دینار صدقہ دیا تھا تب یہ آیہ نازل ہوئی۔ احسان کر کے سنت دھڑنا بہت بد ہے کہ احسان قبول کرنے والے محتاج ہوتے ہیں اور سبب احتیاج کے اُنکا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ پھر جب احسان کا اظہار کیا جاتا ہے تو چوٹ پر چوٹ لگتی ہے یا جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلان شخص کی عادت ہے کہ احسان تو کرتا ہے لیکن سنت بھی رکھتا ہے تو ارباب حاجت ایسے شخص کا احسان قبول کرنے سے نفرت کرتے ہیں ایسے دینے والے کا اعتقاد تو یہ ہونا چاہیے کہ یہ محض اس کی عنایت ہے کہ تجھ کو مال دیا اور پھر اُسکو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی۔ جو حضرات سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں معطی خدا ہے اور اُنکی نظر اسباب ظاہری پر نہیں ہوتی۔ اُنکا کیا کہنا۔ کہ اُنکا دل تو نور آسمی سے روشن ہے اور جنکی نظر محض اسباب ظاہری پر ہے اور مطالعہ اسباب ربانی سے قاصر ہے وہ بہائم صفت ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔ اس طرح فقرا کو بھی ایذا دینا ممنوع ہے۔ مثلاً کسی محتاج سے یہ کہنا کہ تم عجب آدمی ہو کہ ہر وقت میرے پاس آتے ہو۔ خدا تم سے نجات دے۔ بہر کیف جب سنت و ایذا سے اعمال خیر پاک ہوں تو اُسوقت ایسی نیکی کرنے والے لہم اجر ہم کے مصداق بنتے ہیں۔ اس آیت کے لحاظ سے معتزلی کہتے ہیں کہ نفس عمل اجرت کا مستوجب ہے اور اہل سنت و جماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ عمل تو واجب ہے و اجبتا کا ادا کرنا اجر کا مستوجب نہیں ہے بلکہ اجر کا عنایت فرمانا اقتضائے وعدہ الہی ہے۔ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کے یہ معنی ہیں کہ ایسے اعمال خیر کا ثواب قیامت میں بھی ضائع نہ ہوگا۔ قول معروف و مغفرة خیر من صدقة

قرضاً حسناً فیضاً عفو لہ اضحاً فا کشف لہ عیراہ تو اب ایسے مال کو کس طرح بڑھایا جاتا ہے کہ  
اُسکی مثال بتلائی گئی ہو اور ان دونوں آیتوں کے درمیان خدا کی قدرت کا ذکر کیا گیا ہو کہ وہ  
کس طرح زندہ کرتا ہو اور مارتا ہو اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ایسا صاحبِ قدرت خدا  
نہو تو تکالیف شرعی بے سود ہو جائیں گی۔ الغرض جبکہ خدا کی راہ میں مال صرف کرنے کی  
توفیق دیکھی ہو اُسکو اللہ تعالیٰ جتنا ہر کہ تو اس بات کو جانتا ہو کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تجھ کو  
زندہ رکھ کر مال کو امورِ خیر میں صرف کرنے کی قدرت دی ہو۔ یہ ہماری کمال مہربانی و عنایت  
کی دلیل ہو۔ ہماری عنایت یہی نہیں ہو بلکہ اگر تم ایک دو توہم اُسکو دس گونہ بڑھائیں گے۔  
جبکہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کے نتائج بیان ہوئے تو اُسکے ساتھ ہی سمجھا دیا گیا ہو  
کہ نیکی کر کے ضائع نہ کریں۔ کیونکہ اگر تم کسیکے ساتھ نیکی کرو اور پھر اُس پر احسان دھرو یا ایذا پہنچاؤ  
تو وہ رائیگان ہو جاتی ہو الدین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون  
ما انفقوا منہ ولا اذی لہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم  
یحزنون سے یہی ارشاد ہوا ہے یہ آیت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کی  
شان میں نازل ہوئی ہو۔ جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں ہزار اونٹ مع ساز  
و سامان کے اور ہزار دینار کے ساتھ مسلمانوں کی تائید کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کی یا رب عثمان رضیت عنہ فادض عنہ

۱۲ ترجمہ۔ کوئی ہو جو خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے کہ خدا اُس قرض کو کئی درجہ بڑھا دیگا ۱۲

۱۳ اے رب عثمان کے کام سے میں راضی ہوا تو بھی اُس سے راضی ہو ۱۳



لا تبطئوا صدقاتکم بالمن والاذی کا لذی ینفق مالہ سرباء الناس  
 ولا یؤمن بالله والیوم الآخر۔ جو خیرات احسان جتانے اور ایذا پہونچانے سے  
 ضائع ہو جاتی ہے اُسکی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو اُس شخص کی مثال دیکھی ہے  
 جو لوگوں کو دکھاوے کیلئے خیرات دے اور وہ کافر بھی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی خیرات خدا کے  
 پاس مقبول نہیں بیجا رہے۔ دوسری مثال آئندہ بیان کی جاتی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما  
 نے یوں تفسیر کی ہے کہ تم اپنی خیرات کو خدا پر احسان رکھنے سے اور سائل کو ایذا دینے سے  
 مت ضائع کرو ایسا خیال اُس وقت پیدا ہوتا ہے کہ خیرات کنندہ خیرات کرنے کو اپنا فعل  
 سمجھے خدا کے فضل احسان کو بھول جائے مثال میں جو کات تشبیہ کا استعمال ہوا ہے  
 اُس سے یہ بھی متبادر ہے کہ جیسا منافق و مرائی کا دینا بوجہ اللہ نہیں ہے۔ ایسا ہی خیرات  
 کے بعد اگر منت و ایذا پہونچائی جائے تو وہ بھی باطل ہے۔ بہر کیف اس مثال میں منت نہنڈ  
 اور مودی کو منافق کے ساتھ تشبیہ دیکھی ہے اور دوسری مثال میں پتھر کے ساتھ جیسا کہ بیان  
 کیا جاتا ہے۔ فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ و ابل فترک  
 صلا لا یقنرون علی شئ مما کسبوا واللہ لایہدی القوم الکافرین

ترجمہ۔ مسلمانوں اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح اکارت  
 مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا ۱۲  
 ترجمہ۔ تو اُس کے خیرات کی مثال چٹان کی سی ہے کہ اُس پر کچھ تھوڑی سی مٹی (پڑی) ہے پھر اُس پر سازو  
 کا مینڈ اور اُسکو سپاٹ کر کے بہا لے گیا۔ ایسی طرح قیامت میں ریاکاروں کو اُس خیرات میں سے جو اُنھوں نے کی تھی  
 کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ اور اللہ اُن لوگوں کو جو نعمت کی ناشکری کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا ۱۲

یتبعہا اذی واللہ غنۃ حلیم۔ دراصل خیرات کی دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کی راہ میں دینے کے بعد منت و ایذا نہ پہونچائی جائے۔ جسکا ذکر پہلی آیت میں ہوا ہے اور دوسری صورت کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے اور اسی کے ضمن میں محتاجین کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے وہ بھی بتایا گیا ہے یعنی اگر تم کسی محتاج کی کچھ مدد کر سکتے ہو تو اسکو ایسے الفاظ میں جواب دو کہ اُسکا دل نہ ٹکھے۔ قول معروف کے یہی معنی ہیں اور مغضت کے یہ معنی ہیں کہ اگر محتاج کو کچھ نہ دیا جائے تو بوجہ ناکامیابی کے اسکی زبان دراز ہو جاتی ہے اور یہ عادی بات ہے۔ ایسے اگر وہ کچھ زبان درازی کئے تو اس سے درگزر کیا جائے سو اُسکے مغضت کے معنی ڈھانکنے کے بھی ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ محتاج کی حاجت کو دوسروں پر ناپا ہونے مت دو یا قول معروف کو متعلق بہ مسؤل سمجھو اور لفظ مغضت کو سائل سے۔ یعنی مسؤل کو چاہیے کہ جب کسی حاجت روانہ کر سکے تو لینت کے ساتھ جواب دے۔ علی ہذا سائل پر بھی لازم ہے کہ ایسے مسؤل سے درگزر کرے بہر حال اس طرح کا دنیا بہتر ہو کہ دینے کے بعد سائل کو کسی طرح کی ایذا نہ پہونچائی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسکو ایسی خیرات کی پروا نہیں جو احسان جتا کر دی جائے۔ اور پھر دونوں قسم کے عطا کی مزید صراحت اور مثال بیان کی جاتی ہے۔ پہلے اُس خیرات کی تصریح کی جاتی ہے جس کے بعد احسان جتایا جاتا ہے اور ایذا میں پہونچائی جاتی ہیں۔ یا ایہا الذین امنوا

ترجمہ۔ نرمی سے جواب دینا بہتر ہے اُس صدقہ سے جسکے (دینے) پیچھے (سائل کو) ایذا ہو اور اللہ بے نیاز ہے

مرضات اللہ و تثبیتاً من انفسہم کمثل جنۃ ربوۃ اصابہا و ابل فانت  
اکلھا ضعیفین فان لم یصبہا و ابل فطل و اللہ بما تعملون بصیر۔ اس قسم  
کی خیرات سے دو غرض وابستہ ہیں۔ ایک تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا دوسرے اپنے  
نفوس کو بجا آوری احکام الہی میں ثابت رکھنا۔ صاحب تفسیر کشاف کا یہ قول ہے کہ من  
انفسہم ہمین جو من واقع ہو وہ تبعیض کے لیے ہے۔ اسلئے وہ یوں تعبیر کرتے ہیں۔  
یعنی جس نے مال کو اللہ کی راہ میں خیرات کیا اُس نے اپنے بعض نفس کی حفاظت کی اور  
جس نے مال و روح دونوں خدا کی راہ میں دیدیا اُس نے کل نفس کی حفاظت کی جیسا کہ آیت  
و تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم میں اسی کا بیان ہوا ہے۔ بہر حال اس  
آیت میں اُن لوگوں کی خیرات کی مثال بیان ہوئی ہے۔ جو اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا  
کرتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ باغ اوپچی زمین پر پھلتا پھولتا ہے۔ لیکن امام فخر الدین  
رازی علیہ الرحمۃ کو اس سے اختلاف ہے وہ سربوۃ کے معنی اوپچی زمین کے نہیں لیتے  
ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ سربوۃ ایسی سطح زمین کو کہتے ہیں کہ جب اُس پر پانی پڑے تو زیادہ  
پانی جذب کرے اور پھولے۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے و شرے  
الارض ہا مدامۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت و ربیع۔ اور نیز انھوں نے  
یہ استدلال کیا ہے کہ یہ مثال مثال اولین کے مقابلہ میں واقع ہوئی ہے جس میں صفوان کا لفظ  
**لہ** ترجمہ۔ زمین کو دیکھتا ہے کہ بے حس و حرکت پڑی ہے پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے  
اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما روئیدگی اُوگاتی ہے ۱۲

عام لوگوں کے خیال کو خدا تعالیٰ نے اس مثال سے رد فرمادیا ہے کیونکہ وہ بظاہر  
یہی سمجھتے ہیں کہ فعل تو بندہ کا ہے گو اس نے بعد میں احسان رکھا ہو یا ایذا پہنچائی ہو۔ مگر قیامت  
میں ظاہر ہو جائیگا کہ دراصل فعل خدا ہی کا تھا تم کو اپنی طرف کسی کام کا منسوب کرنا  
اور لوگوں کے دکھانے کے طور پر کرنا یا سائل کو رنج پہنچانا سزاوار نہ تھا جس طرح پانی کے  
پڑنے سے چٹان کی مٹی صاف ہو جاتی ہے اسی طرح قیامت میں بندوں کے ساتھ افعال  
کی نسبت کا خیال مٹ جائے گا۔ اور فعال ملائیدہ کی کیفیت ظاہر ہو جائے گی۔  
اگرچہ کالمین کو یہ بات دنیا میں بھی حاصل ہے۔ مگر خداوند عالم کے فرمان کا منشاء عام ہے اور  
عوام الناس کا تصفیہ آخرت ہی پر رکھا گیا ہے۔ اسیلئے کہ ہر ایک عالم کا ایک مقتضا ہے۔  
چونکہ دنیا عالم اسباب ہے ہر ایک کی نظر سبب قریب پر پڑتی ہے اسباب ربانی پر نظر نہیں پڑتی  
ریا کار در حقیقت وہی ہیں جو خدا کے فعل کو اپنا فعل بتاتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے  
لا یقدر ان یبدل ما کذبوا سے ظاہر فرمادیا کہ ایسے ریاکاروں کو قیامت  
میں انکی خیرات کا کچھ بدلانا نہیں ہے بلکہ لایمندی القوم الکافرین سے  
اس بیان کی توثیق کر دی گئی ہے کہ ایسے ناپاسا سون کو جو ہمارے افعال کے جھٹلانیوں  
ہیں درحقیقت ہدایت ہی نصیب نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ ریاکاری سے بچ کر خیرات  
کرتے ہیں انکی مثال یوں ارشاد ہوئی ہے۔ ومثل الذین ینفقون امواہم ابغفاء  
ترجمہ۔ اور جو لوگ خدا کی رضا جوئی کے لیے اور اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایک  
باغ کی سی ہے جو اونچے پودوں سے پھرتا ہے اور کھینچتا ہے۔ تو وہ چند پھل لایا اور اگر اسپر زور کا مینہ نہ دھبی پڑا تو وہ (سکوا)  
ہلکی ہوا دھبی بس کرتی ہے اور تم کو کچھ بھی کرتے ہو اللہ (اسکو) دیکھ رہا ہے ۱۲

یا ایدہا پونچائین تو یہ سب امیدین خاک میں مل جاتی ہیں۔ اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بیان انہی کی لطافت کو دیکھو کہ باغ کی صفت تین چیزوں سے کی گئی ہے۔ ایک تو کھجور و انگور سے۔ کیونکہ یہ دونوں میوے تمام میوہ جات میں اعلیٰ اور اشرف ہیں۔ دوسرے باغ کے تلے سے نہروں کا بہنا جو باغ کی شادابی اور حسن کی دلیل ہے۔ تیسرے ہر طرح کے میوہ جات کا وہاں میسر ہونا جو باغ کی کمال عمدگی پر مبنی ہے۔ اُسکے بعد شدت حاجت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی صاحب باغ کا بڑھاپا اور اُسکے کم سن بچوں کا مہوٹا گویا احتیاج کی ایک زندہ تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ذلک یشہد انکم الایات سے یہ مراد ہے کہ حسب طرہ خیرات کے متعلق دلائل بیان کیے گئے ہیں ویسے ہی ہر ایک امر وین کی تشریح کر دی گئی ہے بشرطیکہ اُس پر غور کیا جائے۔ بعض لوگ بیکار اور بے مصرف چیزیں خیرات کے طور پر دیکر ثواب کی امید رکھتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیببات ما کسبتم وما اخرجناکم من الارض ولا تیمعوا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذین الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید ۵

شان نزول اس آیت کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک زاکم شخص صدقہ کے لیے سوکھی کھجور لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ اس نے

۱۔ ترجمہ۔ مسلمانو! خدا کی راہ میں، عمدہ چیزوں میں سے خرچ کر جو تم نے (تجارت وغیرہ سے) آپکائی ہوں تو اور ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہوں اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔ کہ لگو (سمیٹے) خرچ کرنے حالانکہ وہی چیز کوئی نیکو دینی چاہیے تو تم اسکو کبھی خوش دلی سے نہ لو مگر یہ کہ دیدہ و دانستہ اس (کے لینے) میں چشم پوشی کرو۔ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز (اور) سزاوار حمد و ثنا ہے ۱۲

واقع ہوا ہے جسکے مغنے چٹان کے ہین اور ظاہر ہے کہ چٹان پر سبب سختگی کے پانی کا اثر نہیں ہوتا اور کوئی چیز اس پر پھل پھول نہیں لاسکتی تو دوسری مثال میں بطریق مقابلہ ایسی زمین کا ذکر کیا گیا ہے کہ جسمین پانی اچھی طرح اثر کرتا ہوا اور جسمین درختوں کے نمو کا مادہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جنہیں خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیجائے وہ ضائع نہیں جاتی ایوہ ادا حد کہ ان تکون لہ جنۃ من نخیل و اعناب تجری من تحتہا الانہار لہ فیہا من کل الثمر و اصابہ الکبر و لہ ذریۃ ضعیفۃ فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت۔ کن ذلک یمین اللہ لکم الایات لعلکم تتفکرون۔ یہ مثال بھی پہلی صورت سے متعلق ہے۔ یعنی خیرات دینے کے بعد احسان جتانے اور ایذا پہنچانے سے بچنے کی یون ضائع ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک شخص کا باغ نہایت عمدہ اور نفیس ہے اور اس سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ مالک باغ بوجہ کھولت کسبے عاجز ہے اور طرہ یہ کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی میں جو کوئی محنت نہیں کر سکتے سارے کنبے کا تعلق فقط ایک باغ سے ہے۔ جب ایسا باغ ایک دم سے اجڑ جائے تو انکی بے بسی و حرمان کی کیا کیفیت ہوگی ظاہر ہوگی اسی طرح جو لوگ خدا کی راہ میں خیرات کرتے ہیں انکی خیرات ایک خوشنما اور پُر نفع باغ ہے جس سے وہ آخرت میں ہر طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن خیرات کے بعد احسان جتانے

۱۔ ترجمہ۔ بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ کچھ برون اور انگورون کا اسکا ایک باغ ہو اور اس کے تلے نہرین پڑی ہو یہی ہون ہر طرح کے سیوے اسکو وہاں میزاور بڑھایے نے اسکو آیا اور اس کے چھوٹے چھوٹے تالوں بچے ہیں۔ اب اس باغ پر چلا ایک گولا جسمین بھری تھی آگ تو باغ جل بھن کر رہ گیا اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کرتا تو لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ۱۲

بخل کے ہیں۔ بخیل کو عرب فاحش کہتے ہیں۔ شیطان کی عادت ہے کہ خیر و خیرات سے باز رکھنے  
 کے لیے اولاً بخل کی رغبت دلاتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ دیکھو اگر عمدہ مال صرف کرو گے تو فقیر بن جاؤ  
 بشرط ضرورت فرسودہ چیزیں دیدینا۔ اسکے بعد بالکل خیرات سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے  
 جس سے نہ تو مال جمید کے دینے کی ہی رغبت باقی رہتی ہے نہ ردی کی۔ اس طرح رفتہ رفتہ  
 واجبات سے بھی روک دیتا ہے اس لیے نہ زکوٰۃ ہی دیک جاتی نہ صلہ رحم کا خیال رہتا ہے بلکہ  
 امانت کا پھیر دنیا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ جب یہ کیفیت انسان کی ہو جاتی ہے تو وہ انسانیت  
 کے درجے سے گر جاتا ہے اور اُس کے دل پر گناہوں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ افعال بد کے ارتکاب  
 میں ڈھٹائی پیدا ہو جاتی ہے جس کی طرف فحشا کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ انسان کے تین  
 درجے ہیں۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ اوسط۔ انسان کامل تو خدا کی راہ میں خواہ جمید ہو خواہ ردی  
 سب دیدیا کرتے ہیں اور ادنیٰ درجے کے لوگ فاحش کے مصداق ہیں نہ اُسے جمید ہی  
 دیا جاتا ہے نہ ردی۔ اور جو لوگ متوسط درجے میں ہوتے ہیں وہ مال جمید کے دینے میں تو بخل  
 کرتے ہیں مگر ردی دیدیا کرتے ہیں۔ شیطان کا انسان کو ایک دم جہت چٹل سے فاحش  
 کی طرف لانا ممکن نہیں ہے اس لیے وہ درجہ اوسط سے فاحش کی طرف لانے کی کوشش کرتا  
 ہے بعد کم الفقر سے اسی درجہ اوسط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے و یا مکرہ بالفحشاء  
 سے درجہ ادنیٰ کے جانب المغضرة منہ سے ثواب آخرت مراد ہے اور فضلا سے منافع دنیا  
 و مرادی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الملک یزادی کل لیلۃ اللہم اعط کل منفق

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ فرشتے ہر ایک کو پکار رہے ہیں کہ اپنے خزانے ہر ایک فقیر دینے والے کو نیک اللہ پر بخل کو ٹوٹا

کیا ہی بڑا فعل کیا اسوقت یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ طیب سے مال حلال اور خبیث سے مال حرم  
 مراد ہے۔ ردی مال کو خدا کی راہ میں بطور خیرات دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر تم کو کوئی ایسا ناکارہ  
 مال دیوے تو کیا تمہیں خوش آئے گا۔ جب تم خوش نہیں ہوتے تو تمہارا خدا جو غنی مطلق ہے  
 ایسی خیرات سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے۔ آیت شریف میں غنی کا لفظ مقام ہمدین واقع  
 ہوا ہے۔ یعنی اشیائے ردی صدقات و خیرات میں نہ دینا کہ تمہارا پروردگار بے پروا ہے۔ اور  
 حمید کا لفظ مقام معین واقع ہوا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے پاک و  
 نفیس مال کو خیرات دیا کر کے تو تمہاری سعی مشکور ہوگی الشیطان یعدکم الفقر و یا مکرہ  
 بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلا واللہ واسع علیم جبکہ بیان بالا سے  
 خیرات کی تحریریں دلائی گئی اور اُسکے فوائد بتائیے گئے تو اس آیت شریف میں عوارض کا  
 ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ ان امور کا ذکر مناسب حال تھا لہذا بقدر ضرورت کچھ بیان کیا گیا  
 ہے۔ یعنی پروردگار عالم کا ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو نیکی کرنے میں شیطان کے وسوسہ سے بچا  
 کرو وہ تمہارے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر تم اچھا مال خدا کی راہ میں خرچ کر گے تو محتاج  
 ہو جاؤ گے وسوسہ شیطانی کی نسبت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان للشیطان  
 لمة وللملک لمة۔ لمة شیطانی یہ ہے کہ خیالات شر انسان کے دل میں پیدا کرنا کہ اُن سے  
 افعال کا ارتکاب ہو۔ لمة ملکی یہ ہے کہ خدا سے ہر طرح کی خیر کی امید رکھنا فحشاء کے معنی

**۱۱** ترجمہ۔ شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا اور غم کی بات یعنی غل کی طرف براہِ گنہہ کرتا ہے اور

(بڑی گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے) ۱۲



درجہ میں مگر سعادت نفسی اور خارجی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ مال کا حاصل ہونا فضا  
خارجی میں داخل ہے اور خلق جو دوستی کا حاصل ہونا فضائل نفسی میں داخل ہے۔ سعادت کے  
جملہ مراتب میں سعادت نفسی کا درجہ اعلیٰ اور اشرف ہے اور سعادت خارجی کا درجہ ادنیٰ۔ پس  
سعادت نفسی کے حاصل کرنے کے لیے مال کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضرور ہے۔ جب یہ وصف  
انسان میں پیدا ہو تو وہ خدا کے وعدہ کے موافق فضل کا مستحق ہوتا ہے، واللہ واسع علیہ  
کے یہ سغے ہیں کہ اللہ کی مغفرت وسیع ہے وہ تمکو غنی کرنے اور جو مال صرف کرتے ہو اس کا بدل  
دینے پر قادر ہے اور تمہاری خیرات کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اگر دینا محض نام و نمود کے لیے ہے تو وہ  
بیکار ہے خلوص نیت کے ساتھ رضاے الہی اور تائید بندگان خدا کے لحاظ سے جو خیرات  
دیجائے وہی منتج نتائجِ حسنہ ہے۔ چنانچہ قیس بن عاصم کی یہ حکایت مشہور ہے۔

آن زمان کہ خدائے نزدیک	حکم من ذالذی
ہر کسے آن قدر کہ دست رسید	پیش ہنر کشید و سر نہ کشید
قیس عاصم ضعیف حالے بود	کہ نکر دی طلب از دنیا سود
رفت در خانہ با عیال بگفت	ز انچہ بشنید ہیچ یک نہفت
کا بچنین آیت آمدست امروز	خیز و مارا در انتظان مسوز
انچہ در خانہ حاصلست بیار	تا کنم پیش سید آن ایشار
گفت زن چیز نیست در خانہ	تو نہ بزین سرالے بیگانہ
گفتش آخر بچوے آن مقدار	ہر چہ یا بی سبک بہ نزد من آر

خلفا و کل ممسکات لعلنا شیطان جو فقر کا خوف دلاتا ہے اُس کا تعلق دنیا سے ہے اور اسے تقا  
جو مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اُس کا تعلق آخرت سے ہے دنیا کا تعلق مشکوک ہے عجبے کا وجود یقینی ہے  
ایسے شیطانی وساوس کا قبول کرنا حبل ہے۔ خدا کے وعدوں پر بھروسہ کرنا سعادتمندی کی لیل  
ہے۔ یوں فرض کرو کہ کچھ مدت تک دنیا میں ہم رہے اور دنیاوی فوائد کے لحاظ سے بخل کے ساتھ  
کچھ مال بھی جمع کر لیا لیکن ایسے مال سے کیا ہمیں کوئی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔ یہی غور طلب ہے  
کیونکہ بہت سے موانع درپیش ہیں اگر اس قسم کا مال محض لذات دنیوی میں صرف کیا جا  
تو وہ سب آغشتہ بضرّت ہیں الامنافِ آخرت کہ اُس میں کچھ بھی غل و غش نہیں ہے۔ جب  
انسان کی زندگی کے ایسے حالات ہیں تو دشمنی کا شیوہ یہی ہے کہ خدا کے وعدہ پر بھروسہ  
کیا جائے شیطان کے کید و شید سے بچتا ہے۔ آیت شریف میں دو لفظ ہیں جو کمال مغفرت  
پر دلالت کرتے ہیں ایک تو مغفرت کا لفظ بطریق نکرہ مستعمل ہوا ہے حسین ہر قسم کی مغفرت  
شامل ہے اور دوسرا لفظ منہ کا ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی کمال مغفرت بندوں کے لیے  
ظاہر ہوتی ہے کیونکہ عطا بقدر عظمت معطی ہوتی ہے۔ ایسی عطا کا اندازہ دشمن خود  
کر سکتے ہیں بلکہ خدا کی دین تو ایسی ہے فاولئک یدل اللہ سیئاتہم حسنات  
یا یوں سمجھو کہ اس مغفرت کی تہ کو جب تک کہ ہمارا تعلق دنیا سے ہے معلوم نہیں کر سکتے  
کیونکہ آخرت کی کیفیت سے فی الحال بیخبر ہیں۔ اور فضلا سے دنیا میں بدل معجل کا  
حاصل ہونا مراد ہے۔ کیونکہ خیرات سے انسان کو جو دوسخا کی فضیلت دنیا ہی میں حاصل  
ہو جاتی ہے۔ ادھر کچھ خلوص نیت سے دیے اُدھر سخی بنگئے۔ حقیقت میں سعادت کے کئی

من پذیرفتم این دست لعیان      بہتر از زر و گوہر دیگران  
 از ہمہ چیز ہاے بگزیدہ      ہست جہد المقل پسندیدہ  
 قیس را زان سبب برآمد کار      زان منافق بفعل بد گفتار  
 گشت رسوا منافق اندر حال      قیس را کار گشت از ان کمال  
 تا بدانی کہ ہر کہ پیش آمد      ہم ہوان سان کہ بود پیش آمد  
 با خدائکما و دودل باشد      از ہمہ فعل خود خجل باشد  
 راستی بہتر از ہمہ کارے      خواندہ باشی تو این نقد بارے

دیکھو اسلام میں خیرات کی تعلیم کس طریق سے ہوئی ہے اور نیک کاموں کی ہدایت  
 کیسے سچے اصول پر مبنی ہے۔ یہ خدا ہی کے کلام کی شان ہے کہ جسمین علوم و حکمت کے  
 خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر علم دین کی کتابوں کو پڑھو اور اُس میں غور کرو تو اس قسم  
 کی ہزاروں باتیں معلوم ہو سکتی ہیں قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذرا واما  
 نفق من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و  
 الرسول و ان تبیم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون و ان کان  
 ذو عسۃ فنظرة الی میسرۃ و ان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ہ  
 و اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت و ہم  
 لا یظلمون ترجمہ۔ سلیمانوسہ سے ڈرو اور جو سود (لوگوں کے ذمے) باقی ہو سکے  
 چھوڑ بیٹھو اگر تم ایمان رکھتے ہو اور اگر (ایسا) نہیں کرتے تو ہیشیار ہو اور اُس کے سول

رفت و خانہ بخت بیاے	تا بر آید مگر و را کارے
یافت در خانہ صاع از خرمیا	دقل و خشک گشته تابنوا
پیش قیس آورید زن در حال	گفت زین بشین نیست بار مال
قیس خرمیا بہ استین در کرد	شادمانہ بر رسول آورد
چون درون رفت قیس در مسجد	نر سر ہزل بلکہ اسر جد
گفت با من منافقہ کہ بیار	تا چہ آوردہ عباک پیش آر
گوہرست این متاع یا زرویم	پیش ہمیشہ ہی کنی تسلیم
زین سخن قیس گشت خوار و خجل	بنگرتا چہ آمدش حامل
رفت و در گوشہ بہ غم بہشت	بر نہادہ ز شرم دست بہت
آمد از سدرہ جبریل امین	گفت کاے سید زان زمین
مرد را اندر انتظا رمدار	وا پنچہ آوردہ است خوار مدار
مصطفیٰ را ز حال کرد آگاہ	يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ نَاگاہ
ملکوت آمدہ بنظر آ رند	مرد را انتظا رچون دارند
زلزلہ اوفتادہ در ملکوت	نیست جائے قرار و جاے سکوت
حق تعالیٰ چنین ہمی گوید	دل او را بہ لطف می جوید
کاے سرافرازوے گزیدہ رسول	این قدر کن ز قیس زود قبول
کہ بہ نزد من این متاع قلیل	ہست مقبول و نیست مردخیل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اول تو یہ رائے تھی کہ ربا النسیہ حرام ہے اور ربا الفضل جائز۔ لیکن ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کیا اس جواز کو آپ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا کوئی دلیل آپ کے پاس ہے تو پھر آپ نے اس رائے سے رجوع کیا۔ لیکن جمہور ائمہ دونوں قسم کے ربا کو حرام کہتے ہیں۔ قسم اول کی حرمت تو احل اللہ البیع و حرم الربو سے ثابت ہے اور قسم دوم کی حرمت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ منجملہ انکے ایک حدیث صحیح یہ ہے کہ جب کو عمر بن الخطابؓ اور عبادہ بن ثابتؓ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے صحابہ اصحاب نے روایت کیا ہے قال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذہب بالذہب الفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والمالح بالمالح مثلاً بمثل سواء بالسواء بیدا بیدا فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بیداً رواہ مسلم اس حدیث میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں میں برابر اور دست بد خرید و فروخت کرنے کا حکم دیا ہے۔ سونا۔ چاندی۔ گہون۔ جو۔ چھوٹے۔ نمک۔ پنچب سوئے کو سوئے سے اور چاندی کو چاندی سے اور گہون کو گہون سے اور جو کو جو سے اور چھوٹے کو چھوٹے سے اور نمک کو نمک سے فروخت کریں تو کمی زیادتی نہ کریں اور اس وقت لین دین کریں اگر ایک سیر دیکر دوسرا لیا جائے یا دوسرے وقت سیر بھی لیا جائے تو یہ ربا ہے۔ کیونکہ دوسرے وقت گرانی غلہ کا احتمال ہے جس سے نرخ کی زیادتی لازمی ہے۔ جمہور مجتہدین یہ کہتے ہیں کہ علاوہ انکے اور چیزوں میں بھی انھیں

لڑنے کے لیے اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم نکلو (یعنی پہنچتی ہے) نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگ دست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اُسکو اصل قرض بھی بخش دو۔ اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اُس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔

قبل ازاں کہ مفادِ آئہِ کریمہ کا ذکر کیا جائے کچھ سود کی حقیقت بھی لکھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی یہ کہ سود اور صدقہ میں نسبت تضاد ہے۔ کیونکہ صدقہ میں بظاہر مال کی کمی ہے مگر اُس کے دینے کے لیے خدا کا حکم ہے اور خدا جس طرح خیرات کی جزا اور بدلہ دیتا ہے بقدر ضرورت اُس کا ذکر اوپر ہو گیا ہے اور سود دینے میں بظاہر مال کی زیادتی ہے لیکن اُسکو خدانے منع فرمایا ہے اور اُس کے نقصانات جو کچھ ہیں اُسکو شرح و بسط کے ساتھ اس آیت کے قبل قرآن مجید میں نوکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں صدقہ کے بیان کے بعد سائل سود کا ذکر اسی مناسبت تضاد کی وجہ سے ہوا ہے۔ لغت میں ربا کے معنی زیادتی کے ہیں۔ ربا کی دو قسم ہیں۔ ربا النسیہ ربا الفضل۔ اول قسم کا ربا ایام جاہلیت میں بہت جاری تھا اور وہ یہ کہ اسطرح پر قرض دیا جاتا تھا کہ دیون ماہانہ کچھ نفع دیا کرے اور اصل باقی ہے۔ جب قرض لینا اسلام میں حلال ہوا تو دیون سے اس المال طلب کیا جاتا تھا اگر اس المال کی ادائیگی میں تعذر ہوتا تو پھر قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر مہلت دیتا تھا۔ قسم دوم یہ ہے کہ گندم یا جو وغیرہ کسی چیز کو اُسی کے جنس سے ڈیوڑھی یا دو گنی قیمت پر فروخت کیا جائے۔

بفکر ہو جاتا ہے نہ وہ تجارت کا خیال کرتا ہو نہ صنعت و حرفت کا اس سے مصالح انتظام عالم میں خلل واقع ہوتا ہے۔

(۳۳) معاملہ سود باعث فقدانِ فطرہ حسنہ ہے جسکی فضیلتِ مکرانِ مجید میں وارد ہے۔

(۳۴) جب حرمتِ ربانکی نص سے ثابت ہے تو اُسکے وجوہ کی تلاش بے سود ہے۔  
 سہکو اُسپر عمل کرنا چاہیے۔ مخلوق کو تمام وجوہ تکالیف شرعی معلوم کرنا واجب نہیں ہے۔  
 جب سود کے ضروری مسائل معلوم ہو چکے اور نیز وجوہ حرمت بھی تو آیتِ نیرِ تفسیر کے قبل یہ بھی قرآن مجید میں ذکر ہو چکا ہے کہ مانعت سے پیشتر جو سود لے چکے ہو وہ تمھارا ہے۔ اس سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا تھا کہ مانعت سے پہلے کا جو سود قرضدار کے ذمہ باقی ہے وہ ہمارا ہے اسکو لینا چاہیے اسکی مانعت اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے فرما دی یہ جتا کر اگر لکھو اپنے ایمان کی سچائی کا دعویٰ ہے تو ایسے قبیح فعل کو ترک کرو اور پھر اس بات کی تنبیہ ہوئی کہ اگر اس فعل سے باوجود مانعت کے باز نہ آؤ گے تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ سو اسکی سکت کس میں ہے۔ یا یون سمجھو کہ سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا خدا اور رسول سے جنگ کرنا ہے فاذا نوا الجرب من اللہ کے الفاظ کمالِ تہدید کے طور پر مستعمل ہوئے ہیں۔ جو لوگ احکامِ الہی کی نافرمانی کرتے ہیں انکی نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے من اهان لے ولینا فقد

لے جسے میرے دوست کی امانت کی پس اُسے میرے ساتھ لڑنے کی جرأت کی ۱۲

اشیا پر قیاس کر کے حکم جاری ہوگا۔ مگر قیاس کے وقت وصف مشترک کو دیکھا جاتا ہے جسکو علم اصول فقہ میں علت کہتے ہیں قرار داد علت میں ایہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک علت درہم و دینار میں وزن ہے۔ اور باقی چار چیزوں میں کیل اور اتھا جنس پس اگر ایک چیز بتل کر کہتی ہے اور اُس کے بدل میں جو چیز لیجائے وہ بھی تل کر ہی فروخت ہوتی ہے جیسا کہ چاندی تولنا درست ہوگا۔

دوسرا قول امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ چار چیزوں میں علت حرمت رباطعم ہے۔ یعنی کھانے میں آنا اور نیز جنس کا متحد ہونا۔ اور چاندی سونے میں نقدیت ہے۔

تیسرا قول امام مالک کا ہے وہ یہ ہے کہ علت قوت ہے یعنی غذائیت کا ہونا یا جوا سکی اصلاح کرے جیسا نمک۔

چوتھا قول عبد الملک بن ماجشون کا ہے یعنی جو اشیاء قابل نفع ہوں انہیں زیادتی باعث ربا ہے۔

اسباب حرمت ربا ہمیں بیان کیے گئے ہیں چند ضروری وجوہ نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) ربان انسان کا مال بلا عوض کے زیادہ لیا جاتا ہے جسکی حرمت اس حدیث سے لازم آتی ہے۔ حرمة مال الانسان کما متددہ۔

(۲) جب انسان کو سود کھانے کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ کسب معاش سے

ترجمہ۔ انسان کے مال کی حرمت ایسی ہے جیسے انسان کے خون کی ۱۲



تَصَدَّقُوا خِزَانَتَكُمْ اِذَا رَأَيْتُمْ اسْكَافَ نَفْعِ الْآخِرَةِ مِنْ لَيْكَا۔ یہ احکام انتہا درجہ کی عطوفت و مہربانی پر شامل ہیں۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اِيَّاهُ فَاتَّبِعُوْا اَمْرًا مِّنْ رَّدْوٰى لِّهٖ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اگر تو تمہارے لیے بہتری ہو یا جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس پر عمل کرنا تمہارے لیے مفید ہے۔ اور اس کے بعد حکم ہوا و اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفیٰ کل نفس ما کسبت و ہم لا یظلمون یہ آیت اُن امرائے قوم کے حق میں بطور تازیانے کے نازل ہوئی کہ جو اپنی ثروت و جلال دنیوی کی وجہ سے سود خواری میں گرفتار تھے۔ اسیلئے اُن کو جتایا گیا کہ قیامت کے دن سے ڈرو جس روز تم ہمارے حضور میں حاضر ہو گے اور ہر شخص اپنے کئے کا نتیجہ پائے گا مگر کسبی ظلم ہوگا۔ جسکے معنی یہ ہونے لگے کہ اگر آخرت میں جزائے خیر کی امید رکھتے ہو تو مخلوقات کے ساتھ ظلم کا برتاؤ مت کرو۔

اسلام میں سراسر رحمدلی ہے۔ دیکھو سود خواری میں بنی نوع انسان پر جو سختی ہوتی ہے اُسکو کیسی تنبیہات سے دفع کیا گیا ہے اور کیسے سچے اصول ہمدردی کے بیان ہوئے ہیں چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دولتِ رفتہ کج بقوت دہد      دولتِ آئندہ خاصیت دہد

قرض دہ زین دولت اندر اقسوا      تاکہ صد دولت بہ بینی پیش رو

قوله تعالى الله ما في السموات وما في الارض وان تبدوا ما في انفسكم

او تخفوه يحاسبكم به الله فيغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء والله

باد رنی بالمحاسبۃ قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات میں اس قسم کی تہدید وارد ہوئی ہے اور بعض علما نے نفس سے حرب ہی مراد لی ہے اور وہ استدلال کرتے ہیں اُس واقعہ سے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالغین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی۔ انھیں واقعات پر قیاس کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر سود خواہ اپنے فعل سے توبہ نہ کرے تو اسکی گردن مارنی چاہیے۔

پھر اسکے بعد ارشاد ہوا کہ ان تبتہ یعنی اگر معاملہ ربا سے تم توبہ کر گئے تو تمہارا اصلی مال تمہارے لیے ہے۔ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ سے یہ مراد ہے کہ نہ زائد مال لیکر تم کسی پر ظلم کرو نہ اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے فَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ قَنْصَمَا۟ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ کے یہ معنی ہیں کہ اگر قرض دار تنگ حال ہو تو اُسکے ذمہ کی قسم آسانی کے ساتھ وصول کی جائے۔ کیونکہ جب سود کی ممانعت ہو گئی تو پھر اس بات کا احتمال تھا کہ نفع کی امید منقطع ہونے سے کہیں قرض خواہ وصول رقم میں تعجیل نہ کرے جس سے تنگ دست مبتلا آفت ہو جائیں قرض داروں کی مصیبت اور کسی پر رحم کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اگر قرض دار تنگ حال ہو د یعنی سردی اور گرمی کے کپڑوں اور دوا یک دن کے کھانے اور خرچ عیال کے سوائے کوئی جائداد نہ رکھتا ہو جو اسکو فروخت کر کے قرضہ ادا کرے نہ نقد مال ہی ہو جس سے قرضہ ادا ہو سکے، ایسی حالت میں مقرض کو مہلت اس قدر دینی چاہیے کہ اسکو قرض کے ادا کرنے کی قدرت حاصل ہو۔ اسکے قبل اسکو تنگ کر کے قید وغیرہ کی فکر کرنا ممنوع ہے۔ اس رعایت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ پھر حکم ہوا کہ ۱۱

دُنکا وبال بھی، اُسی پر۔ لے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو سبکو دُنکے وبال میں) نہ پکڑ اور لے ہمارے پروردگار جو لوگ ہم سے پہلے ہو گئے ہیں جس طرح اُن کے توفے دُنکے گناہوں کی پاداش میں احکام سخت کا بار ڈالا تھا ویسا ہم پر نہ ڈال اور لے ہمارے پروردگار اتنا بوجھ جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم کو نہیں ہم سے نہ اُٹھو اور ہمارے قصور و ن سے درگزر اور ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا (حامی و) مددگار ہے۔ تو اُن لوگوں کے مقابلہ میں جو کافر ہیں ہماری مدد کر۔

سورہ بقرہ میں بہت سے اصولی امر کا ذکر ہوا ہے۔ توحید۔ نبوت۔ اور اصول شرعی کے لحاظ سے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ قصاص۔ صوم۔ حج۔ جہاد۔ حیض۔ طلاق۔ عدت۔ نہر۔ خلع۔ ایلا۔ رضاعت۔ بیع۔ ربوا۔ فترض کشی کے اصول۔ جسمین سے بعض کا ذکر تو اس انتخاب میں ہوا ہے اور بعض کا ذکر بحفاظت اختصار چھوڑ دیا گیا ہے۔ اکثر تفاسیر ان بیانات سے مملو ہیں۔ اگر طالبین بالاستیعاب ان مسائل کو دیکھنا چاہیں تو تفاسیر کا مطالعہ کر سکتے ہیں چونکہ صفات کمال میں قدرت و علم نسبتاً مقدم ہیں۔ اس سورہ کے اخیر میں خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت و علم کا ذکر فرمایا ہے۔ قدرت کا ذکر تو یوں کہ للہ ما فی السموات وما فی الارض آسمان و زمین اسکی ملک ہے اور وہی اُسکا مالک ہے۔ اور علم کا ذکر یوں ہوا ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تنخفوا یحاسبکم بہ اللہ جو باتیں تمہارے نفوس میں ہیں خواہ اُنکو تم ظاہر کرو خواہ چھپا رکھو۔ اُن باتوں کا حساب تم سے لیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر امر

علیٰ کل شیء قدیرۃ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون  
 کل اٰمن باللہ وملتئکتہ وکتابہ وراسلہ لانفرق بین احد من رسلہ  
 وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصدیرۃ لایکلف اللہ نفسا  
 الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکسبت ط ربنا لا تؤاخذنا  
 ان نشینا وَاخطانا ربنا ولا تحمل عَلَیْنَا اَصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الدِّینِ مَقْلَبًا  
 رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ط وَاَعْفَ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا  
 اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ۝ ترجمہ۔ جو کچھ آسمانوں  
 میں اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ سب) اللہ ہی کا ہے اور جو تمہارے دل میں ہے خواہ تم  
 ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تم سے اُسکا حساب لیگا۔ پھر جسکو چاہے بخشے اور جسکو چاہے عذاب  
 دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (ہمارے پیغمبر محمد) اس (کتاب) کو مانتے ہیں جو اُن کے  
 پروردگار کی طرف سے اُن پر اُتری ہے اور (پیغمبر کے ساتھ دوسرے) مسلمان بھی (یہ  
 کے) سب اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ  
 (سب پیغمبروں کا دین ایک ہے) اور ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی کو (بھی) جُدا نہیں  
 سمجھتے (یعنی سب کو) مانتے ہیں اور بول اُٹھے کہ اے پروردگار ہم نے تیرا ارشاد سنا اور  
 تسلیم کیا۔ اے ہمارے پروردگار بس تیری ہی مغفرت (درکار ہے) اور تیری ہی طرف لوٹ کر  
 جانا ہے۔ اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اُسی قدر جس (کے اُٹھانے) کی اُسکو طاقت  
 ہو۔ جس نے اچھے کام کیے تو اُنکا نفع (بھی اُسی کے لیے ہے اور جس نے بُرے کام کیے

اس آیت کا منشا ہے کہ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت  
 صحاہک نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب انسان کے  
 دلمین بدخراط پیدا ہوتے ہیں تو وہ غم و ہم و نیوی میں مبتلا ہوتا ہے یہی محاسبہ الہی کی  
 علامت ہے۔ برخلاف نیک خراط کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ  
 میں نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے یہی فرمایا تھا پھر ارشاد  
 باری ہوا کہ فیغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء اگرچہ مفہوم عام ہے مگر علمائے اس  
 آیت سے یہ حجت قائم کی ہے کہ مومنین کے گناہ کبیرہ بخشے جائیں گے اور کافر مغرب ہوں  
 کیونکہ ایمان کے برکت کی وجہ سے مومنین کا کامیاب ہونا قطعی ثابت ہے اسی طرح نکبت کفر  
 سے کافرن کا مغرب ہونا بھی امر فیصل شدہ ہے اور پھر واللہ علی کل شئ قذیر  
 سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تمہارا خدا کامل قدرت والا ہے۔ تمام ممکنات اُسکے قہر و قدرت  
 کے تابع ہیں انکی تکوین و اعدام سب اُسکے قبضہ اقتدار میں ہے۔ جسکی قدرت ایسی ہو تو  
 ہر مرد عاقل پر واجب ہے کہ اسے کابندہ فرمان بردار ہو ہے۔ جن امور کے بجالانے کا حکم  
 ہوا ہے انکو ادا کرے۔ اور امور ممنوعہ سے باز رہے کہ اسی میں بہتری ہے امن الرسول  
 بما انزل الیہ من ربه و المؤمنون کل امن باللہ و ملتکته و کتبہ و  
 راسلہ لا نفرق بین احد من راسلہ و قالوا سمعنا و اطعنا غفرانک  
 ربنا و الیک المصیٰ ہ پہلے تو خدا تعالیٰ نے اپنے کمال مالکیت و قدرت و علم کا  
 ذکر فرمایا جن سے اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ جب ہماری یہ شان ہے تو ربوبیت ہمارے لیے ہی

کلی و جزئی پر خدائے تعالیٰ کا علم محیط ہے۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ ہر گاہ اس سے پہلے کے رکوع میں کتمان شہادت اور مضرت رسانی کی ممانعت ہوئی ہو اور امانت کو واپس لینے کا حکم ہوا ہو اور یہ امور کما مہو حقہ اُسی وقت ادا ہو سکتے ہیں کہ دل میں خدا کا خوف بھی ہو۔ کیونکہ حکام ظاہری تو قلبی کیفیات سے لاعلم ہوتے ہیں اور اس پر کچھ مواخذہ نہیں کر سکتے۔ صرف ظاہری بیانات پر ان کے فیصلوں کا مدار ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں خدائے تعالیٰ کے علم و قدرت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے ظاہر و باطن امور کو سب کچھ جانتا ہے۔ نتیجہ اس قدرت و علم کا یہ ہے کہ سہماں و زمین میں جو کچھ ہے سب اسکے تابع ہیں اور وہی اُنکا آقا اور مالک ہے۔ سارے عالم کو اُسی نے پیدا کیا ہے اور اُسکی نگہبانی رزق وغیرہ سے فرماتا ہے جو لوگ اللہ کے فرمان بردار ہیں انکے لیے یہ آیت شریف بطور وعدہ کے ذکر ہوئی ہے اور نافرمانوں کے لیے بمنزلہ وعید کے ہے اور بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اسکے قبل اُن معاملات کا ذکر ہوا ہے جنکا وقوع بین الناس ہوتا ہے۔ پس ان معاملات میں اگر خدا کے حکم کے موافق عمل کیا جائے تو اُسکا نفع تمہیں کو ملنے والا ہے۔ اور خدا تمہارے معاملات سے بے نیاز ہے۔

**فائدہ** خطرات قلبی و قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جو بات انسان کے دل میں ہوتی ہے اسکو وجود میں بھی لانا چاہتا ہے اور دوسرے اسکے خلاف میں ہوتے ہیں کہ بے اختیاراً ایک چیز کا خیال دل میں آتا ہے مگر اسکو وجود میں لانا انسان کو وہ جانتا ہے۔ اس لیے جن بے خطرات قلبی کا ظہور ہو ان پر مواخذہ کیا جاتا ہے اور جنکا ظہور نہ ہو وہ معفو عنہ ہیں۔ جیسا کہ

سے بالآخرۃ ہم یوقنون کے معنی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ لا تَوَاخِذْنَا نَا نَسِينَا  
 او اخطانا سے مومنین کے عجز و انکسار کی کیفیت ظاہر کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ ابتدا سورہ  
 میں اولکذا علی ہدای من ربہم و اولکذا ہم المفلحون کے الفاظ سے  
 اسی حالت کا بیان ہوا ہے قرآن مجید کی ترتیب سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ کیسے کیسے لطائف  
 پر مشتمل ہے۔

**قائدہ**۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چار چیزوں کا جانتا تکمیل ایمان کے لیے  
 ضرور ہے۔ ایک تو معرفت الہی۔ کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ عالم کے لیے ایک صانع ہے  
 جو قادر مطلق ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے غنی عن الحاجات ہے اس وقت تک انبیاء علیہم السلام  
 کی تصدیق محال ہے۔ اسی لیے پہلے معرفت الہی ضرور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام  
 پر ملائکہ کے توسط سے وحی نازل ہوا کرتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے نزل بہ الروح الامین  
 علی قلبک یا علیہ شدید القوی جبکہ ملائکہ خدا اور بندوں کے باہم واسطہ تھے  
 اسی لیے انکا ذکر دوسرے مرتبہ میں کیا گیا ہے اور کتب الہی کا ذکر تیسرے مرتبہ میں کیا گیا ہے  
 جو مرتبہ تیسرے میں ہی ہونا چاہیے کیونکہ نزول وحی ملائکہ سے متعلق ہے اور تمام کتب سماوی  
 وحی ہیں۔ چوتھے مرتبہ میں رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ انوار وحی سے مرسلین نے  
 اقتباس حاصل کیا ہے تو بہ لحاظ ترتیب بیان کتب الہی کے بعد رسولوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا

**۱۱ ترجمہ**۔ جبریل امین نے (ہماری حکم سے) سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر القا کیا ہے ۱۱

**۱۲ ترجمہ**۔ اور انکو جبریل فرشتہ تعلیم کرتا ہے ۱۲

خاص ہر ہم رب العالمین ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بیان فرمایا کہ انتہا درجہ کی اطاعت و انقیاد مومن  
 کے لیے ہی مخصوص ہے جو کمال عبودیت کی علامت ہے جس سے وہ قیامت میں عنایت  
 و رحمت الہی کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور نیز جبکہ و ان تبدوا اما فی انفسکم او  
 تخفوه یا حسبکم بہ اللہ۔ سے ہماری ظاہری اور باطنی احوال پر بالکلیہ واقف  
 ہونا بیان کیا گیا تو اسکے بعد ہی مومنین کی مع و ثنا کے طور پر یہ آیت بیان کی گئی گویا  
 یہ ورودگار عالم یوں بیان فرماتا ہے کہ اگرچہ مجھ کو تمھارے اندرونی و بیرونی حالات پر تمامہ  
 آنکھی حاصل ہے مگر میں انھیں باتون کا ذکر کرتا ہوں جس میں تمھاری مع و ثنا ہے تاکہ تم کو معلوم  
 ہو جائے کہ جس طرح ہم کامل قدرت ہیں اسی طرح کامل الرحمت بھی ہیں ہمیشہ تمھاری نیکیاں  
 ظاہر کرتے جائیں گے اور تمھارے گناہوں کو چھپائے جائیں گے۔ یا یوں سمجھو کہ  
 ہر گاہ سورہ بقرہ کے ابتدائین متعین کی مع یا میں الفاظ بیان ہوئی ہوں تو ہر الذین یؤمنون  
 بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقناہم ینفقون تو اب اخیر سورہ میں  
 و المومنون کل امن بالله و مدعکتہ و کتبہ و ما سلہ لا یفرق بین احد  
 من رسلہ سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جنکی ابتدا میں ہم نے تعریف بیان کی تھی اس سے  
 امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔ جو اللہ۔ ملائکہ۔ کتب الہی اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان  
 رکھتے ہیں یہی یؤمنون بالغیب کے مصداق ہیں۔ اسی طرح یہاں قالوا اسمعنا  
 و اطعنا کا جو ذکر ہوا اس سے وہی مراد ہے جو اول سورہ میں یقیمون الصلوٰۃ  
 و مما رزقناہم ینفقون سے مقصود ہے علی ہذا غفرانک ربنا و الیک المصیر



کھٹکا لگا رہتا ہے اس لیے طلب مغفرت کے خواستگار رہا کرتے ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ انسان کی تمام طاعتیں حقوق الہی کے مقابلہ میں جلیات ہیں اور جو معارف کہ انسان کو حاصل ہوتے ہیں وہ سب بہ لحاظ انوار کبریائی ہیچ ہیں۔ اس واسطے خود اللہ جل شانہ فرماتا ہے وما قدرنا الله حق قدره اس لحاظ سے انسان مقامات عبودیت میں سے جس کسی مقام میں ہو اس کی پوری تکمیل نہیں ہوتی کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لحاظ سے یہ ہدایت ہوئی ہے فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنوبك حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خدا کی رحمت کے سوحقہ ہیں۔ دنیا میں تمام ملائکہ اور جن وانس وغیرہ پر ایک حصہ کی تقسیم ہوئی ہے اور تینا نئے حصہ آخرت کے لیے محفوظ ہیں۔ پس اس حالت میں غفرا انك سے گویا بندہ یوں عرض کرتا ہے کہ اے خدا اگرچہ میرا گناہ بہت بڑا ہے مگر اسکو تیری رحمت سے کیا نسبت ہے کہ وہ بہت ہی عظیم الشان ہے۔ والیك المصیر سے اس پر کا بیان کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ہم نے مبداء کا استعمال کیا ہے ویسا ہی معاد کے بھی مقربین مبداء پر ایمان لانا عین معاد پر ایمان رکھنا ہے۔ کیونکہ جسکا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کا جاننے والا قادر مطلق ہے تو وہ ضرور آخرت کے وجود کو دل سے مانے گا۔ اور پھر مومنین کے ایمان کی کیفیت یوں بیان فرمائی گئی کہ لا یخلف الله نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا یغفر لمنین

ترجمہ۔ خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی اُسکی کچھ بھی قدر نہ کی ۱۲

ترجمہ۔ جانے رہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی (اُس سے) مانگتے رہو ۱۱

جو ہوا۔ دیکھو نظم بیان قرآن مجید کو کہ ہر چیز کا ذکر بالترتیب کسطح ہوا ہے۔ چنانچہ ایک اور آیت میں بھی اسی ترتیب کی طرف اشارہ ہے ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ یا ترتیب نظم کو اس طرح سمجھو کہ جن مطالب کا بیان ذکر مقصود ہے وہ دو قسم پر ہیں۔ ایک تو حقائق موجودات اور دوسرے احکام افعال تلغی واجب۔ جائز محظور۔ قسم اول کا تعلق عقل سے ہے اور قسم ثانی کا سمع سے۔ پس والمؤمنون كل امن بالله من قسم اول کا ذکر کرنا مقصود ہے اور سمعنا واطعنا سے قسم ثانی کا۔ اور نیز یہ بھی تعبیر کی گئی ہے کہ سمعنا سے سمع ظاہری مقصود نہیں ہے کیونکہ سمع ظاہری قابل مع نہیں ہے۔ بلکہ سمع عقول مراد ہے کیونکہ جو احکام الہی بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے ہم تک پہنچے ہیں انکو صرف سنا ہی نہیں سمجھا اور جاننا بھی ہے اور ہمارا یہ یقین ہے کہ وہ سب احکام حق اور واجب القبول ہیں۔ قرآن مجید میں سمع بمعنی قبول و فہم کے کئی جگہ وارد ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے ان في ذلک لَذِکْرٍ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ لِقَامِ السَّمْعِ وَهُوَ شَهِيدٌ غَرَضُکَ جب مومنین نے تکلیف شرعی کو تسلیم کر لیا اور اس پر عامل ہو گئے تو اُنھوں نے عجز و نیاز کے تھا بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ غفرانک ربنا والیک المصیبن لیکن بیان اس بات کا بھی ایک خدشہ ہوتا ہے کہ ہر گاہ مومنین نے احکام الہی کو قبول کر لیا اور اس پر عامل بن گئے تو پھر طلب مغفرت کی حاجت کیوں داعی ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ مومنین کو ہر وقت قصور عباد کا

۱۲ ترجمہ - خود امد اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُسکے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ (کارخانہ عالم کو) سنبھالے ہے ۱۲

۱۳ ترجمہ - جو صاحب دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے (بات کو) سنتا ہے اُسکے لیے تو ان باتوں میں کافی نصیحت ہے ۱۳

اُسکو اکتساب کہتے ہیں برخلاف کسب کے کہ اُس میں یہ خصوصیت نہیں بلکہ جو شے اپنے یا غیر کے لیے حاصل کی جائے دونوں پر لفظ کسب کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں کا سب لاہلہ۔ اور ما اکتسبت لاہلہ نہیں کہتے۔ اور بقول صاحب کتاب کسب خیر سے متعلق ہے اور اکتساب شر سے۔ اسی توجیہ کے لحاظ سے معتزلی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اضافت فعل خیر و شر کی بندہ کی طرف ہے لیکن اہل سنت و جماعت کا اعتقاد اس مسئلہ کے متعلق لا تبطلوا صدقاتکم بالبنی الا ذمہ کی تفسیر کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر رجحان کرنا موجب طوالت ہے۔ چونکہ اس آیت شریف میں احوال مومنین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے اُنکی دعا کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو اصل عبادت ہے اور دعاؤں کا ذکر چار طریقوں پر ہوا ہے تین جگہ تو لفظ رہنا کے ساتھ دعا شروع ہوئی ہے اور چوتھی دعا یعنی واعظ عنادوا غفر لنا میں یہ لفظ محذوف ہے لہذا بقدر ضرورت ان دعاؤں کا ذکر مع وجوہ استعمال و ترک لفظ رہنا کیا جاتا ہے۔ پہلی دعا لا تؤخذنا سے شروع ہوئی ہے لفظ لا تؤخذنا ماخوذہ سے جو باب مفاعلہ سے ہے اور اس باب کی خاصیت یہ ہے کہ صدر فعل جانبن سے ہو یعنی مواخذ اور مواخذلہ سے پس اس لفظ کے یہ معنی ہوئے کہ خدا بندہ مذنب کو بوجہ اُسکے گناہ کے مواخذہ کرتا ہے تو بندہ بھی عفو و کرم کے لیے خدا سے مطالبہ کرتا ہے۔ یعنی مواخذہ جانبن سے ہے۔ دیکھو قرآن کریم کے لفظ لفظ میں کیسے کیسے لطائف ہیں۔ بہر کیف عدم مواخذہ کی درخواست نسیان و خطا کے لحاظ سے ہے۔ اگرچہ فعل ناسی کے مواخذہ کی بابت بہت سے اختلافات ہیں

اپنے پروردگار کی توصیف یوں کرتے ہیں۔ ہمارا خدا ایسا عادل ہے کہ کسی شخص پر زیادہ طاقت  
 بوجہ نہیں ڈالتا۔ اور ربط کلام اس طرح ہے کہ جب مومنین سمعنا و اطعنا کے تو اب اپنا اعتقاد  
 یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اپنے خدا کے حکم کو کیوں نہیں اور نہ مانیں کہ وہ تو ہماری طاقت کے  
 موافق بجا آوری احکام کا حکم صادر فرماتا ہے۔ کمال رحمت ہے ہمارے ساتھ ایسا سہل اور سنا  
 بڑا دیکھا گیا ہے پھر جسے کیونکر نافرمانی ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ ہر گاہ مومنین نے اپنے قصور کا اعتراف  
 غصہ اللہ کے ساتھ کیا اور مغفرت کے طلب کیا ہوئے تو اللہ جل شانہ نے کمال مہربانی  
 سے ارشاد فرمایا کہ تم اطمینان رکھو کہ ہم تمکو تمہاری طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے  
 تاکہ تمکو بجا آوری احکام میں دشواری لاحق نہ ہو اور پھر اسکی توضیح یوں کر دیکھی کہ لہذا  
 ما کسبت و علیہا ما اکسبت اہل لغت کو کسب کتاب کے معنی میں  
 اختلاف ہے۔ واحدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دونوں لفظ کے ایک ہی معنی ہیں اور  
 کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کل نفس بما کسبت رھینۃ۔ اور واکسب  
 کل نفس لا علیہا بلے من کسبت سیئۃ و احاطت بہ خطیئۃ  
 والذین یودون المؤمنین والمؤمنات بغير ما اکسبوا الخ۔ ان آیات سے ثابت  
 ہے کہ یہ الفاظ باہم ایک ہی معنی میں مستقل ہوتے ہیں اور بعض نے فرق بھی قائم کیا ہے اور کہتے  
 ہیں کہ کتاب خاص ہے اور کسب عام۔ انسان جو شیء خاص اپنے نفس کے لیے حاصل کرتا ہے

۱۲ ترجمہ۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروہ ہے ۱۲

۱۳ ترجمہ۔ جسے گروہ باندھی ہو برائی اور اپنے گناہ کے پھیر میں آگیا ۱۳

۱۴ ترجمہ۔ اور جو لوگ سمان و دون در سمان عورتوں کو بے اسکے لہجوں نے قصور کیا ہوا حق کی تمت لگا کر اپنے ہیں ۱۴



کیونکہ اس سے تکلیف والا لیاق لازم آتی ہے اور نیز حدیث شریفین میں وارد ہے رفع عن  
 امۃ الخطأ والنسیان تو اس سے معلوم ہوا کہ نسیان قابل عفو ہے لائق مواخذہ نہیں ہے  
 لیکن نسیان بھی دو قسم پر ہے۔ ایک لائق عذر اور دوسرا لائق عذر نہیں ہے۔ مثلاً کسی کے  
 کپڑے میں اس قدر خون کا دھبہ ہے کہ جس کا پاک کرنا واجب ہے اُسے خون کے دھبہ کو نکلیا  
 مگر پاک کرنے کو بھول گیا اور اسی حالت میں نماز بھی ادا کر دی اس صورت میں نسیان  
 قابل عفو نہیں ہے بلکہ ایسا شخص مقصر سمجھا جائے گا برخلاف اسکے اگر خون کا دھبہ دیکھا ہی  
 نہ ہو تو کپڑے سے ایسی بخیری اگرچہ نسیان میں داخل ہے مگر لائق معافی ہے۔ یا انسان قرآن مجید  
 کے درس و تکرار سے تغافل کرے اور بھول جائے تو لائق ملامت ہے۔ لیکن کسی کو باوجود  
 مواظبت و کوشش کے بھی قرآن یاد ہی نہ ہو اور بھول جائے تو ایسی حالت میں اس کا  
 نسیان قابل عفو ہے دوسری عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اذکار ادا نہ کرنا  
 حاجت شد خطانی اصبعہ۔ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ بعض اوقات نسیان لائق  
 درگزر نہیں ہے ایسے نسیان سے مغفرت چاہنے کی ضرورت ہے تو اس دعا میں اس کی نظر  
 اشارہ ہے اور خطا سے معافی مانگنا تو ظاہر ہے اور یہ دعا کمال رحمت الہی کی دلیل ہے کہ اہل کبار  
 بھی عفو قصور سے ناامید نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کسی فعل کے کرنے کی تعلیم خاص کر بجانب  
 اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اُسکے حصول کی توقع بھی ہو۔ اسکے بعد دوسری دعا برہنا

۱۱ ترجمہ۔ میری امت سے خطا اور نسیان کو اٹھا دیا گیا ہے ۱۱

۱۲ ترجمہ۔ جبکہ آنحضرت صلعم کو کسی بات کا یاد رکھنا مقصود تھا تو اپنی انکلی پڑا گئی کہ گرہ دیا کرتے تھے ۱۲

اور وہ یوں ادا ہو سکتا ہے کہ احکام شرعی کی پابندی کا پوری طور پر خیال رکھیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر کی دعا کریں۔ رعایتی احکام سے بھی غفلت کرنی بڑی شرم و ندامت کی بات ہے خصوصیات پر نہ بھول جائیں بلکہ اس مقولہ کو پیش نظر رکھیں (ایاز قدر خود بشناس) تیسری دعا ربنا ولا تجعلنا ملاطافۃ لئلا بہ ہر حمل کے معنی خود اٹھانے کے ہیں اور تحمیل کے معنی اٹھوانے کے ہیں۔ یعنی ہم پر کوئی ایسی افتاد بھی نہ پڑے جس سے ہم کو وہ باتیں برداشت کرنی پڑیں جو ہماری طاقت سے باہر ہوں۔ چوتھی دعا والکف عذابا وغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرفنا علی القوم الکافرین ہے۔ سابق کی تین دعائیں ترک فعل سے متعلق ہیں اور یہ دعا طلب فعل سے متعلق ہے۔ لفظ نذاکا استعمال حالت بعدیت میں ہوا کرتا ہے حالت قرب میں نہیں ہوتا۔ جب انسان تضرع و زاری پر مواءطت کرتا ہے تو اس کو قرب الہی حاصل ہوتا ہے چونکہ اس دعائیں تضرع کا ذکر تھا لہذا لفظا ربنا محذوف ہو گیا۔ اس دعائیں عفو و مغفرت کے دو لفظ اسوجہ سے واقع ہوئے ہیں کہ عفو کے معنی یہ ہیں کہ عذاب برطرف ہو جائے اور مغفرت کے معنی یہ ہیں کہ گنا چھپا دیا جائے تاکہ شرمندگی نہ ہونے پائے۔ گویا اس دعا سے بندہ بارگاہ عز و جل میں یوں عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے اپنے گناہوں کا عفو چاہتا ہوں جب تو نے اپنے فضل و کرم سے میرے گناہوں کو بخش دیا تو اب اس کو چھپا بھی دے تاکہ دوسروں کے سامنے فضیحت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ عذاب قبر سے نجات اس وقت بھلی معلوم ہوگی کہ پھر قیامت میں بھی شرمساری نہ ہو۔

والغرق۔ وقال الله تعالى وما كان الله ليعذب بهم ذنوبهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون مومنین نے تخفیف احکام شرعی کی خواہش اسوجہ سے کی کہ شدت احکام کی ادائیگی میں جو کمی و قصور کا احتمال ہر طرف ہو جائے اور عدم بجا اور سی عبادات میں عذاب الہی کے مستوجب نہ بنیں۔ یہاں یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جب خدا تعالیٰ ارحم الراحمین ہو تو یہود وغیرہ پر ایسے سخت احکام کیوں نازل ہوئے اور مومنین کے ساتھ تخفیف کیوں کی گئی۔ اگرچہ اسکا جواب علمائے معتزلہ نے یوں تحریر کیا ہے کہ جو چیز ایک انسان کے حق میں مفید ہوتی ہو وہی دوسرے کے لیے مضر ہوتی ہو۔ چونکہ یہود کے طبائع میں بے انتہا سختی تھی تو انکی اصلاح طبیعت کے لیے تکلیف شاقہ کی ضرورت تھی برخلاف اس امت کے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جواب ایک حد تک درست ہو مگر کچھ بھی جو ملاحظہ ناشی ہوتا ہو وہ علیٰ حالہ قائم رہ جاتا ہو۔ کیونکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ طبائع امم سابقہ میں ایسی سختی ہی کیوں پیدا کی گئی کہ جس سے وہ ایسے مشکل احکام کی بجا آوری پر پابند کیے گئے۔ اگر انکی طبیعتیں بھی مثل مومنین کے نرم ہوتیں تو وہ ان سختیوں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ ایسے علمائے اہل سنت و جماعت کا یہ جواب ہے کہ یفعل الله ما یشاء ویحکم ما یرید لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون۔ مسلمانوں کو خدا کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے

۱۱ اور ایسا دے مروت نہیں ہے کہ تم ان لوگوں میں موجود رہو اور وہ تمھارے بہتے آنگو عذاب کرے اور ایسا بھیر بھی نہیں ہے کہ بعض لوگ گناہوں کی معافی اس سے مانگتے رہیں اور وہ ان سب کو عذاب کرے ۱۲

۱۳ اور اللہ جو چاہتا ہے کہ گزرتا ہو ۱۲

۱۴ جو کچھ وہ کرتا ہے اسکی باز پرس اس سے نہیں کی جاسکتی (اور وہ ان لوگوں سے انکے کیے کی باز پرس ہوگی ۱۲



یہ دعا مانگتے بہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہکو راہ راست پر لائیں مجھے ہمارے دلون کو  
ڈالوان ڈول نہ کر۔ اور اپنی سرکار سے ہکو رحمت (کا خلعت) عطا فرما۔ کچھ شک نہیں کہ تو بڑا  
نہینے والا ہی۔ اے ہمارے پروردگار تو ایک (نایک) دن جس (کے آنے) میں (کسی طرح کا)  
شبہ ہی نہیں لوگوں کو (اعمال کی جزا سزا کے لیے) اکٹھا کرے ہی گا (تو اس دن ہم پر  
تیری مہر کی نظر ہے) بیشک اسد وعدہ خلا فی نہیں کیا کرتا۔

اس آیت شریف کے قبل قرآن میں مذکور ہر ان اللہ لا یخفی علیہ شئ  
فی الارض ولا فی السماء جس سے خدا کی قیومیت اور قادی مطلق ہونے کا ذکر کیا گیا ہے  
لہذا آیت زیر بیان میں اسکی سراحات فرمائی گئی ہے کیونکہ مصالح خلق کا قیام قیوم سے ہی  
اور یہ مصلحتیں دو قسم پر ہیں جسمانی اور روحانی۔ اشرف مصالح جسمانی یہ ہے کہ انسان کی حالت  
معتدل ہو تسویہ مزاج کے ساتھ نہ اُس میں افراط ہو نہ تفریط۔ اسی بات کی طرف آیت قبل  
ہو الذی یصور اکھ فی الارحام کیف یشاء سے اشارہ کیا گیا ہے اور اشرف  
مصلح روحانی یہ ہے کہ علم عطا فرمایا جائے کہ جس سے روح میں اُئینہ مصفا کی سی کیفیت  
پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تمام موجودات کی صورتیں جلوہ گر ہو جاتی ہیں ہو الذی انزل الکتاب  
سے یہی مقصود ہے اسکے بعد محکم اور تشابہ کا ذکر ہوا ہے۔ محاورہ عرب میں محکم کے معنی بمنوع  
کے ہیں۔ چنانچہ حاکمت۔ حکمت۔ احکمت کے الفاظ ردت اور نفع کے

۱۲ ترجمہ۔ اللہ ایسا دانادبنا ہے کہ اُس سے کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور آسمان میں ۱۲

۱۳ ترجمہ۔ وہی قادی مطلق ہے جو ان کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے ۱۳

دیکھو اس بیان سے اللہ تعالیٰ نے بندے کو کیسے مفید امور کی تعلیم فرمائی ہے۔

**اول** تو یہ کہ کمال انسان یہ ہے کہ اُسکو اپنے خدا کی معرفت حاصل ہو جائے۔ لہذا پہلے

خدا نے اپنی قدرت و جبروت کا ذکر فرمایا ہے۔

**دوسری** بات یہ بتلائی گئی ہے کہ قوت نظری کی تکمیل علم سے ہوتی ہے اور قوت

عملی کی تکمیل افعال خیر سے۔ قوله تعالى هو الذي انزل عليك الكتاب منه

آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات ط فاما الذين في قلوبهم

غیر فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله

الا الله والراسخون في العلم يقولون امنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولو

الالباب ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة

انك انت الوهاب ط ربنا انت جامع الناس ليوم لا ريب فيه ؕ ان الله

لا يضل الميعاد۔ ترجمہ۔ (اے پیغمبر) وہی (ذات پاک) ہے جس نے تم پر (یہ) کتاب

اسماری جسمین سے بعض آیتیں پکی (یعنی صاف و صریح) ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض

دوسری مبہم رک اُنکے معنوں میں کئی پہلوئیں نکال سکتے ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہو وہ

تو قرآن کی انہیں مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور انکے اصل

کی ٹوہ لگائیں۔ حالانکہ اللہ کے سوائے اُنکا اصلی مطلب کسی کو معلوم نہیں اور جو لوگ علم

میں بڑی پاکیزہ رکھتے ہیں وہ تو اتنا ہی کھلم کھلاتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے (یہ) سب (کچھ)

ہماتے پروردگار کی طرف سے ہے اور (سمجھا ہے) وہی سمجھتے ہیں جنکو عقل ہے (اور علم والے

کو متشابہ کہیں گے۔

**فائدہ قرآن مجید میں بعض آیات محکم اور بعض متشابہ اسوجہ سے بیان ہوئی**  
ہیں کہ بعض محدین بخاطِ آیات متشابہات یہ طعن کیا کرتے تھے کہ کیا یہی احکام مصالحِ عبدا  
کے لیے نازل ہوئے ہیں اور انکا اثر قیامت تک باقی رہیگا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ  
اسمیں تو ایسے احتمالات ہیں کہ ہر ایک مذہب کا استدلال اسمیں موجود ہے اگر سب احکام  
محکم ہو جاتے تو البتہ مناسب تھا کہ ایسے خدشات سے یک سوئی ہو جاتی۔ مگر انھوں  
نے جو کچھ کہا اپنے فہم کے موافق کہا۔ متشابہات کے فوائد پر غور نہیں کیا۔

**پہلا فائدہ آیات متشابہات کے بیان سے یہ ہے کہ ایسے آیات کی فہم معانی**  
میں انسان کو زیادہ تر مشقت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ حسین چیز  
کے سمجھنے میں جس قدر دقت و محنت اٹھانی پڑیگی اُسی قدر ثواب بھی ملیگا جیسا کہ ارشاد  
باری تعالیٰ ہوتا ہے اِمْحَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ يَلْعَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا  
مِنْكُمْ وَيَعْلَمِ الصّٰبِرِيْنَ —

**دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر قرآن میں سب آیات حکمت ہی ذکر ہوتے تو وہ**  
صرف ایک ہی مذہب کے مطابق ہوتے اور اُس خاص مذہب کے سوائے دوسرے مذہب کے  
مبطل ہوتے جسکا صاف نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے مذہب والوں کو قرآن کے یاد رکھنے  
لے ترجمہ کیا تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں جاد اخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے نہ ان لوگوں کو

بچا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو بچا جو ثابت قدم ہیں ۱۲

معنی میں متعل ہوتے ہیں۔ تاکم اہل حکومت کو ایسے کہتے ہیں کہ وہ ظالم کے ظلم کو روکتا ہو اور  
 حدیث نغی میں وارد ہوا حکم الیتیم کما تحکم ولرک ای امنعه عن الفساد علی ہذا  
 حکمت کو حکمت اسوجہ سے کہتے ہیں کہ وہ امور لایعنے کو روکتی ہے۔ بہر حال آیات محکم کو  
 محکم اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ اُسکے معانی ایسے صاف اور مستحکم ہوتے ہیں کہ وہ تعرضات  
 کو وارد ہونے نہیں دیتے۔ اور تشابہ وہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں ایسی ملی جلی ہوں کہ  
 جنہیں باہم امتیاز کا قائم کرنا مشکل ہو جائے۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے ان البقر  
 تشابہ علیہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحلال بین والحرام بین  
 و بینہما امور متشابہات ایو اسطے خرقہ پوشون کو عرب صحابہ شہبہ کہتے ہیں  
 کیونکہ بوجہ تشابہ لباس کے فیما بینہم تیز مشکل ہو جاتی ہے علمائے لفظ کی یوں تقسیم  
 کی ہے کہ جو لفظ کسی معنی کے لیے موضوع ہو اگر اُس میں دوسرا احتمال ہو تو وہ لفظ ہے اور اگر  
 دوسرے معنی کا احتمال ہو تو ایسے لفظ میں پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ ایک معنی کا احتمال دوسرے  
 معنی سے مرجح ہے یا کیا۔ اگر مرجح ہو تو اسکو ظاہر کہیں گے۔ اور مرجوح کے لحاظ سے ماؤل  
 اگر دونوں احتمال برابر ہوں تو ایسے لفظ کو مشترک کہتے ہیں اگر نسبتاً تعین مراد ہو تو وہ لفظ  
 مجمل ہو گا۔ انہی سے لفظ اور ظاہر لفظ محکم کا اطلاق کیا جائے گا اور مجمل و ماؤل

۱۲ یتیم کو خدا ہی باز رکھو تو لینے بچے کو باز رکھتا ہے ۱۲

۱۳ ۱۳ یتیم کو خدا ہی باز رکھو تو لینے بچے کو باز رکھتا ہے ۱۲

۱۴ ۱۴ یتیم کو خدا ہی باز رکھو تو لینے بچے کو باز رکھتا ہے ۱۲

۱۵ ۱۵ یتیم کو خدا ہی باز رکھو تو لینے بچے کو باز رکھتا ہے ۱۲

جس سے لوگوں میں شکمش واقع ہوتی ہے اور اس شکمش کا ضروری نتیجہ ہر فساد۔ یہ ہر گناہ کی اصل۔ گناہوں کا اثر روح پر پڑتا ہے جس سے روح کی وہ ہستی جو بعد مرگ ہونے والی ہے بگڑتی ہے۔ انسان کو عقل دی گئی ہے جو اسکو بتاتی ہے کہ دنیا میں اُسے کس طرح رہنا چاہیے۔ اور نور عقل کو زیادہ روشن کرنے کے لیے خدا نے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ دیندار ہونے کے لیے کچھ ایسی بڑی عقل اور بڑی معلومات درکار نہیں ہیں۔ انسان کا اپنی حالت پر غور کرنا اور دنیا کی زندگی کو چند روزہ اور اپنے تئیں عاجز اور حقیقت سمجھنا بس کرتا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں کہ جنکو محکمات فرمایا کوئی فرد بشر کے سمجھنے سے معذور نہیں ہے۔ بات بات پر گھڑ تیج نکالنا اپنی عقل کو بڑا سمجھنا اور اس سے وہ کام لینا جسکے سرانجام کی اس میں صلاحیت نہیں دین سے بے بہرہ رہنے کی علامت ہے۔ یہ مرض زیادہ تر پٹھے لکھوں میں ہوتا ہے اور آجکل کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں کثرت سے دیکھی جاتی ہیں اور دین کے اعتبار سے یہ حالت خطرناک ہے۔ ایسا آدمی ضروری باتوں کو چھوڑ کر غیر ضروری باتوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے گویا فرض کو ترک اور نفل کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔ اس آیت میں بہت اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ مشتبہ اور مہم باتوں کے درپے ہونا دین داری کے خلاف اور گمراہ ہونے کی نشانی اور پھر اسکی توضیح فاما الذین فی قلوبہم ذیغ فیتبعون ما تشاء بہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ سے کی گئی ہے کیونکہ ذیغ کے معنی حق بات سے عدول کرنے کے ہیں۔ اسیلے اہل ذیغ کا میلان متشابہات کی طرف ہوتا ہے تاکہ دین میں فتنہ پیدا کریں۔ کیونکہ

اور پڑھنے سے گریز ہوتا محکم اور مشابہات کے بیان سے ہر اہل مذہب کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ اپنے اپنے مطلب کے موافق کون کون حکم قرآن میں ہجرت کو دیکھ لیں اور تلاش کر کے اپنی تقویت مذہب کے لیے دلائل پیش کریں یہ طمع ایسی ہے کہ جس سے ہر مذہب ملت والا اس کتاب مقدس کے پڑھنے کی رغبت و کوشش کر سکتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار جس قدر آیات محکم ہیں وہ آیات متشابہ کے لیے تفسیر بن جائیں گی۔ جس سے اُنکا شبہ رفع ہو جائے گا اور امر حق کا انکشاف ہو جائے گا۔

**تیسرا فائدہ** یہ ہے کہ آیات متشابہات کے سمجھنے کے لیے دلائل عقلی سے بھی کام لینا پڑتا ہے جس کے لیے تحصیل علم کی ضرورت ہے۔ اگر سب آیات محکم ہو جاتے تو انسان کو محض تقلید ہی کی ظلمت میں رہنا ہوتا جو باعث جہل ہے۔ المختصر قرآن ہے۔ تو آسمانی کتاب مگر لوگوں کے سمجھانے کو اُتری ہے اور لوگوں کا یہ حال ہے کہ بہت سی باتیں اُن کی سمجھ سے باہر ہیں۔ جیسے موت کے بعد کے حالات یا خدا کی ذات و صفات کا تفصیلی علم یا روح کی ماہیت وغیرہ۔ اور تکلمہ والناس علی قدر عقولہم کے قاعدے انھیں کے محاورے انھیں کے عادات کے موافق اُن سے بات کہنی ہوتی ہے تو بہت سی باتیں قرآن مجید میں ایسی ہیں جنکی لم اور سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر اصل دین ایسا صاف و واضح ہے کہ احمق سے احمق اور جاہل سے جاہل بھی سمجھ سکتا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کسی مصلحت سے چند روز کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے اس میں ایک طرح کی روح ہے جو ابد الابد تک باقی رہے گی۔ جسمانی تعلقات کی وجہ سے انسان کو بہت سی حاجتیں پیش آتی ہیں

قسم کی تاویل نہیں کرتے یہ گویا انکی انتہائے بصیرت کی دلیل ہے۔ اس مقام پر ابن عباسؓ کا قول نہایت اوسع معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کی چار قسم ہیں۔ ایک وہ تفسیر ہے جسکو ہر ایک شخص جان سکتا ہے۔ ایک وہ تفسیر ہے کہ بخاظ محاورہ اسکو عرب ہی خوب جانتے ہیں اور ایک وہ تفسیر ہے کہ جسکا علم علما کو ہے اور ایک وہ تفسیر ہے کہ اسکا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔ بہر حال راسخین کا یہ مذہب ہے کہ کل من عند ربہ ان الفاظ کا استعمال مزید تاکید کے لحاظ سے ہے۔ اس سے یہ تلبا لیا گیا ہے کہ راسخ فی العلم وہ ہیں کہ اپنے عقول کو فہم معنی قرآن میں اسطرح صرف کرتے ہیں کہ اگر آیات کے ظاہری معنی سے مراد اس معلوم نہ ہو تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ مقصود الہی کچھ اور ہے۔ اپنی طرف سے تاویلات کر کے دین میں فسادات نہیں کرتے اور وما یذکر الا اولو الالباب سے علما کی فضیلت ظاہر کی گئی ہے کہ وہ تمام مالہ و مالعلیہ پر غور کرنے کے بعد قرآن مجید کی تفسیر کیا کرتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من فس القرآن لراہ فیہ فیتبوا مقعدہ من النار اور اپنے رے کو دخل نہیں دیتے۔ یہ بھی راسخین فی العلم کی ہی شان کا اظہار ہے جنکی دعا یہ ہوتی ہے **ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدینا و ہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب** کیونکہ خداوند عالم متقلب القلوب ہر نیک باتوں پر دلون کا قائم رہنا اسکی عنایت پر موقوف ہے خود جناب رسالت مآبؐ کی دعا تھی

**۱** جو شخص قرآن شریف کی تفسیر اپنی رے سے کرے چاہے کہ وہ شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے ۱۲

**۲** اے رب ہمارے بعد ہدایت کے ہمارے دلون کو بظفر و فکر اور اپنے پاس رحمت و رحمت فرما سیلے کہ توبت بڑا دین ہے

جب وہ اپنے اغراض کے لحاظ سے متشابہات کے معنی کرتے ہیں تو مخالفت پیدا ہونے لگتی ہے جس سے ہزاروں فتنے پیدا ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں اور انھیں مناقشات میں لکھوں آدمیوں کی جانیں تلف ہوئی ہیں۔ صفحات تاریخ کو دکھایا جائے تو یہ واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ غرضکہ متشابہات کی جانب رجحان یا توفتنہ کی خواہش سے تھایا تاویل کی وجہ سے تاویل کے معنی لغت میں موج و صیر کے ہیں۔ یعنی ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف رجوع کرنا ہے اور اصطلاحاً تفسیر کے معنی ہیں۔ جیسا کہ احسن تاویلا کے معنی احسن تفسیر ہے اس فتنہ زاطرلقہ کے انسداد کے لحاظ سے یہ ارشاد ہوا وما یعلمہ تاویلہ الا اللہ۔ کیونکہ جن علماء کی تاویل کی طرف ہر جو مبنی بر ترجیحات لغوی ہیں اور ظنیات میں داخل ہیں اور مراد اللہ کا معلوم کرنا احاطہ استدلال سے خارج ہے۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ ہمارے احکام کے منشا کو ہم جانتے ہیں یا علمائے راسخین والکواسخون فی العلم یقولون امنابہ کل من عند ربنا وما یدکر الا اولوا الالباب کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کلام الہی عمت نہیں ہے۔ بالفرض اگر کسی آیت کے ظاہری معنی کی نسبت اُنکایہ خیال ہو کہ غالباً وہ مقصود الہی نہیں ہے اسکا بطون کچھ اور ہے تب بھی وہ تعین مراد کو خدا کے علم پر محمول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کرتے اور انکا اذعان یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ معنی مقصود الہی ہو وہی بجا اور درست ہے اور اپنی طرف سے کسی

**ترجمہ**۔ اور اسکی تاویل خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے بتا دیوے ۱۲

**ترجمہ**۔ اور جو کچھ عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے خدا ہی کے پاس سے ہے اور نصیحت پزیر نہیں ہوتے مگر عقلمند ۱۲



کیونکہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیری بارگاہ میں سب مخلوق جزائے اعمال کے لیے ضرور قیامت کے روز جمع ہونیوالی ہے۔ جو لوگ زبغ و کفر میں مبتلا ہیں وہ عذاب سے نجات نہیں پاسکتے۔ اور جو لوگ تیری عنایت و ہدایت کے دائرہ توفیق میں آگئے ہیں وہ سعادت و کرامت سے محروم نہیں ہو سکتے۔ یعنی ہماری اس دعا سے سعادت اخروی کی توفیق کا مرحمت ہونا مقصود ہے۔

پس اس بیان سے اس بات کی ہدایت ہوئی ہے کہ کج روی کو ترک کرین اور اس خبیث فی العلم کا مسلک اختیار کرین جس سے آخرت کی دائمی نعمات کے حصول کی توقع ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں اپنی عقل کو اس طرح دخل نہ دین جس سے اسلام میں کسی قسم کا خلل پیدا ہو کیونکہ اس قسم کے خیالات محض دنیاوی فسادات کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں جو اغراض نفسانی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ چند روزہ ہیں مگر انسان اپنی کوتاہ نظری سے ان میں مبتلا رہتا ہے اس لیے ہدایت ہوئی کہ بلند نظری اختیار کرو۔ ہمارے وعدوں پر بھروسہ رکھو کہ اسکا خلاف ہونیوالا نہیں ہے تمہاری نفسانی جذبات کا یہیں دنیا میں خاتمہ ہو جائے والا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت سنائی قدس سرہ نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔

آن یکے رُحلِ کفّہ آن یک ید	بہدہ گفتہ سہا بہ بردہ زحد
وان دگر صبعین ثقل نزول	گفتہ و آمدہ براہِ حلول
آن دگر استواء و عرشِ سریر	کردہ در علمِ خوشیتن تفسیر
وان دگر راسخن ز قعد و جلس	بستہ برگردن از خیالِ حبس
وجہ گفتہ یکے دگر تدین	کس نگفتہ و را کہ مطلبک این

یا مقلب القلوب والابصار مثبت قلبی علی دینک - ربنا لا تنزع  
 قلوبنا سے شرور نفس اور وساوس شیطانی سے پناہ مانگی گئی ہو بعد اذہد یتنا سے  
 یہ مقصود ہے کہ جب نور ایمان سے مشرف ہو چکے تو پھر نفس و شیطان کی بیجا خواہشات کی  
 تار کی مین کیوں مبتلا رہیں اور اسکا تعلق ہدایت قلبی سے تعلق ہو جو بدون عنایت الہی  
 کے نصیب نہیں ہوتی وہب لنا من لدنک رحمة سے یہ مراد ہے کہ دل کی  
 پاکی ممنوعات شرعی سے مقدم ہے عبادات پر جو باعث تنویر قلوب ہیں۔ پس اس دعا سے  
 مومنین کا مطلب یہ ہے کہ انکے قلوب باطل کی طرف راغب نہوں اور عقائد فاسد و برباد  
 کُن دین و ایمان نہوں بلکہ انکے دل انوار معرفت الہی سے منور ہو جائیں۔ اور انکے جوارح  
 و اعضا زینت طاعت و خدمت سے مزین ہوں۔ دنیا میں اسباب معیشت آسان ہوں  
 امن و عافیت سے زمانہ گزر جائے۔ سکرات موت میں سہولت ہو۔ ظلمت قبر سے نجات  
 ملے۔ قیامت میں وقت خطاب عتاب نہو۔ حسنات کا پلہ سیئات سے بڑھا ہوا ہے  
 اور ایسی غنایتوں کا حصول بجز خدائے رحیم و کریم کی غنایتوں کے ممکن نہیں۔ اسلئے  
 انک انت الوہاب سے ان مطلوبات کا اظہار کیا گیا ہے اور پھر ربنا انک  
 جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد سے سخین  
 بارگاہ ایزدی میں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری غرض مصالح دنیا سے ہی نہیں ہے  
 کیونکہ وہ تو آخر کار گزرنے والے ہیں اور دائمی نہیں ہیں۔ ہماری بڑی غرض آخرت سے ہے

۱۱۷ اے دلون اور آنکھوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ ۱۲

چند روز فائدہ نون، سے بہت بہتر چیز تباؤن (وہ یہ کہ) جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی  
 اُنکے لیے پروردگار کے یہاں (بہشت کے) باغ ہیں جنکے تلے نہرین بڑی بہ رہی ہیں (اور وہ)  
 انہیں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور (باغوں کے علاوہ اُنکے لیے پاک صاف بیبیاں ہیں اور  
 سب سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی) ہو اور اسے بندوں کے (نیک بُد) کو دیکھ رہا ہے۔ یہ وہ لوگ  
 ہیں جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم (تجھ پر) ایمان لائے ہیں تو ہمارے  
 گناہ معاف فرما اور ہمارے عذاب و سزا سے بچا۔ (یہی لوگ ہیں) صبر کرنے والے۔ اور سچ بولنے  
 والے اور خدا کے فرمان بردار اور (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور آخر شب کے وقت نون  
 میں توبہ و استغفار کرنے والے۔ نظم بیان کا تعلق مختلف وجوہ سے متعلق ہے۔

ایک تو ایک قصہ کے ساتھ وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ ابو حارثہ بن علقمہ نصرانی نے  
 اپنے بھائی کے سامنے بیان کیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو تو مانتا ہوں کہ وہ پیغمبر ہیں  
 مگر علانیہ اسوجہ سے اقرار نہیں کرتا کہ میرے مال و جاہ پر بادشاہان روم کی جانب سے نقصان  
 پہنچے گا۔ اسی واسطے اس آیت شریف میں خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنگی  
 محبت دنیا میں انسان کو لگی رہتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جنگ کے بعد آنحضرت نے یہود کو اسلام قبول کر لینا  
 پیغام دیا تو اُنھوں نے اپنی قوت و مال و متاع کا گھنڈا ظاہر کیا اسیلئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ  
 نے ظاہر فرمادیا کہ یہ چیزیں اور اس قسم کی اور اشیاء متاع دنیوی میں داخل ہیں جو سریع الزوال  
 ہیں اور آخرت کی خوبیاں دائمی ہیں۔ اس مضمون کو ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ بیان

زین ہمہ گفت قال قویل آمد      حال کوران و حال پیل آمد  
 جل ذکرہ منزہ از چہ و چون      انبیار شدہ جگرہا خون  
 عقل را زین حدیث پُر کردند      علما را علوم طُر کردند  
 ہمہ بر عجز خود شدند مفر      و لے آنکو بجل گشت مصر  
 متشابہ مخوان در و ما ویز      و ز خیالات سیدہ بگریز  
 و آنچه نص است جملہ آمنہ      و آنچه اخبار جملہ سَلَمَہ

قوله تعالى زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة  
 من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والمحرمات ذلك متاع  
 الحيوۃ الدنیا والله عنده حسن المآب ۱ قل اوعىٰکم مخرج من ذلکم  
 للذین اتقوا عند ربهم حنات تجری من تحتها الانهار ۲ خلدین فیہا  
 وانما واجہ مطہرۃ و رضوان من اللہ ۳ واللہ بصیر بالعباد ۴ الذین یقولون  
 ربنا انما امنّا فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار ۵ الصابریں والصادقین  
 والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار ۶ ترجمہ لوگون کی بناوٹ اس طرح  
 کی واقع ہوئی ہو کہ آنکو دنیا کی مرغوب چیزیں یعنی مثلاً بیبیوں اور سونے چاندی کے  
 بٹے بٹے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور رکھیتی کیساتھ دلبستگی معلوم ہوتی  
 ہو (حالانکہ یہ تو) دنیا کی زندگی کے چند وزہ فائے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو  
 اُسی اللہ کے یہاں ہو (لے پیغمبران لوگون سے) کہو اگر اچھا چاہو تو میں تمکو ران دنیاوی

ذکر ہوا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب چیز ہے۔ جمیع حاجات کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے اسکا غرور و سرور بھی  
 انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ خدا و رسول سے بغاوت پر آمادہ کر دیتا ہے خدائی دعویٰ کر دینے لگتا  
 ہے پھر کوتل گھوٹے۔ پھر گائے بیل اونٹ وغیرہ مویشی۔ پھر باغ کھیتی ان سات چیزوں  
 کی طرف ذلّت متاع الحیوۃ الدنیاء کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے تو یہاں یہ بحث بھی موجود  
 ہے کہ جب یہی چیزیں متاع دنیوی ہیں تو ان سے جلب منفعت کرنی چاہیے۔ لیکن اسکے لیے  
 ایک میزان ہے وہ یہ ہے کہ دنیاوی لذات میں مستغرق ہو جائے مذموم ہے۔ اور باوجود حاجت کے  
 اسکا ایک دم ترک کر دینا بھی مذموم ہے۔ اور بطریق مباح فائدہ حاصل کرنا بلا لحاظ مصالح آخرت  
 کے مذموم ہے۔ اگر مصالح آخرت کو پیش نظر رکھ کر متاع دنیوی سے فائدہ حاصل کیا جائے  
 تو مدوح ہے۔ ان چیزوں کے بعد خدا سے تعالیٰ یہ بات جتلاتا ہے کہ یہ چیزیں صرف زندگانی دنیا  
 کا سامان ہے مگر خدا کے پاس اس سے زیادہ اور عمدہ روحانی و جسمانی لذتیں موجود ہیں کیونکہ  
 بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُسی کو عمدہ عالم سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب باہر آتا ہے  
 تو رور و کرغل مچاتا ہے۔ پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو اس عالم حسی پر غش ہو جاتا ہے ہمیشہ ہمیں  
 رہنا پسند کرتا ہے۔ آخر کار جب اُس عالم باقی میں جائے گا تو وہاں کی نعمات و وسعت کے  
 مقابلہ میں دنیا کی وسعت و نعمت کو تنگ و تاریک پرالم سمجھے گا۔ جس طرح دنیا میں ماں کے  
 پیٹ سے آنے کو نا پسند کرتا تھا اُسی طرح عالم عقبے سے اس دنیا میں واپس آنے کو نا پسند  
 کرے گا کیونکہ دنیا کا ہر عیش و ہر چیز فانی ہے آخرت کی لذات باقی اور جاودانی ہیں یہاں  
 ہر عیش تلخی پر مبنی ہے اور پھر راحت کے بعد تلخی ہے۔ جب تک تپاس اور دھوپ کا رنج نہ

فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے یعنی یہ کہ انسان کی آنکھوں میں مرنے اور شہوت کی چیزوں کی خواہش کرنا عورتوں پر مرنے والا کی کثرت پر نظر کرنا روپیوں اور اشرافیوں کے توڑوں پر اور کوتل گھوڑوں پر اور گائے بھینس وغیرہ مویشی پر ہری بھری کھیتی اور عمدہ باغوں پر دل لگانا بھلا معلوم ہوتا ہے اور یہ بات بوجہ قوائے ہیمہ کے ہر انسان کی ایک جہلی بات ہے۔ کیونکہ لذت روحانیہ تو خاص خاص لوگوں کو خاص خاص وقتوں میں نصیب ہوتی ہے اور لذت جسمانیہ کی طرف ہر وقت ہر شخص متوجہ رہتا ہے۔ چونکہ لذت دنیا میں انسان جن چیزوں پر تفاخر کرتا ہے اور ان کی رغبت کا دم بھرتا ہے وہ سات چیزیں ہیں انھیں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

اول عورت۔ اس سے جس قدر مرد کو لذت اور اُانس ہے وہ کسی چیز سے نہیں ہے  
ایسی محبت انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے مرد و عورت میں ایک متفاطیسی جذب ہے۔  
ایسے اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتکنوا علیہا وحمل بینکم  
مودۃ ورحمۃ اسکے بعد بیٹا ہے جس کو انسان اپنا نائب اور قائم مقام سمجھ کر جو بات اپنے لیے  
چاہتا ہے اُس سے بڑھ کر اُس کے لیے چاہتا ہے۔ اور نیز اُس کو ہر وقت میں اپنا قوت بازو اور  
معین و مددگار سمجھتا ہے۔ اس سے بھی انسان کو بڑا فخر اور نہایت خوشی ہوتی ہے۔ چونکہ انسان  
بہ نسبت لڑکی کے لڑکے کو زیادہ چاہتا ہے اسی واسطے خدا تعالیٰ نے لڑکے کا ذکر فرمایا  
ہے اور اس میں حکمت بالغہ یہ ہے کہ یہی محبت بقائے نسل کی باعث ہے۔ اسکے بعد مال و دولت کا  
ترجمہ۔ اُس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو ان کی طرف رغبت کرنے سے

- (۲) صابرین - صبر کہتے ہیں نفس پر محنت کی برداشت کرنے کو خواہ عبادات قائم کرنے میں خواہ نفس کو انکی خواہشوں سے روکنے میں۔ یہ وصف بھی متقین کا ہے۔
- (۳) صادقین سچ بولنے والے اور ہر بات کو سچ کر دکھانے والے۔
- (۴) قانتین خدا کی عبادت کرنے والے۔
- (۵) منفقین خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے خواہ بذریعہ صدقہ نافلہ خواہ بذریعہ زکوٰۃ۔

(۶) مستغفرین بالاسحار صبح کے وقت خدا سے استغفار کرنے والے۔ چونکہ اس وقت میں شب کی ظلمت دور ہو کر نور پھیلتا ہے اور رات کے مرے ہوئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت جو عام اور فیض تام کا وقت ہے۔ اکثر اس وقت انسان پر غفلت طاری ہوتی ہے تو ایسے وقت میں نفس کے آرام کو ترک کر کے خدائے تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرنا بلا شک انسانی نجات کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اس واسطے صحابہ اور صالحین امت اس وقت میں عبادت و استغفار کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ پس ایسے وقت سوتے رہنا اور نشہ میں چور رہنا سچ اور بربادی کا باعث ہے۔

دیکھو تہذیب نفس انسانی کے لیے دنیا کے عدم ثبات کا ذکر اور نیز دنیا میں انسان کی طبیعت جن چیزوں کی طرف خواہ مخواہ مائل رہتی ہے اس کا ذکر کس خوبی سے کیا گیا ہے۔ اور آخرت کی خوبیوں کا دوام اور اسکے طالبین کی کیفیت کس جامعیت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔ اگر دنیا کے چند روزہ ہونے کا ذکر نہ کیا جاتا تو انسان کی طبیعت آخرت کی طرف

نہ اٹھایا جائے سایہ اور سرد پانی کا مزہ نہیں آتا اُس عالم میں یہ باتیں نہیں ہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے واللہ عندہ حسن المآب کہہ کر اُس عالم کا شوق دلایا۔ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ آخرت میں دنیا کی ان چیزوں سے عمدہ چیزیں ہیں پھر آپ ہی نے اسکی تفصیل کی کہ پرہیزگاروں کے لیے جنت میں باغ ہیں کہ جن میں نہرین بہتی ہیں۔ جہاں خوشبودار رنگ برنگ کے پھول و پھل اور طائرانِ جمش ایوان اور نہایت تکلف کے مکانات ہیں۔ اور پاک و صاف بیبیاں ہیں کہ تمام بُرائیوں سے مبرا۔ حسنِ خوبی میں بچتا اور لطف یہ کہ یہ چیزیں ہمیشہ رہیں گی انکے زوال کا کھٹکا نہیں ہے۔ یہاں تو جنت جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا اسکے بعد جنت روحانیہ کی طرف ضوان من اللہ سے اشارہ کیا گیا یعنی انوارِ کبریائی کا بندہ کی روح پر تجلی کرنا اور بندہ کا اُسکی معرفت میں مستغرق رہنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اُس عالم کی کیفیت کو دکھا دیا تھا جس سے اُنکی نظروں میں دنیا کو ترینات گرد ہو گئے تھے عالمِ آخرت کی خوبیوں کے مستحق لوگوں کا بھی ذکر لادن یں اتقوا سے کیا گیا ہوا اسکے بعد اور بھی تشریح کر دی گئی ہے یعنی وہ لوگ جنہیں حسبِ ذیل چھ وصف پائے جاتے ہیں۔

(۱) یقولون ما بنا الہ کہ وہ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہم تجھ پر ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور عذابِ نازلے سے بچائیو۔ یعنی محض اپنے ایمان کو وہ مغفرت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

۱ ترجمہ اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اُسی اللہ کے یہاں ہے ۱۲



انقیاد۔ دوسرا مخلوق پر شفقت کرنا۔ چند یہود نے اس بات کا قصد کیا تھا کہ وہ دین اسلام میں  
فتنہ پیدا کریں گے۔ اسیلئے وہ مسلمانوں سے میل جول پیدا کیے تھے سو قت رفاعہ بن منذر عبد اگر بن  
بن جبیر سعید بن خثیمہ نے اُن مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ دیکھو یہ یہود ہیں انکے فتنہ سے بچو یہ تمہارے  
دین میں رخنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور بعضوں نے شانِ نزل  
اس آیت کا یہ لکھا ہے کہ ابو لمبعہ وغیرہ نے کفار کے سے محبت اختیار کی تھی اللہ نے اُس سے  
منع فرمایا کیونکہ کافروں سے محبت اختیار کرنے میں دین میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔  
مگر یہ ایک اختلافیہ مسئلہ ہے اسیلئے کہ کفار سے محبت رکھنے میں کئی قسم کے احتمالات ہیں  
اگر محبت کفار کی رضا بکفر کے درجہ پر پہنچ جائے تو ممنوع ہے اگر حسن معاشرت کے لحاظ سے  
ہو تو ممنوع نہیں ہے۔ مگر شانِ اسلام یہ ہے کہ جن امور سے ممانعت ہوئی ہے اُس سے حذر اولی  
ہے اور اسی واسطے ارشاد ہوا ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ۔

یعنی جو ہمارے حکم کے خلاف کرے اُس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں تو ایسے شخص سے گنتا  
ہونے سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا اولی ہے اَلَا انْ تَعْلَمُوْا مِنْهُم مَّقَاتِلَہٗ سَے اس قدر اجازت کی گئی  
ہے کہ اگر محض کفار کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اُن سے دوستی اور محبت  
رکھی گئی ہے (تو خیر) اسکی مثال اس واقعہ سے اچھی طرح دلنشین ہو جاتی ہے کہ مسیلہ کذاب نے  
دو صحابیوں کو اپنے سامنے طلب کیا اور اولاً ایک صحابی سے پوچھا کہ کیا تم محمد کو رسول اللہ  
جانتے ہو تو اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ اور پھر پوچھا کہ کیا میری رسالت کی بھی گواہی دیتے ہو تو  
اُنھوں نے مجبوراً کہا کہ ہاں۔ کیونکہ مسیلہ کذاب اپنے کو رسول بنی حنیفہ سمجھتا تھا اور آنحضرت

توجہ ہی نہ کرتی۔ کیونکہ انسان بخوبی اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ باوجود دنیا کی بے ثباتی معلوم ہو چکی وہ دنیوی خواہشات میں کس طرح منہمک رہتا ہے۔ اس لیے بار بار قرآن مجید میں ان باتوں کا ذکر ہوا ہے تاکہ انسان نفس کے جذبات سے مطلع ہو کر برائیوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کا عادی ہو اور یہ محض خدا کا فضل ہے۔

جانت را دوزخ آشیانہ کن	خاطر را محال خانہ کن
گرد بہودہ و محال گرد	برد را خانہ خیال گرد
از خیال محال دست بردار	تا بدن بار گہ سیلابی بار
کان سرے بقابرے تو است	وین سرے فنا جے تو است
آن سرے بقا تراست معد	یوم بگذار و جان کن از پر غد

قوله تعالى لا تتخذوا الموضون، الكافرين اولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تتقوا منهم فقاتلوه وعين ر ك م

اللہ نفسہ والی اللہ المصیبن ترجمہ مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اس سے کچھ سروکار نہیں مگر اس تدبیر سے کسی طرح پر ان (کی شرارت) سے بچنا چاہو (تو خیر) اور اللہ کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور آخر کار اللہ ہی کی طرف جاتا ہے۔

ابناے جنس کے ساتھ برتاؤ کے طریقے اس آیت شریف میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ اقل کمال اخلاق انسانی کا حصول، و چیزوں پر موقوف ہوا ایک تو احکام الہی کا

قسم قسم کے فتنہ و فساد مذہبی اختلافات کی وجہ سے دنیا میں ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے شروع و فساد سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت کر دی گئی ہے کہ جو لوگ مخالف اسلام ہیں ان سے میل جول اختیار نہ کرے کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہے۔ ہاں البتہ میل جول کے ترک کرنے سے جان و مال کے نقصان کا احتمال ہو تو آشتی و محبت کفار کا اختیار کرنا جائز و مسترد کیا گیا ہے۔ بہر حال مسلمانوں کو تہذیب اخلاق کے لحاظ سے یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ ایسے امور میں سوچ سمجھ کر کام کریں یہودہ جھگڑاؤں میں مبتلا ہونے سے بچتے ہیں قولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی يحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم قل اطیعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا یحب الکافرین ترجمہ۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم اسد کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اسد (بھی) تم کو دوست رکھے اور تم سے تمہارے گناہ معاف کرے اور اسد بخشنے والا مہربان ہے۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہدو کہ اسد اور رسول کی فرمان برداری کرو پھر اگر یہ لوگ نہین (تو سمجھے رہیں) کہ اسدنا فرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت شریفہ کو نزول کے وجوہ بہت سے بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) یہ کہ یہودیہ کہا کرتے تھے کہ ہم اسد کے بیٹے ہیں اور اُس کے ساتھ رشتہٴ محبت رکھتے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ قریش مسجد حرام میں بُت پرستی کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ اے قریش تم ملت ابراہیمی کے خلاف کرتے ہو تو اُنھوں نے کہا

صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول قریش - خیر اس جواب پر انکو تو چھوڑ دیا پھر دوسرے صحابی کو سامنے طلب کیا اور سوال کیا کہ تم محمدؐ کو رسول اللہ جانتے ہو تو انھوں نے کہا کہ ہاں۔ اور پھر پوچھا کہ میری بھی رسالت کی گواہی دیتے ہو تو انھوں نے تین بار کہا کہ میں بہرا ہوں۔ اس پر غضبناک ہو کر انھیں قتل کر ڈالا۔ اس حادثہ کی خبر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ جو صحابی قتل ہوے وہ تو اپنے صدق و یقین پر دنیا سے گئے ہیں انکی حالت قابل مبارکباد ہو اور دوسرے صحابی نے رخصت پر عمل کیا ہے۔ انھیں الفاظ قرآنی سے مسائل تقیہ کا بھی تنبہ کیا گیا ہے اور بہت سے اقوال کتب شرعی میں مذکور ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں چونکہ مسلمانوں کی حالت ضعیف تھی اسلئے اسوقت تقیہ جائز تھا اور جب اسلام کو تقویت ہو گئی تو یہ جواز برطرف ہو گیا اور بعض نے ہمیشہ کے لئے محض صیانت نفس کے لحاظ سے جائز قرار دیا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ و یجذبہما کہمہ اللہ نفسہ یعنی نفس فعل اختیار محبت کفار سے نہ پئے رہو ورنہ آخر کار ہمارے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤ گے جبکہ صاف نشانہ ہے کہ جو حکم الہی صادر ہوتا ہے وہ مصالح عباد پر موقوف ہوا اسکی تعمیل ہونی چاہیے۔ ورنہ عدم تعمیل احکام کی گرفت سے بچنا محال ہے والی اللہ المصیر سے انجام کار کو اسطرح بتلادیا گیا ہے کہ اگر ہمارے حکم کی بجا آوری کو ترک کر دو گے تو عقاب الہی سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہو کہ بالآخر تمھاری گشت تو ہمارے ہی جانب ہے۔

چونکہ دنیا میں مذہب کا قید و بند بھی ایک عجب چیز ہے انسان ہر ایک ناگوار بات کو کم و بیش تحمل کر سکتا ہے۔ مگر مذہب کے متعلق کسی بات کو جو خلاف مذہب ہو عین نہیں سکتا۔

اور یہ حکم کرتے ہیں کہ جسطرح انصاری عیسیٰ کی محبت رکھتے ہیں ویسے ہی ہم بھی انکی محبت رکھیں  
اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان الله لا يهتد بالکافرین اصل یہ ہر کہ جب آیت ادلی سے آنحضرت کی متابعت واجب  
قرار دی گئی تو پھر منافقین نے دین میں رخنہ اندازی کی باتیں شروع کیں جیسا کہ عبدالسدر بن ابی  
کے قول سے ظاہر ہو تو ایسے فسادات کو رفع کے لیے اس آیت کا نزول ہوا اور اس شہ  
کو دفع کیا گیا کہ انکی اطاعت مثل انصاری کے واجب نہیں ہر لیکہ اسوجہ سے واجب ہر کہ تکالیف  
شرعی کا نزول آپ کے توسط سے ہوا ہر۔ کیونکہ جب متوسط ہی کو نہ مانا جائے تو پھر احکام الہی کے  
اتباع کی توقع کیا ہو سکتی ہے اور اس حکم کو فان تولوا فان الله لا يهتد بالکافرین سے ہو کہ  
کیا گیا۔ اسلئے کہ محبت کے مستوجب تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو فرمان الہی کی دل سے طاعت کریں  
اور جو اس سے اعراض کریں وہ سولے اہانت و ذم کے کسی بات کے مستحق نہیں ہو سکتے  
غرض کہ اسلام میں خدا و رسول کی محبت و اطاعت تہذیب اخلاق کا جزو عظم ہے۔ اس لئے  
میں عجب ہوا چلی ہر کہ ہمت سے لوگ اپنے آپ کو اسلام کے پیشوا اور صلح قوم قرار دیتے  
ہیں مگر جو ختمہ نماز تک کی پابندی نہیں کرتے اسلئے انکے اقوال کا اثر جیسا کہ ہونا چاہیے  
نہیں ہوتا یہ بات یاد ہے کہ جب تک شرع محمدی کی پوری پوری پابندی نہ ہو خدا کی محبت  
کی تکمیل ہوتی ہے نہ رسول کی محبت کی تکمیل۔ جب یہی میسر نہ ہو تو پھر اخلاق کی دہری کا کیا کہنا۔

آمد اندر جہان جان ہر کس      جان جاننا محمد آمد و بس  
چون بخند عبد بر سپہر جلی      آفتاب سعادت ازلی

کہ ہم اسیلئے اصنام پرستی کرتے ہیں کہ لیقربونا الی اللہ نزلے۔

(۳) عیسائی یہ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی محبت کی وجہ سے مسیح علیہ السلام کو سب سے زیادہ بزرگ جانتے ہیں۔

اور عام وجہ تو اس آیت کے نزول کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایک فرقہ اس بات کا مدعی ہے کہ وہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس کی خوشنودی کا طالب ہے اور اُس کی اطاعت کرتا ہے۔ اسیلئے ارشاد باری ہوا کہ اے محمدؐ ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو واما امی کے منقاد بنے رہو اور احکام الہی کی مخالفت مت کرو اور نیز میرے رسول کی محبت اور اطاعت اختیار کرو۔ جبکہ دلائل قاطعہ سے آنحضرتؐ کی نبوت ثابت ہو چکی تو آپ کی متابعت واجب ہے۔ اگر یہ حاصل نہ تو پھر دعویٰ محبت الہی مکرر روز و رفا تبھونے سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو کوئی آنحضرتؐ کی اتباع سچے دل سے کرے گی بیشک وہ محب خدا ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے اور بندوں کے ساتھ خدا کی محبت ہونے سے یہ مقصود ہے کہ دینی اور دنیوی منافع حاصل ہوں دنیوی نفع یہ کہ ہدایت نصیب ہو اور اخروی یہ کہ عذاب آخرت سے نجات ملے واللہ غفور رحیم سچ بھی انھیں! ہو کر طوفان یا کیا گیا ہے نفع اللہ تعالیٰ انواع معاصی کو دنیا میں چھپانے والا ہے اور آخرت میں اپنے فضل و کرم بے نہایت سے اپنی صفت رحیمی کو ظاہر فرمائے گا۔

عبداللہ بن ابی نے کہا کہ محمدؐ اپنی اطاعت کو مثل طاعت الہی کے بتلاتے ہیں

طَوْعًا وَكَرْهًا ۖ وَاللّٰكِبِ يُجَبَّوْنَ ۚ جس سے اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ ماسویٰ السنہ نبی کریم  
ہیں وہ سب ممکن ہیں جبکہ وجود و عدم الہ سبحانہ کے قبضہ اقتدار میں ہے جب ممکنات کے یہ دونوں  
جہت خدا کے قبضہ اقتدار میں ہیں تو پھر اُس کے حکم کی اطاعت نہ کرنا موجب ضلالت اور گمراہی کی  
دلیل ہے۔ ایسے جو مسلمان صالحین ہیں وہ احکام دین کو خوشی اور رغبت کے ساتھ مانتے ہیں اور  
جو چیز مخالف طبیعت ہوتی ہیں جیسے بیماری، محتاجی، موت وغیرہ میں صرف کچھ کراہت کا شائبہ  
ہوتا ہے اور کافروں کی حالت تو یہ ہے کہ نہ دین الہی کو وہ طوعاً قبول کرتے ہیں اور نہ امورِ مصلحت  
طبع کو بلکہ جو باتیں خلاف طبیعت ہوں کر یا اسوجہ سے اُسکا سنجاب الہ ہونا تسلیم کرتے ہیں  
کہ قضا و قدر کا دفع کرنا اُن کے امکان میں نہیں ہے۔ حالانکہ جن اقوام کو دین اسلام سے اختلاف ہے  
وہ اس کلام پاک کے مفہوم پر جو زمین و آسمان کے پیدائش کے متعلق ارشاد ہوا ہے یعنی  
فَقَالْ هَآؤُلَآءِ اَرْضٌ اِثْنَا طَوْعًا ۖ اَوْ كُرْهًا ۚ قَالَتْ اَنْتَ بِنَا طَاۤءِثٌ عَيْنٌ اَلرَّغْوَرُ كَرْتِے تَوَا نَكُوْصَا  
معلوم ہو جاتا کہ احکام الہی کی نافرمانی انسان کو جمادات کے درجے سے بھی گھٹا دیتی ہے حالانکہ  
انسان کو خداوند کریم نے اپنے فضل و احسان سے ایسے مراتب عطا فرمائے ہیں کہ کسی مخلوق  
کو اُسکا ہمایہ ہونا ممکن نہیں باوجود اس اکرام کے خدا کے حکم کی نافرمانی سراسر جہالتِ بیزاری  
ہے۔ اس آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار یہود و نصاریٰ میں دینِ بڑا بیہمی کی نسبت  
کچھ اختلافی گفتگو ہوئی تو اُن دونوں گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم قرار دیا آپ نے

لے تو اُس گھر کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے آؤ تو اور زبردستی آؤ تو اور جو حکم ہم دیتے ہیں اُس پر کاربند

رہو دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حکم بجالانے کو حاضر ہیں ۱۲

احمدِ مسل آن چراغِ جهان	رحمتِ عالم آشکار و نہان
آدمی زندہ اندازِ جانش	انبیاءِ گشتہ اندہمانش
شرع اور افلاکِ سلم کرد	خانہ بر بامِ چنچِ عظم کرد
تاشِ نیستِ صبحِ ہستی زاد	آفتابِ چنونداردِ یاد
اوسرے بود و عفتل گردن او	اودلی بود انبیا تن او
آدم آنگہ کہ ہمت جان داشت	پاسے دامانش برگریبان داشت

قُلْ تَعَالَى أَفْغِيرِ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ وَكَهْ اسْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا  
وَكَرْهًا ۚ إِلَيْهِ يُكْرَجُونَ ترجمہ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش  
میں ہیں حالانکہ جو فرشتے آسمانوں (میں ہیں) اور (جو لوگ) زمین میں ہیں چاروں اچار اسی کے  
حکم بردار ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ جانا ہے۔ لحاظ ترتیب قرآن مجید اس آیت کے قبل  
اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا لازمی ہے اسکو خدا تعالیٰ نے مشروع  
گردانا ہے سب انبیا اور ائمہ سابقین پر اس حکم کی اطاعت واجب تھی اور جو کوئی اس حکم کو  
نامن گویا وہ دوسرے دین کے طالب ہیں۔ اسی لحاظ سے ارشاد ہوا ہے اَفْغِيرِ دِينَ  
اللَّهُ يَبْغُونَ یا یہ بیان اس طرح ہوا ہے کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے حالات  
معلوم ہونے کے اور انکی اطاعت کا عہد و پیمان لیے جانے کے جسکا ذکر تمھاری کتابوں  
میں موجود ہے اور جسکو تم جانتے ہو پھر دوسرے دین کی آرزو کرنا اور علم کے بعد کسی بات کا  
انکار کرنا دشمنی کے خلاف ہے۔ اور پھر بیان ہوا کہ وَكَهْ اسْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ



انسان اقتضائے طبیعت کے لحاظ سے محبوب و مرغوب شکر کو دنیا میں اپنے پاس سے جدا کرنا نہیں چاہتا جب تک کہ آخرت کی خوبیوں کا اُسکو یقین نہ ہو جائے۔ اور جب ایسی چیزوں کو وہ دیتا ہو تو گویا سعادت اخروی کا مقرب ہو اور سعادت اخروی کا خیال اُس شخص کو ہوتا ہی جو خدا کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرے اور اوامر و نواہی کا پابند ہو یعنی جامع خصائل محمودہ ہو جب آیت نازل ہوئی تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مدینہ میں ایک دیوار میری ملکی جو حکوم میں بہت عزیز رکھتا ہوں کیا میں اُسکو خیرات کر دوں تو آپ نے فرمایا: بخی۔ یہ تو بٹے نفع کی چیز ہے اپنے قرابت داروں کو دیدو۔ تو ابوطالب نے کہا کہ آپ ہی تقسیم فرمادیجیے تو آپ نے اُنکے قرابت داروں میں اُس دیوار کو تقسیم فرمادیا۔ اسید طح ابن عمرؓ کے پاس ایک حسین لونڈی تھی جسکو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ نے اُسکو آزاد فرمادیا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیوں آپ نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ فضیلت صدقہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا افضل الصدقات ما تصدقت به وانت صحيحہ شیخ تامل العیش و تخشى الفقر لفظ انفاق کے معنی میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت میں انفاق کا لفظ جو واقع ہوا ہے اُس سے زکوٰۃ مقصود ہے۔ یعنی مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور حسن بصری کا یہ قول ہے کہ جو چیز اللہ کی خوشنودی کے لیے دی جائے وہ (بر) میں داخل ہے حتیٰ کہ ایک چٹھا راما نما تحبون میں جو لفظ من واقع ہوا ہے اُسکو بعض علما تبعض کے لیے خاص کرتے ہیں یعنی اگر خیرات دو تو مال سے کچھ دو کل مت دینا اور وہ اس آیت پر استدلال کرتے ہیں والذین

انکی گفتگو سماعت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کلا الفریقین برئ من دین ابراہیم علیہ السلام  
تو دونوں مذہب کے لوگوں نے کہا کہ آپ کے فیصلہ سے ہم راضی نہیں ہیں اور آپ کے دین کو  
قبول نہیں کرتے اسوقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی جس میں اس بات کی ہدایت ہوئی ہے کہ دین اسلام  
کی پابندی ضرور ہر حقیقت میں جب تک آدمی دین کا مطیع و متقا نہ ہو تا اس کے اخلاق  
بھی درست نہیں ہوتے۔ جب انسان میں احکام الہی کی فرمان برداری پیدا ہو جاتی ہے تو سمجھ لینا  
چاہیے کہ اُس کے اخلاق درست ہو گئے وہ تہذیب کے میدان میں قدم رکھ چکا۔ اطاعت میں  
مستعد ہو کر مصلح قوم و ملت کا دعویٰ کرنا محض بیہوش خیالی ہے۔ وَقَوْلُهُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى  
تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ترجمہ لوگو جب تک خدا کی راہ  
میں وہ چیزیں نہ خرچ کر گئے جو تمکو عزیز ہیں انکی (کے وجہ) کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے، اور کوئی ایسی  
چیز بھی خرچ کرو اور ادا نہ کر سکو جانتا ہے۔

اس آیت شریف کے ماقبل اس بات کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے کہ خیرات سے کافروں کو  
کوئی فائدہ نہیں ہے کہ وہ آخرت کے قائل نہیں ہیں چہ کہ مومنین آخرت کے معتقد ہیں اسلئے وہ  
خیرات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جبکہ خیرات سے آخرت کے فوائد وابستہ ہیں۔ تو اب اس آیت  
اُسکا طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ کس قسم کی چیز خدا کی خوشنودی کے لیے دینی چاہیے سوارشاد ہوا کہ  
جس چیز کو تم عزیز رکھتے ہو وہ خدا کے لیے دو۔ تو تمہیں ابراہار کا درجہ حاصل ہو گا۔ جسکی شان یہ ہے کہ  
إِنَّ الْبِرَّ لَکَفِّ نَعِيمٍ کیونکہ خیرات افضل طاعات ہے اور خیرات کی فضیلت اسوجہ سے مسلم ہے کہ

کے کناے (آگے) تھے پھر اُس نے تلو اُس سے بچا لیا اسطرح اسدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہوتا کہ تم راہ راست پر جاؤ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام (کرنے) کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور (آخرت میں) ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے۔

ان آیات میں بھی طاعت و خیرات کا حکم مندرج ہے۔ مگر اسکی ترتیب افعال انسانی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ کیونکہ انسان کا ہر فعل معلل بعلت ہوتا ہے یعنی بلا خوف و رغبت کے انسانی افعال کا صدور ہی نہیں ہوتا۔ چونکہ ضرر کا دفع کرنا جلب منفعت پر مقدم ہے۔ اسلئے خوف کا ذکر تحصیل منفعت سے پہلے ہوا ہے۔ پس اِنَّقُوا لِلّٰهِ حَقَّ تَقَاتِهٖ سے تحویف دلائی گئی ہے کہ ہمیشہ انسان عذاب الہی سے ڈرتا ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بچنے کی راہ یوں بتلائی گئی ہے کہ جل متین دین کو مضبوط پکڑے رہیں بیدینی کی راہ اختیار نہ کریں۔ اور اسی کے بعد اُس کام کا ذکر فرمایا گیا ہے جسکو انسان بطمع منفعت کرتا ہے۔ یعنی اَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ کیونکہ خدا کی نعمتوں کا یاد کرنا نعمتوں کی زیادتی کا باعث ہے۔ جس کام کے کرنے میں نفع کی امید ہوتی ہے تو انسان کو اُس کام کے کرنے کی رغبت ہوتی ہے اس بیان سے خوف ورجا کی معیار قائم ہوئی گئی ہے یعنی اگر کسی انسان میں سچی پرہیزگاری ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کے دل میں خدا کا خوف ہے جس سے وہ نہیات سے محفوظ رہے گا جو باعث نجات ہے علی ہذا ہر وقت خدا کی عنایتوں کو پیش نظر رکھنا تو از دیا و نعمت ہے۔ اور وَلَا تَمُوتُوا اَلَا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ سے اسلام پر قائم رہنے کی ہریت ہوئی ہے کہ اُس سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اگر انسان اسلام پر قائم رہے گا تو امید ہے کہ اسکی موت بھی

اِذَا اَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَفْتَرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا اَوْ بعضوں نے کہا  
 کہ حرف (من) بطریق بیان واقع ہوا ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ۔  
 سے وہ باتوں کا بیان کرنا مقصود ہے یعنی جو چیز تم خدا کی راہ میں دیتے ہو خدا اس کی کمی و زیادتی کی  
 مقدار کو جانتا ہے یا وجود اس کے اپنے فضل و کرم سے اس کی معقول جزا تم کو دیگا یا یہ کہ خدا اس بات  
 کو جانتا ہے کہ تم نے خالصاً وجہ اسد دیا ہے یا بطور ریا کے۔ اور یہی معنی ہو سکتا ہے کہ جو چیز تم نے دے کر  
 وہ فرسودہ ہے یا عمدہ۔ بہر حال حبیبی نیت و ایسی برکت <sup>اسلام میں</sup> ~~مستطاب~~ حیرات کا دینا جس سے  
 دوسرے حاجتمندوں کی دستگیری مقصود ہے عمدہ اخلاق و خصال انسانی میں درجہ حاصل ہے  
 قَوْلُهُ تَعَالٰی يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوْنُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ  
 وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا لِعِمَّتِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً  
 فَآلَفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا وَاَنْتُمْ عَلٰى شَفَا حَقَرٍ مِّنَ النَّارِ اِنْقَضَ عَنْكُمْ  
 مِّنْهَا كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ اُمَّةٌ  
 يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ  
 ترجمہ۔ مسلمانوں! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام ہی پر مڑنا اور سب  
 (دل کر) مضبوطی سے اسد کے دین کی رسی پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہو  
 اور اسد کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اسد نے تمہارے دلوں میں  
 الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے اور تم آگ کے گٹھے (یعنی دوزخ)

۱۔ اور جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں نہ بہت تنگی کریں بلکہ انکا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راس کا ہو ۱۲

وَكَلَّمُوا بَيْنَكُمْ وَهُوَ حَيُّ اللَّهُ الْمَتِينِ اور بعضوں نے دین اور طاعت کے معنی لیے ہیں اور بعض نے  
 جماعت کے اور پھر ارشاد ہوا (وَلَا تَفْرَقُوا) دینی معاملات میں اختلاف کو چھوڑو کہ یہ جاہلیت  
 کی رسم ہو کیونکہ عرب ایام جاہلیت میں بات بات پر ایسا لڑتے تھے کہ جس سے گھر کے گھر برباد ہو جاتے  
 تھے اسی مذموم عادت کے ترک کی تعلیم فرمائی گئی ہو روئے النبی صلعم انہ قال ستفتروا متی علی  
 نیف وسبعین فرقة الناجی منهم واحد والباقی فی النار فقیل ومنہم یا رسول اللہ  
 قال الجماعة وروی السواد الاعظم وروی ما انا علیہ واصحابی خدا کی نعمتیں دو قسم کی  
 ہیں نعمات دنیوی اور اخروی۔ نعمت دنیوی کا اظہار یوں ہوا کہ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءَ اَلْفَ بَیِّنٍ  
 وَاَسْلُوبِکُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا اسی بنیاد پر آیت مافی التفسیر کی شان نزول میں بعض  
 مفسرین نے لکھا ہو کہ قبیلہ بنی اوس و خزرج میں ایک یہودی نے ایسا فتنہ ڈال دیا تھا کہ گویہ دونوں  
 فریق ایک جدی تھے تاہم انہیں ایک سو بیس سال تک جنگ ہوتی رہی جب نور اسلام چمکا تو اس  
 فساد کی ظلمت رفع ہوئی اور پھر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور اتفاق کی نعمت انکو میسر ہوئی چنانچہ  
 اسی بات کا ایک اور آیت شریف میں بھی یوں ذکر فرمایا گیا ہو۔ لَوْ اَنْفَقْتُ مَآفِی الْاَرْضِ  
 جَمِیْعًا مَا اَلْفَتَ بَیْنَ قَوْمِیْہِمْ وَلَکِنَّ اللّٰہَ اَلَفَ بَیْنَهُمْ اصل یہ ہو کہ جن لوگوں کی نظر عالم اسباب  
 پر ہوئی ہو تو انہیں فیما بین جھگڑے اور فسادات لگے ہوئے رہتے ہیں۔ اور جسکی نظر خدا کی جانب ہوئی  
 ہو وہ ایسے بکھیر و ن سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بے ارادہ الہی کسی بات کا ظہور  
 نہیں ہوتا دنیا و مافیہا کو اسیر قبضۂ قدرت جانتے ہیں اسکے بعد یہ ارشاد ہوا وَکَسَتْہُمْ عَلٰی  
 لہ ترجمہ۔ اگر تم نے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں الفت پیدا کر سکتے مگر  
 وہ تو اس قدر ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی ۱۲

اسلام کی حالت میں واقع ہو جو سبب نجات ہو۔ وصف اسلام انسان میں پیدا ہونا بہت دشوار ہے  
 اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان ہونے کے لیے انسان کو کن کن شرائط کی پابندی لازم ہے اگر اسکا ذکر  
 شرح و بسط کے ساتھ کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائیگی یہاں صرف اس قدر لکھا جاتا ہے کہ  
 حدیث شریف میں وارد ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ ہے کہ جسکی  
 زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا جانے  
 دین میں کسی بار اپنے بھائیوں کی غیبت و کفایت ہوتی ہے۔ اور انکی تباہ و برباد کرنے کی فکر ہوتی ہے  
 اسکے بعد ارشاد ہوا ہے کہ وعتصموا بحبل اللہ جمیعاً یعنی جب تم پر ہیز گاری کے اندیشہ رکھو  
 کرو بات سے محفوظ ہو گئے تو دلائل آہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ کیونکہ یہی بات تمام نیک کاموں  
 کی جڑ ہے۔ تم جانتے ہو کہ اگر کسی مخدوش راہ میں چلنے کی ضرورت ہو تو سہاے کی حاجت  
 ہوتی ہے خدا کی راہ میں چلنا یعنی دین پر قائم رہنا بڑا مشکل کام ہے بڑے بڑوں کے پیر پھیل گئے  
 ہیں اس لیے خدا سے تعوانی کے دلائل و احکام کے رسن کو مضبوط پکڑے رہو تو اس دشوار راہ پر  
 چلنا آسان ہو جائے گا۔ ورنہ قدم قدم پر ٹھوکرین کھاؤ گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما  
 سے عہد کے منہ لیتے ہیں اور علی کرم اللہ وجہہ جمل سے قرآن شریف مراد لیتے ہیں برتسک اس  
 حدیث شریف کے عن علی رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اما انھا  
 سدا کون فتنۃ قیل فیما الخیر یخبرھا قال کتاب اللہ فیہ نبأ من قبلکم وخبیرن بعدکم

ان میں نرم اور دھیمہ نہ کہ ان کی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سننا ہے کہ اگاہ ہو جاؤ کہ غفر قیامت و فساد پر ہو گا میں عرض  
 کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچاؤ نہ دینی کو نہ پیر پر آئے فرمایا کہ قرآن مجید میں اگلی درجہ کی سب چیزیں مندرج ہیں اور موجودہ معاملات جو تم  
 لوگوں میں ہیں جو تم سے پہلے تھے میں اسکا احکام بھی اُس میں موجود ہیں اور وہ خدا سے تعالیٰ کی ایک مضبوط رستی ہے ۱۱

نصیحت کر دے کہ یہی فلاح آخرت کی علامت ہو اور لفظ من جو منکر میں واقع ہو وہ بیان کے لیے  
 ہو گیا آیت کے معنی یوں ہیں کُونُوا أُمَّةً دُعَاةٍ إِلَى الْخَيْرِ جیسا کہ بفجولے آیت کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ  
 أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ہدایت کرنا اگرچہ سب مسلمانوں  
 پر فرض ہو مگر یہ فرض کفایہ ہے کیونکہ ہر ایک مسلمان میں ایسی قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ دوسروں راہ را  
 پر لانے کی ہدایت کر سکے۔ اس حالت میں من بمعنی تبعیض ہو گا بہر حال اس آیت میں تین امور  
 کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی دعوت خیر۔ امر معروف۔ نہی منکر۔ دعوت خیر میں افضل تعلیم اثباتات باری اور  
 تنزیہ صفات الہی ہر اس صورت میں دعوت خیر بمنزلہ جنس کے ہے جسکے دو نوع امر معروف و نہی منکر  
 ہیں مگر مسلمین قوم کو خود ان امور سے آراستہ ہونا چاہیے چونکہ صلاح ذاتی صلاح غیر سے مقدم ہے  
 جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْهَوْنَ عَنْ الْمُنْكَرِ اَسْبَحْ لَوْ كُنْ  
 مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْعًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ مگر یہ مسئلہ اختلافیہ ہے بعضوں  
 نے فاسقین پر بھی امر بالمعروف کو واجب قرار دیا ہے بایں دلیل کہ فاسق کو بسط خود کو ممنوعات سے بچنا ضروری  
 و لیاہی دوسرے کو ممنوعات پہنچنے کی ہدایت کرنی بھی واجب اسیلے کہ اگر ایک جبکہ ترک ہو تو اس سے دوسرے  
 واجب کا ترک کرنا لازمی نہیں ہے جیسا کہ بعض بزرگان دین کا قول ہے کہ مَرُوا بِالْخَيْرِ اِنْ لَمْ تَفْعَلُوا  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من امر بالمعروف ونهى عن المنكر كان خليفه الله

۱۔ لوگوں کی ہمتی کے لیے جب قدر استیں پیدا ہوئیں ان میں تم مسلمان سب بہتر ہو کہ اچھے کام کرنا کہتے اور دوسرے کاموں سے منع کرتے ہو

۲۔ تم دوسرے لوگوں سے نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خیر نہیں لیتے ۱۲

۳۔ ایسی بات کیوں کہ بھیجی کرتے ہو جو تم کے نہیں دکھاتے یہ بات اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ اس کو سب کچھ اور کر دیکھ نہیں ۱۱

۴۔ نیک کاموں کی ہدایت کرو گو تم اس کے یا نہ ہو ۱۲

سَفَاحُصْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَانْقَضَتْ كُفْرُهُمْ أَتَىٰ سَآئِرَ آيَاتِ مِیْنِ نَعْمَتِ الْخُرُوجِ کا ذکر کیا گیا ہے کہ تم اپنے  
 کفر و طغیان کی وجہ سے جہنم کے قریب پہنچ چکے تھے مگر اسلام کی بدولت دوزخ سے نہ اپنے  
 تمہیں بچا دیا جس سے نجات آخرت کے مستحق بن گئے ہو۔ اگر ہماری ہدایت کو نہ مانتے اور ہمارا  
 پیغمبر کی اتباع نہ کرتے تو سعادت عقبیٰ سے محروم ہو جاتے حقیقت یہ ہے کہ احکام الہی کی اطاعت  
 دین و دنیا کے سب کاموں کو درست کر دیتی ہے۔ اور پھر کَذٰلِكَ بَيَّنَّ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ  
 لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ سے احسان عام کا ذکر ہوا ہے۔ تمام آیات قرآنی میں اسی قسم کی نعمتوں  
 کو مضمر رکھا گیا ہے اگر انسان خدا کے کلام میں غور و فکر کرے تو اس کے ہدایت و انعامات کا حال  
 معلوم ہو سکتا ہے وَلَنَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةً يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ سے اور ہدایتوں کا بہترین ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا  
 ہے۔ کیونکہ آیات زیر بیان کے قبل اہل کتاب کے دو عیب بیان کیے گئے ہیں ایک تو عیب  
 کفر جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ اور دوسرا عیب یہ کہ وہ دوسروں کو کفر  
 میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ  
 عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اور جب آیات زیر تفسیر میں مومنین کا ذکر شروع ہوا تو انکو ایمان و تقویٰ کی  
 ہدایت ہوئی اور پھر اس بات کی رغبت دلائی گئی کہ جس طرح تم راہ راست پر آگے ہو اسی طرح دوسروں  
 کو بھی امر خیر کی ہدایت اور اعمال نیک کی نعمت دلاتے رہو۔ اور اُن کے کاموں سے بچنے کی

۱۱ اہل کتاب اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو ۱۲

۱۳ (پے پیغمبر اے) کہو کہ اہل کتاب دیدہ و دانستہ اللہ کے راستہ میں ناحق کمی نکال نکال کر ایمان لانے والوں  
 کو اُس سے کیوں مدد دیتے ہو ۱۴



ہوئی جو جس سے خشوع و خضوع مراد ہو۔ کیونکہ عرب خشوع کو سجدے کے معنی میں استعمال کرتے  
 ہیں۔ جیسا کہ **وَاللّٰهُ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** میں سجدے سے خشوع مقصود ہے  
 اور چوتھی صفت خدا اور آخرت پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ کمال انسانی یہ ہے کہ خدا کو پچانے اور نیک عمل  
 کرے۔ فضل اعمال میں نماز۔ اور فضل اذکار میں ذکر اللہ۔ اور فضل معارف میں معرفت مبدا و معاد  
 داخل ہے۔ **يَمَانُ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** سے انھیں امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پانچویں  
 صفت امر معروف ہے۔ اور چھٹی نہی منکر۔ کیونکہ کمال قوت عملی و نظری یہی ہے کہ انسان دوسروں کے  
 اخلاق کے تکمیل کی کوشش کرے یعنی جو لوگ نقص اخلاق میں مبتلا ہیں انکو اچھے کاموں  
 کی ہدایت کرے اور بُرے کاموں سے منع۔ یہی امر اور نہی منکر ہے۔ اور ساتویں صفت کا ذکر  
**تَسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ** سے کیا گیا ہے۔ انسان کو اسوجہ سے نیک کاموں کی انجام دہی میں  
 سرعت کرنی چاہیے کہ موت کا وقت معین نہیں ہے اچھا کام جب قدر جلد ہو جائے بہتر ہے۔ آیت **ثَلَاثِ**  
**مِنْ سُرْعَتِ كَالْفِطْرِ** اس لحاظ سے واقع ہوا ہے کہ سرعت و عجلت میں فرق ہے عجلت مذموم ہے قال  
**عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالتَّأَنِّي مِنَ الرَّحْمٰنِ** سرعت کا تعلق اُن  
 افعال سے ہے جو جنکا جلد کرنا بہتر ہے۔ اور عجلت ایسے کاموں سے متعلق ہے جنہیں جلدی مناسب  
 نہیں ہے۔ اور آٹھویں صفت کا ذکر **وَلِذٰلِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** سے ہوا ہے صلاح حال انتہا اور  
 مومنین سے ہے۔ خداے تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اس صفت سے یاد فرمایا ہے جیسا کہ اسماعیل  
 اور یس۔ **ذِي الْكِفْلِ وَغَيْرِهِمْ** کی شان میں مذکور ہے **وَاَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا اَتَّخِذُوا مِن**

عبداللہ بن سلام مع چند لوگوں کے مسلمان ہو گئے تو اکابرین یہود اُن سے یہ کہنے لگے کہ تم کفر  
 و خسران میں مبتلا ہو گئے تو انکی اظہار فضیلت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض کا یہ قول ہے  
 کہ جب آیت ماقبل میں اہل کتاب کے صفات مرقومہ بالا کا ذکر ہوا۔ اس آیت میں اس امر کا ذکر ہوا ہے  
 کہ تمام اہل کتاب کی کیساں حالت نہیں ہے بلکہ انہیں ایسے لوگ بھی ہیں جو صفات حمیدہ سے آراستہ  
 ہیں ثوری کا یہ قول ہے کہ ایک قوم بامین مغرب و عشاء نماز میں مشغول رہتی تھی انکی شان میں  
 یہ آیت نازل ہوئی عطا کا یہ قول ہے کہ اہل بحران کے چالیس آدمی اور تیس حبشی اور تین رومی  
 جو پہلے عیسائی تھے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی انکی شان میں یہ آیت  
 نازل ہوئی اور بعض کا یہ قول ہے کہ اہل کتاب میں وہ تمام ادیان داخل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے  
 اپنی کتاب نازل کی جیسا کہ ارشاد ہوا ہُوَ تَقَرُّنَا الْكِتَابَ الَّذِي نَصْطَفِيَنَّ مِنْ عِبَادِنَا  
 اور اسی بات پر ابن مسعود کی ایک آیت ولالت کرتی ہے کہ ایک و زجناب رسالت صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے نماز عشاء میں کچھ تاخیر فرمائی۔ پھر آپ سجد میں تشریف لائے صحابہ منتظر نماز تھے تو آپ نے  
 فرمایا کہ دیکھو بجز تھائے اسوقت کوئی اور دین والے خدا کا ذکر نہیں کرتے اور پھر اس آیت  
 کو آپ نے پڑھا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کے صفات حمیدہ کا ذکر ہے کہ وہ بھی اہل کتاب  
 ہیں کیونکہ اوپر کُتِبَ لَهُمْ خَيْرٌ مِّنْهُ جَمْعٌ جو مذکور ہوا ہے یہاں اُسکی تفصیل آٹھ صفات حسنہ کے ساتھ بیان  
 ہوئی ہے۔ یعنی رات کے وقت نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا جس سے نماز تہجد مراد ہے۔  
 اس میں دو صفتیں شامل ہیں۔ نماز پڑھنا۔ اور تلاوت قرآن کرنا۔ اور تیسری صفت سجدہ کی بیان

۱۔ چھ بجے ایسے بندوں میں اُن لوگوں کو (اس کتاب کا وارث ٹھہرا جائے) جنہوں نے اہل سمجھ رکھنے کی خدمت کے لیے منتخب کیا ۱۲

اور پھر کافرون میں سے جو لوگ مشرک بہ ایمان ہوئے اُن کے صفاتِ حسنہ کا تذکرہ کیا گیا تو اُس کے ساتھ پھر وعید کفار کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ آیت قریظہ اور نصیر کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ روساے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقط مال کی محبت سے بغض و عداوت کھتے تھے جیسا کہ اس بات کی طرف لکھتے ہیں اِنَّا قَاتَيْنَا قَلِيلًا سے اشارہ فرمایا گیا ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ مشرکین قریش کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اہل بھی کثرت مال پر فخر و اذ کیا کرتا تھا جس کے لیے یہ آیتیں بھی نازل ہوئی ہیں یعنی وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَوْمٍ هُمْ اَحْسَنُ اِثْنًا وَرِبْعًا اور فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ اور بعض کہتے ہیں کہ ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی کہ اُس نے جنگِ براء و اُحد میں بہت مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کی وجہ سے مشرکوں کو دیا تھا اور صل تو یہ ہے کہ یہ آیت بلا تخصیص اُحد سے کافرون کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ عموماً اُن کا سرمایہ نازمال ہے اور یہ لوگ آنحضرت اور آپ کے متبعین پر افلاس کا دھبہ لگا کر کہا کرتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتے تو کبھی خدا اُن کو اس فقر و شدت کی حالت میں نہ رکھتا (معاذ اللہ) بہر کیف اس آیت میں مال و اولاد کا ذکر اس وجہ سے ہوا ہے کہ جمادات میں نافع ترین شے مال ہے اور حیوانات میں اولاد گران و دولون چیزوں سے کافرون کو کوئی نفع نہ پہونچے گا جب وہ ایسی مفید چیزوں سے آخرت میں

۱۔ اور ہماری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے معاوضہ میں تھوڑی قیمت (یعنی نیا وی فائے) حاصل کر دو ۱۲  
 ۲۔ حالانکہ ہم اپنے پہلے ہی جانتے تھے کہ ہاں کر چکے ہیں جنکے ساز و سامان اور (دانی) روداد (ظاہری ان سے) کہیں بھی ۱۲  
 ۳۔ تو اُس کو چاہیے کہ اپنے مہنشیوں کو (جنکے) پر کو داکرتا تھا اپنی مدد کے لیے) بلائے تاکہ ساتھ کے ساتھ ہم (بھی اپنے) جلا و فرشتوں کو (اسکی سزا دہی کے لیے) بلا لیں گے ۱۲

الصَّالِحِينَ اور سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی ہر <sup>۱۱</sup>وَاَدْخَلْنِي رَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ  
ان آٹھ صفات حسنہ کے ذکر کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ اس سے  
مقصود یہ ہے کہ جب یہود نے عبداللہ بن سلام کو ان کے ایمان لانے پر خسران میں مبتلا ہونے کا  
طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ مومنین کے تو اعلیٰ مدارج ہیں جبکہ اوپر ذکر ہوا ہے وہ تو فائز اور  
ہیں خسران میں کیوں مبتلا ہونے لگے تاکہ مسلمانوں کے دل میں کسی قسم کا ملال باقی نہ رہے اور  
نیز مسلمانوں کو بھی اس بات کی ہدایت ہوئی کہ نیک کاموں کے کرنے کے بعد جنہیں سے بعض کا  
ذکر اس آیت میں ہوا ہے اسکی جزا سے نا امید نہ ہوں کیونکہ افعال عباد کی سزا و جزا لازمی ہے جیسا کہ  
ارشاد ہوا ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ  
جب اعمال خیر کی جزا کا وعدہ فرمایا گیا پھر قال اللہ علیہم بالمتقين سے یہ بات ظاہر فرمائی گئی  
ہے کہ عدم ایصال ثواب عمل خیر یا توسو و نیان سے ہو گا یا عجز و بخل سے یہ سب امور سے  
باری تعالیٰ پاک ہے کیونکہ وہ تمام معلومات کا علیم ہے وہ کیسے نیک کام کو ضائع نہیں کرتا۔ اسکے بعد  
یہ حکم ہوا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُعْزِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ  
اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا حٰلِدُوْنَ جبکہ آیات ماقبل میں کافروں کے حالات اور ان کے  
عذاب کا اور نیز مومنین کے حالات اور ان کے ثوابوں کا ذکر بطور زجر و ترغیب وعد و وعید کے ہوا

۱۱ اور پہننے ان (سب) کو اپنی رحمت (کے سایہ) میں لیا اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ نیک بندے تھے ۱۲

۱۲ اور (آخر کار) تو مجھ کو اپنے کرم سے اپنے نیک بندوں میں (لیجا) داخل کرو ۱۳

۱۳ پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اس (نیکی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی (ہوگی)  
وہ اس (برائی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا ۱۴

گرم ہوا چلتی ہو تو وہ خراب ہو جاتے ہیں اگرچہ ایسی ہوا اون سے کھیتی کا خراب ہونا عام طور پر  
 مستبذ ذہن ہوا ہی خواہ مسلمان سے متعلق ہو یا کافروں سے مگر ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ سے کافروں  
 کی زراعت کا ذکر خاص طور پر مقصود ہے کیونکہ مسلمانوں کے نیک کاموں کی زراعت اگر بظاہر  
 تلف بھی ہو جائے تو نفس ایمان کے سبب سے آخرت میں معقول معاوضہ ملنے کی توقع ہو  
 بخلاف اسکے کفار گونیک کام کرین مگر اسکا فائدہ دینا اور آخرت دونوں میں مل نہیں سکتا  
 اور محض کفر کا نتیجہ ہر اور نیز ظلم کے مغنی وضع الشیء فی غیر موضعہ کی ہن اس لحاظ  
 سے بھی حالت کفر میں جو نیک کام کیے جائیں وہ ایسے سمجھے جائیں گے کہ گویا  
 بے وقت یا بنجر زمین میں کاشت کی گئی اور پھر جب اُس پر بولے گرم کا بھی چرکا لگا تو بد بجا اولیٰ  
 تباہ ہوگی۔ کیونکہ خدا کے احکام میں جو انتہائے مصالح عباد پر مبنی ہو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی  
 وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ کا مقصد یہ ہے کہ ایسے خیراتی کاموں کو مقبول کر کے  
 خدا نے کافروں پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے حالت کفر میں بے موقع ایسے کام کیے  
 جس سے وہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے باوجود اسلام کی خوبیوں سے واقف ہونے کی  
 ضلالت کفر میں مبتلا رہنا بڑے افسوس کے قابل ہے خدا تعالیٰ نے اپنی مربانی کے ظاہر  
 کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا اور کتب آسمانی کو نازل  
 فرمایا۔ پیغمبروں نے اپنی رسالت کی ذمہ داریوں کو نہایت احتیاط سے ادا فرمایا اور کتب سماوی  
 میں اچھی بُری باتوں کا صراحت سے ذکر کر دیا گیا پھر جب ان سب امور سے قطع نظر کر کے  
 اپنے عقل کے گھمنڈیا آبابی مذہبوں میں گرفتار رہیں مذہب اسلام کو کچھ چیز سمجھتے تھے جو ان کے

بہرہ و زہنون کے تو اور اشیاء سے منتفع ہونا معلوم۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہر مِمَّا امْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ  
يَا لَيْتِي تُقَرِّبُكَ عِنْدَنَا زُلْفٰی جب یہ کیفیت کافروں کی ہو تو پھر اسکا نتیجہ یوں بیان ہوا کہ یہ لوگ  
ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ لیکن یہاں اس بات کا خیال بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر کوئی کافر نیک  
کاموں میں مال خرچ کرے تو کیا اُس سے وہ منتفع ہوگا۔ اس شبہ کا رفع اس طرح فرمایا اَلَمْ تَرَ  
مَا يَصِفُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صَاعٌ مُّصَابٌ حَبَتْ فَوْفَ ظَلَمُوْا  
اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلِكَتْهُمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ کیونکہ اعمال خیر کا ثواب  
حاصل کرنے کے لیے دولت ایمان سے مشرف ہونا لازمی ہو کر فکری حالت میں جو نیکی کی جائے  
وہ مقبول نہیں ہر اس لیے کفر کو ریح ہلک سے مثال دی گئی ہو۔ یعنی اگر کسی کافر نے مسافر خانہ  
یا پل بنایا یا محتاج اور یتیم دیا یا بچہ کو کچھ دیا تو وہ خیال کرتا ہو کہ میں نے بہت ہی نیک کام کیا مگر  
یہ نیک کام ایک کھیت کے مانند ہو جسکو بولے سموم نے برباد کر دیا ہو۔ اور رسول غم و غصہ کے  
کچھ ہاتھ نہ آیا ہو یا ایسے کام کیے جو اُنکے خیال میں تو نیک ہیں مگر دراصل معاصی میں داخل ہیں  
جیسا کہ رسول کو ایذا دینا اور مسلمانوں کا قتل کرنا اور اُنکے ملکوں کے تباہ کرنے میں مال کا صرف  
کرنا چنانچہ ارشاد ہوا ہر اٰلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَصِفُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ  
فَيَصِفُوْنَهَا شَمًا تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً لِّفَصْحٍ کے معنی لغت میں بروشدید کے ہیں اور بعضوں  
نے سموم اور آگ کے بھی لیے ہیں بہر حال جب کھیتوں پر افراط سے بالا پڑتا ہو یا شدت سے  
۱۷ اور (لوگو) تمہارے مال اور تمہاری اولاد (جہاں سے یہاں کچھ) کچھ (ایسی) دقت (نہیں) رکھنے (کے) کھوکھار اور مقربان  
۱۸ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال (اس لیے) خرچ کرتے رہتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روک لیں سو (یوں)  
(تو) مال کو (اسی طرح) خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر آخر کار وہی مال اُن کے حق میں (موجب) حسرت ہوگا ۱۲

کرتے رہے مگر مفسرین نے وجہ اول کو ہی ترجیح دی ہے بہر حال کوئی فعل آپ کرنا چاہتے تھے جس سے آپ کو خدا تعالیٰ نے منع کر دیا۔ تو یہاں اس بات کا بھی احتمال ہوتا ہے کہ جب آپ کی شان یہ تھی کہ وَمَا يَنْطُوقُ عَنِ السَّهْوِ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اور نیز آپ مصوم تھے تو پھر وجہ منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی فعل سے منع کر دیا جانا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ممنوع ہر سے آپ کو اشتغال تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی نسبت فرمایا ہر لَيْلٍ أَشْرَكَ لَيْحًا طَبَقَ عَمَلُكَ حالانکہ ہرگز آپ نے کبھی شرک نہیں کیا تھا۔ اس منع کرنے سے صرف یہ مقصود ہے کہ جب کفائے بعض افعال سے آپ کو سخت رنج ہوا تو ممکن تھا کہ کوئی قول یا فعل خلاف شان آپ سرزد ہو جاتا تو خدا تعالیٰ نے آپ کی طہارت و عصمت کو محفوظ رکھنے کے لیے ان امور سے منع فرما دیا یا یوں سمجھا جائے کہ حضرت سے کوئی ایسی بات ہوئی جو ترک فضل کے حد تک پہنچتی تھی تو خدا تعالیٰ نے اختیار فضل کی ہدایت فرمائی جیسا کہ ارشاد ہوا ہر وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ اور سب قوی و جہتو ہے کہ جب جنگ احدین کا فوج سے طرح کی بے اعتدالیان ہوئیں اور قلبی تکلیف کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ نے لعنت کرنے کی اجازت اپنے پروردگار سے بمقتضا بشریت چاہی ہو مگر حکم ہوا کہ ایسا نہ کرنا کہ ہمیں معلوم ہے کہ بعض کفار تو بیکرین گے یا ان سے ایسی اولاد پیدا ہوگی جو انتہا درجہ کی متقی و پرہیزگار ہوگی ایسوں کو

۱۴ اور اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں (بلکہ یہ) قرآن جو پڑھ کر سناتے ہیں) وحی (آسمانی) ہے ۲

۱۵ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال باطل کر دیے جائیں گے ۱۲

۱۶ اور مسلمانو! دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور

اگر (لوگوں کی) ایذاؤں پر صبر کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے ۱۲

اور کیا ہو گا کہ خدا کا بیان کیا ہوا نیت جو ظاہر ہو جائے گا اور کافروں کو دست حسرت ملنا پڑے گا۔ پس  
 یہ سمجھنا چاہیے کہ دولت ایمان کے ساتھ نیک کاموں کا کرنا اخلاق کا جزو عظیم ہے اگر اسلام ہی  
 بیزاری ہو تو ساری تہذیب برائے نام ہے۔ قوله تعالى لَكِنَّكَ مِنَ الْآمِرِينَ  
 اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يَعَذِّبَهُمْ فَاتَّخِذُوا لِمُنْ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ  
 يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ترجمہ اے پیغمبر تمہارا تو کچھ  
 بھی اختیار نہیں چاہے خدا اُن پر رحم کرے یا اُن کی زیادتیوں پر نظر کر کے اُن کو سزا دے  
 اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب اللہ ہی کا ہے وہ جسکو چاہے معاف کرے  
 اور جسکو چاہے سزا دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت جنگ اُحہ کے وقت نازل ہوئی اور اُس روز کافروں نے دندان مبارک  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچایا۔ تو آپ نے فرمایا کَیْفَ یَفْلَحُ قَوْمٌ خَضِبُوا وَجْهَ  
 نَبِیِّہِم بِالْاَدْمِ وَھُوَ یَدْعُوھُمْ اِلٰی دِھْمٍ اور آپ نے بد دعا کا قصد فرمایا اور سالم بن عبد اللہ  
 سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان - حرث بن ہشام - صفوان بن  
 امیہ پر لعنت کی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ جناب رسالتؐ نے  
 چند چیدہ اصحاب کو ساکنین بیرمعونہ کے پاس قرآن مجید کی تعلیم کے لیے روانہ فرمایا تو عام  
 بن طفیل نے ایک فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور بعضوں کو گرفتار کر لیا اور بعضوں کو قتل  
 کر ڈالا جس سے آپ کو انتہادرجہ کا رنج ہوا۔ چالیس روز تک ان کفار کے حق میں آپ دعا

۱۵ وہ قوم کیسے اہلست پر ادگی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو نگینہ کو دیا ہوا رنخا لیکہ وہ انکے پروردگار کی طرف سہانی کرتا ہو ۱۲



مَنْ يَشَاءُ سے شان حکومت و ارادہ الہی کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی اگر خدا کی مرضی ہو تو سب کفار جنت میں داخل ہو جائیں گے اور مقربین و صدیقین دونوں میں یہ بہت نازک مسئلہ ہے اصل یہ ہے کہ افعال عباد پر ارادہ الہی مقدم ہو تو ایسی حالت میں طاعت و معصیت کا ظہور بھی اسی کے ارادہ سے وابستہ ہے۔ کوئی طاعت بنفسہ مستوجب ثواب نہیں ہے اور نہ کوئی معصیت باعث عذاب۔ سب خدا کی مرضی پر موقوف ہے جسکی یہ شان ہے کہ یَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ اور پھر واللہ غفور رحیم سے اس بات کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ سب کچھ ہمارے اختیاری افعال ہیں مگر میزان افعال میں رحمت و مغفرت کا پلہ بھاری ہے و جو بانہیں بلکہ ازراہ فضل و احسان دیکھو جب خود آنحضرت کو اس قسم کی ہدایت ہوئی ہے کہ اگر مخالفین کی طرف سے کیسی ہی تکلیف و ایذا پہنچے اس پر صبر کریں اور اُن کے حق میں کوئی برا خیال نہ کیا جائے، تو اس سے تہذیب اخلاق پر کیسا گہرا اثر پڑتا ہے جو لوگ عارضی حکومت پر اترتے ہیں اور طرح طرح کی سختیاں اپنے ماتحت رعایا پر روا رکھتے ہیں وہ ان احکام کو بغور دیکھیں اور نیک اخلاق سیکھیں تو یقین ہے کہ وہ اپنی دولت و حکومت سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکیں گے اسی واسطے آنحضرت صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَذْبَنِي رَبِّي فَاحْسِنْ تَادِيْبِي۔

قوله تعالى وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ وَالَّذِينَ إِذَا تَعَلَّوْا فَاخْشَعُوا

ادب کھلایا مجھ کو میرے پروردگار نے اور اچھا ادب کھلایا ۱۲

دنیا میں کچھ مہلت دینی چاہیے اور یہ فعل تمہاری شان کے بھی خلاف ہے ہر حال لکھتے  
 مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ سے آنحضرت کو اس بات کی ہدایت ہوئی ہے کہ جو واقعہ اُحد کا پیش آیا گو وہ آپ کے  
 کمزورہ طبع ہو مگر اسکے مصباح کو تم نہیں جانتے۔ یا مطلقاً مصباح عباد کا علم کمزور نہیں دیا گیا ہے صرف  
 انھیں باتوں کو جان سکتے ہو جو بذریعہ وحی معلوم کرائے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بلا ہمارے حکم  
 اور اذن کے کوئی کام نہ کرنا کیونکہ درجہ عبودیت میں اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہے۔ اویس  
 علیہم سے تخلیق توبہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے توبہ سے مراد مذمت ہے جب انسان میں گذشتہ  
 افعال سے مذمت پیدا ہوئی ہے اور یہ قصد ہوتا ہے کہ آئندہ پھر ان افعال قبیحہ کا ارتکاب نہ ہوگا تو وہی  
 توبہ ہو مگر ایسا ارادہ اور کراہت کا دل میں پیدا ہونا منجانب اللہ ہے۔ کیونکہ افعال عباد پر ارادہ  
 عباد مقدم نہیں ہے بلکہ ارادۃ اللہ مقدم ہے اگر ارادہ عباد مقدم ہو تو اس ارادہ کے لیے ایک دوسرے  
 ارادہ کے تقدم کی ضرورت لاحق ہوگی جو باعث تسلسل ہے اور تسلسل محال ہے۔ اس لیے اس آیت  
 میں خدا تعالیٰ نے کسی کی خطا کو معاف کرنا یا نہ کرنا اپنی ذات سے متعلق فرمایا ہے فافهم ظالمون  
 کے الفاظ حسن تعذیب کے طور پر واقع ہوئے ہیں یعنی اگر کفار مستوجب عذاب ہیں تو اس جو  
 سے کہ وہ ظالم ہیں۔ یعنی شرک کے ظلم میں مبتلا ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا هِيَ اِنَّ الشِّرْكَ  
 لَظُلْمٌ عَظِيمٌ اس کے بعد وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو ذکر فرمایا گیا ہے  
 گویا لیس الٰہ من الٰہوں کی وضاحت ہے یعنی مطلق حکم اسی خدا کو سزاوار ہے جو آسمانوں  
 اور زمین کا مالک ہے اس کے سوا کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے یغفر لمن یشاء ویعذب



اَوْظَلُّواْ اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاَسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّعْفِرِ اللّٰهُ ذُنُوْبَهُ لَآ إِلٰهَ  
وَاَكْمِصْهُ نَوْآءًا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ  
وَجَنَّتِ النَّجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا لَآ تَهَارُ خَالِدٰتِن فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ

ترجمہ اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکوسکا پھیلاؤ (تا بڑا ہی) جیسے زمین  
و آسمان (کا پھیلاؤ۔ سچی سجائی) ان پر میزگاروں کے لیے تیار ہی جو خوش حالی اور تنگ دستی  
(دونوں حالتوں) میں (خدا کے نام) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو وکتے ہیں اور لوگوں (کے  
قصور و) سے درگزر کرتے ہیں اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے والوں کو اسد دوست رکھتا ہے  
اور (ان پر میزگاروں میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ) جب کوئی بیجائی کا کام کر بیٹھتے ہیں یا کوئی  
اور بیجا بات کر کے (اپنا دینے اپنے دین کا کچھ نقصان کر لیتے ہیں تو خدا کو یاد کر کے اپنے گناہوں  
کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا (بندوں کے) گناہوں کا معاف کرنے والا اور ہی  
کون۔ اور کوئی بیجا بات کر بھی بیٹھتے ہیں تو دیدہ و دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے۔ یہی لوگ  
ہیں جس کا بدلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے۔ اور (مغفرت کے علاوہ) بہشت کے باغ جن کے  
تے نہیں پڑی بہر ہی ہوگی کہ وہ انہیں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں  
کے بھی کیسے کچھ اجر ہیں۔ اچھے کاموں کا کرنا اور منہیات سے احتراز کرنا باعث مغفرت ہے  
ابن عباس فرماتے ہیں کہ سار عوالمی مغفرت من ربکم میں مغفرت سے اسلام مراد ہے کیونکہ  
آیت شریف میں مغفرت کا لفظ بطور نکرہ کے واقع ہوا ہے جس سے مغفرت عظیمہ یا عامہ مقصود  
ہے جو اسلام ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت علی کرم اسد وجہ فرماتے ہیں کہ مغفرت مقصود

عَلَىٰ أَنْفَازِهِ مَلَأَ اللَّهُ قَلْبَهُ اٰمَنًا وَاٰمِنًا اَوْ رِيزَ وَاَلْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ سَيِّئَاتِهِمْ  
 كے صفات بیان ہوئے ہیں قفال رحمہ اللہ نے اس آیت کی تاویل یوں کی ہو کہ ہر گاہ مشرکین  
 سو و خوار کی عادی تھے تو خداے تعالیٰ نے مومنین کو سو و کے عفو کرنے کا حکم فرمایا اور  
 وہ اس آیت پر استدلال کرتے ہیں جو بعد ذکر رب و دین کے قرآن مجید میں وارد ہو و ان کان  
 ذُو عُسْرَةٍ فَنُظِرْهُ اِلٰی مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اَوْ رِيْبٌ يَّحْيٰی مُمْكِنٌ ہر گاہ جنگ اُحد میں  
 جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مثلاً کیے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے  
 شدت غضب میں یک لہ صا د ہوا تھا لامثلہ یہ تھی تو آیت مافی البیان سے حکم عفو اور روزگار کا  
 ہوا۔ عیسیٰ بن مریم صلوٰۃ اللہ علیہ سے روایت ہو کہ لیس الاحسان ان تحسن الی من الیہ  
 لان ذلک مکافاة انما الاحسان ان تحسن الی من اساء الیہ اسے شمنون کو  
 اس شعر میں ادا کیا گیا ہو شعر بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء  
 اور واللہ بحب المحسنین سے ہر ایک قسم کا احسان نیکی میں شمار کیا گیا ہو کیونکہ غیر کے ساتھ  
 احسان دو طریق سے ہوا کرتا ہو یا نفع پہونچانے سے یا دفع ضرر سے غربا کے ساتھ مراعات  
 کرنا۔ جہلا کی تعلیم۔ مگر انہوں کا راہ راست پر لانا یہ سب ایصال نفع میں داخل ہیں خطا سے  
 درگزر کرنا۔ اور مطالبات اخروی سے صرف نظر کرنا دفع ضرر میں داخل ہو کہ کیفیت جبکہ اسباب کا

۱۵ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے غصے کو دباۓ اے اور حالانکہ وہ اسکو جاری کر سکتا ہو تو بھڑکیا

خدا تعالیٰ اُسکے دل میں امن اور ایمان کو ۱۲

۱۶ اور کوئی تنگ دست (تھکا ر مفروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت (دو) اور اگر سمجھو تو تمھارے حق میں یہ زیادہ

بہتر ہو کہ اسکو اصل قرضہ بھی بخش دے ۱۳

اور تحت عرش ہو قال علیہ السلام فی صفۃ الفردوس سقفہا عرش الرحمن ہر قتل کے  
ایچی نے آنحضرت سے سوال کیا کہ جب آپ ایسی جنت کی طرف دعوت کرتے ہیں کہ جس کا عرض سموات  
وارض کے مساوی ہو تو پھر دوزخ کہاں ہو تو آپ نے فرمایا سبحان الذی فاین الدلیل اذا جاء  
التمہاسر یعنی جب دن کل آتا ہو تو شب کہاں جاتی ہو اس پر خیال کر لو اور بعضوں نے لکھا کہ  
کہ جنت تو آسمانوں کے اوپر ہوگی اور دوزخ زمین کے نیچے اعدت للمتقین سے جنت کی  
خوبیاں پر ہیزگاروں کے لیے مخصوص کی گئی ہیں جس کا ذکر اوپر بسط کے ساتھ ہو چکا ہے اور یہاں  
بھی کچھ متقیوں کے صفات کا ذکر الذین ینفقون فی السراء والضراء وغیرہ سے کیا گیا ہے  
تاکہ معلوم ہو جائے کہ متقیوں کے ایسے صفات ہوتے ہیں اور جب تک ایسے صفات ہوتے ہیں  
انہیں کے لیے جنت بہر حال متقی وہ ہیں کہ جو خوشحالی اور تنگ دستی میں خدا کی راہ میں خرچ  
کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ انہوں نے حالت عسرت میں صرف ایک پیاز خدا کی  
خوشنودی کے لیے دی تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انگور صدقہ دیا تھا خدا کی  
راہ میں مال کا دنیا اشرف عبادات میں داخل ہے کیونکہ خدا کی راہ میں مال کا دنیا انسان کے نفس  
پر بہت گران گزرتا ہے۔ اس لیے سراء و ضراء کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خواہ انسان خوشی ہو  
یا ناخوشی سے وہ سب طاعت میں داخل ہے۔ اسکے بعد متقیوں کا وصف والکاظمین  
الغیظ سے کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ غصہ کا روکنا اور لوگوں کے قصوب سے درگزر کرنا صبر و حلم میں  
داخل ہے جس کے سجد فوائد میں قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کظم غیظا وہو یقدر

۱۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فردوس کی تعریف میں فرمایا کہ کسی جھپٹ عرش رحمن ہے ۱۲

تذکرہ و افادہ مبصرون اور بعض کہتے ہیں کہ ذکر و اللہ سے خدا کی تعظیم و تہنات ہر  
 کیونکہ جب خدا سے کسی چیز کے سوال کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے اس کی ثنا و تعظیم لازمی ہے۔ پس  
 جبکہ استغفار ذنوب کی ضرورت تھی تو ذکر و اللہ سے تقدیم ثنا کی تعلیم ہوئی۔ اور پھر گناہوں سے  
 بخشش چاہنے کی ہدایت۔ استغفار ذنوب کے معنی توبہ کے ہیں توبہ سے مراد گزشتہ گناہوں سے  
 ندامت اختیار کرنا اور آئندہ گناہ کا ترک کرنا ہے اگر صرف زبانی استغفار ہو تو وہ بے اثر ہے۔ وَمَنْ  
 يَغْمِزْ لَذَنْوَبِ الْاَلَلّٰہِ سے یہ مقصود ہے کہ بندہ کو سوائے خدا کے دوسروں سے مغفرت  
 طلب کرنا منع ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت میں بندہ پر جو کچھ عذاب ہوتا ہے وہ خدا ہی کی طرف سے  
 ہے۔ وہی اُس عذاب کو معاف کر سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوا وَلَمْ يَصِرْ اَعْلٰی مَا فَعَلُوا لِيَغْنٰی لَنَا ہُنَا  
 کے نتائج سے واقف ہو کر پرہیزگار لوگ پھر قبیح افعال پر اصرار نہیں کرتے جب سطح ان کے  
 کردار کی درستی ہو جاتی ہے۔ تو وہ اُولٰٓئِکَ جَزَاؤُہُمْ مَغْفِرَۃٌ مِّنْ دِبْہِہُمْ کے مستحق ہو جاتے  
 ہیں خدا کی مغفرت اُنکو گھیر لیتی ہے اور پھر خدا کے فضل سے جناتِ تجرّیٰ مِّنْ تَحْتِہَا الْاَنْہَارُ  
 کی عنایت ہوتی ہے اور آخر میں وَنَعْمَ اَجْرَ الْعَامِلِیْنَ سے اچھے کاموں کا عمدہ نتیجہ ظاہر کر دیا گیا  
 ہے۔ اس آیت شریف میں گناہوں سے پناہ مانگنے اور حالتِ تو انگری و تنگ دستی میں خدا کی  
 راہ میں خرچ کرنے۔ غصہ کو روکنے اور لوگوں کے خطیات سے درگزر کرنے کی کیسی عمدہ تعلیم ہوئی  
 ہو کیا اس سے بہتر اخلاقی تعلیم ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ ہر لفظ اور جملہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بَطْفِلُ  
 حضرت سرور کائنات علیہ فضل التحیۃ والصلوٰۃ خزانہ قدرت میں جو اخلاق کے بہترین جواہر تھے  
 وہ سب اس امت مرحومہ کو عنایت فرمائے گئے ہیں خداے تعالیٰ سلیمان کو اسکے پاک کلام کے

بیان ہوا کہ جنت متقیوں کے لیے مہیا اور تیار ہے تو ہر متقیوں کے اقسام کی طرح کی بھی ضرورت ہے  
 متقیوں کی دو قسم ہیں ایک تو وہ جو عبادات و طاعات کے راغب ہوئے ہیں خوشحالی اور نیکو سستی  
 میں خدا کے نام خرچ کرتے ہیں غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے خطیات سے درگزر کرتے  
 ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو گناہ کرنے کے بعد تائب ہو جاتے ہیں جبکا ذکر اس طرح ہوا ہے۔ و  
 الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ  
 وَمَنْ يَغْفِرُ اللَّهُ ذُنُوبَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَوْتَقْسِيْمًا مَّتَقِيُوْنَ كے دو درجہ بتلائے گئے ہیں مگر جب گناہ  
 کے بعد انسان توبہ کرتا ہے تو کمین کا ذنب لہ کا مصداق ہو جاتا ہے اور حصول شرف و منزلت  
 میں خدا کے پاس مثل درجہ اول کے متقیوں کے ہو جاتا ہے۔ اور علاوہ اس کے آیت اولیٰ تین  
 اشارہ الی الغیر کی تعلیم ہوئی ہے اور اس آیت میں اشارہ علی النفس کی۔ کیونکہ گناہ کا جب توبہ کرتا ہے تو گویا  
 وہ اپنے نفس پر احسان کرتا ہے۔ عطا سے منقول ہے کہ یہ آیت ابو سعید نہان التمار کی شان میں  
 نازل ہوئی انکے پاس ایک حسین عورت خرمے خریدنے آئی تھی نہان نے اُس سے کہا کہ یہ  
 خرمے اچھے نہیں ہیں۔ گھر میں اس سے بہتر خرمے ہیں وہاں چل جب وہ اُنکے ساتھ گھر گئی تو  
 اُسکو کھینچ کر گلے لگایا اور بوسہ دیا تو بے گناہ تھا کہ خدا سے ڈرنا چاہیے پھر اُس نے اُس عورت کو  
 چھوڑ دیا۔ اور بشیام ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور اپنی کیفیت عرض  
 کی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال تذکرہ الہی کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان سے گناہ سرزد ہو  
 تو خدا کے عذاب و عقاب کا فوراً خیال کرے اور اُسکی عزت و جلال سے ڈرے کہ وہ باعث  
 استغفار ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ



کائن الی یوم القیامۃ خدا کو تمام حوادث عالم کا علم ہونا لازمی ہو کر نہ جہل لازم آئے گا  
 تعالیٰ شانہ عن ذلک ومن یرد ثواب الدنیا الی آخرہ کا ذکر اسوجہ سے کیا گیا ہے کہ جناب  
 میں دو قسم کے لوگ شریک تھے بعض تو دنیوی نام و نمود اور غنیمت حاصل کرنے کی نیت سے اور بعض  
 بیزلے اخروی کے خیال سے۔ چونکہ آل اعمال وابستہ نیت ہو سکی صراحت اس آیت شریف  
 میں کی گئی ہو۔ اگرچہ اس آیت کا نزول جہاد سے متعلق ہے مگر مفہوم عام ہے اور ہر عمل کا نتیجہ نیت سے  
 تعلق رکھتا ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے روئے ابو ہریرۃ عنہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ  
 یقول یوم القیامۃ لقاتل فی سبیل اللہ فی ماذا قتلت فیقول العبد امرت بالجهاد  
 فی سبیلک فقاتلت حتی قتلت فیقول تعالیٰ کذبت بل اردت ان یقال  
 فلان محارب ثمان اللہ تعالیٰ یا مریبھہ الی النار پس شیت آئی کو پیش نظر  
 رکھنا اور ہر کام کو نیک نیتی کے ساتھ انجام دینا اسلامی اخلاق کا جزو اعظم ہے۔

قوله تعالیٰ فیماد حکمۃ من اللہ لئن لھم ولو کنت فظاً علیظ القلب لا انقضوا  
 من حولک فاعف عنہم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل  
 علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین ترجمہ ہے بغیر یہ بھی بڑا ہی فضل ہوا کہ تم انکو نرم  
 (مردار) ملے ہو اور اگر رکھیں خدا بخو استہ تم مزاج کے اکھڑا دو، سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص سے  
 جو خدا کی اہمیت مقتول ہوا ہے پوچھے گا کہ تو کس میں قتل ہوا وہ کہے گا کہ تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تو میں نے جہاد کیا مگر قتل ہوا  
 تو خدا تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو چھوٹا ہی بلکہ تیری نیت (اس جہاد سے) یہ تھی کہ یہ کہا جائے (اور مشہور ہو کہ فلان شخص بڑا بہادر ہے  
 پھر اللہ تعالیٰ اسکو جہنم میں ڈالنے کا حکم دے گا ۱۲

دیکھنے اور اسکو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ مَوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهَا وَسَخَّرْنَا لَشَاقِيقِهَا ثَوَابَ الْآخِرَةِ وَثَوَابَ الدُّنْيَا مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ يَعْلَمُ غُيُوبُ النَّاسِ

شخص بے حکم خدام نہیں سکتا ہر ایک کی موت کا وقت مقرر لکھا ہوا (موجود) ہے اور جو شخص دنیا میں (اپنے لیے) کا بدلہ چاہتا ہے ہم اس کا بدلہ ہمیں دیدیتے ہیں اور جو آخرت میں بدلہ چاہتا ہے ہم اُسکو وہیں دین گے اور جو لوگ اسلام کی نعمت کا شکر کرتے ہیں ہم اُن کو عنقریب جزائے (خیر) دین گے۔

مسلمانوں میں تشویش پیدا کرنے کے خیال سے جنگ اُحد میں منافقوں نے یہ خبر اُڑا دی تھی کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو اس بل شائن اسکی تردید فرماتا ہوا کہ اسکی موت بغیر ہمارے حکم کے واقع نہیں ہوتی۔ ہر ایک بات کے لیے وقت معین ہے اس قسم کی خبر کے منتشر کرنے سے ان نادانوں کا منشا یہ تھا کہ جنھوں نے دین اسلام کو قبول کیا ہے وہ پھر اپنا اپنا مذہب اختیار کر لیں مگر وہ اس بات سے غافل تھے کہ خدا جس دین کی اُمت چاہتا ہے وہ کسی کی موت سے رک نہیں سکتا۔ اب تک اسلام کا بقا اس کلام پاک کی بین شہادت ہے اور یوں ہی تاقیام قیامت قائم رہیگا۔ اذن بمعنی علم ہے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضا و قدر اسی قرار دیا ہے کیونکہ کسی شر کا وقوع بدون مشیت الہی ہو نہیں سکتا کذابا مؤجلا سے لوح محفوظ مراد ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اِنَّہ تعالیٰ قَالَ لِلْقَلَمِ اَنْتَ فَكُتِبَ بِہَا

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ لکھ پس جو کچھ قیامت تک ہونے والے واقعات تھے اُن سب کو قلم نے لکھ دیا

المصائب کیونکہ حوادث ارضیہ کا وقوع اسباب المیہ سے متعلق ہے۔ جب اسباب کا اذعان ہو جاتا ہے تو انسان کے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے ایسی حالت میں نہ مجبوبات کا حصول باعث نہیں ہوتا ہے اور نہ مطلوبات کا فوت سبب جزع و فزع۔ بلکہ وہ حسن اخلاق کا معدن بن جاتا ہے اور سب مخلوقات کے ساتھ اُسکی معاشرت نیک ہو جاتی ہے چونکہ آنحضرت اکمل البشر تھے تو آپ کا حسن خلق بھی اُسی درجہ کا تھا۔ اور جب مفہوم آیت پر خوب غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمت الہی کی تاثیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحیم علی الامۃ بنا دیا تھا کیونکہ بحرِ خدا کے ارادہ کے انسان کے دل میں رحم و کرم کا خیال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور نیز یتجہ رحم یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی سلوک کیا جائے یا کسی کو آفات سے بچایا جائے لیکن جسکے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے جتنا تک وہ صحت و عافیت سے نہ ہے ایسے احسانات سے منتفع نہیں ہو سکتا اور انسان کو صحت و عافیت رکھنا خدا کے اختیار میں ہے تو اس تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ ہر طرح کی رحیمی سے مستفید ہونا خدا کا رکھنا ہے اور احسان پر موقوف ہے کہ وہی حقیقی رحیم ہے۔ قال علیہ السلام الراحمون یرحمہم الرحمن اور خدا تعالیٰ اپنے رسول مقبول کے وصف میں فرماتا ہے یا مؤمنین رؤف رحیم اسکے بعد یہ ارشاد ہوا کہ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانقضوا من حولک جس سے خدا تعالیٰ کی کمال مہربانی آنحضرت پر ثابت ہوتی ہے کہ اُس نے بد خلقی اور سخت مزاجی کی بُرائیوں کو آپ پر ظاہر فرما دیا۔ کیونکہ آپ کی بعثت سے تبلیغ رسالت مقصود تھی۔ اور اس مقصود کی تکمیل اُسی حالت میں ممکن تھی کہ مخلوقات کے قلوب آپ کی طرف مائل ہوں ایسے آپ کا رحیم ہونا اور بد خلقی سے محفوظ رہنا لازمی تھا۔ اسکے بعد میں باتوں کا حکم ہوا فاعف عنہم واستغفر لہم و شماورہم

رکھی کے، تمھارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے تو تم (اپنی جلی عادت کیون چھوڑو جنگ احد کے معاملہ میں بھی) ان کے قصور معاف کرو اور (خدا سے بھی) ان کے گناہوں کی مغفرت چاہو اور معاملہ (صلح و جنگ) میں (بدستور سابق) ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو پھر مشورہ کے بعد تمھارے (میں ایک بات ٹھن جائے تو بے تامل اس کو کر گذرو مگر بھروسہ خدا ہی پر رکھنا جو لوگ (خدا پر) بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو دوست رکھتا ہے۔

جنگ احد میں کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو گئے تھے جب پھر وہ لوٹ آئے تو آپ نے ان کے ساتھ درشتی کا برتاؤ نہیں کیا بلکہ نرمی سے پیش آئے بیساکہ ارشاد باری ہے  
واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين یہ آپ کا حسن خلق تھا۔ اور خود آپ نے فرمایا ہے لا حلال احب الی اللہ تعالیٰ من حلال امام ورفقة ولا جھل بغض الی اللہ من جھل امام وخرقه چونکہ آپ پیشوئے قوم تھے آپ کا حلیم اور نیک خلق ہونا لازمی تھا حسن خلق میں حال قائل و فاعل کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ حال قائل کا اعتبار اسوجہ سے کہ جو اسے نفوس کی ماہیت کیسا نہیں ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الناس معادن لمعادن الذهب والفضة انسان کا رجحان حبط کمال کے جانب ہوتا ہے اسی طرح نقصان کی طرف بھی ہوتا ہے

آدمی زادہ طرہ رفیع معجون ست      کز فرشتہ سرشتہ وز حیوان  
گر گنہ میل این شود بہ ازین      و گنہ غیبش شود بہ از ان

اور حال فاعل کا اعتبار اس لحاظ سے کہ من عرف سر اللہ فی القدر دھانت علیہ

اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا تھا اور سب کی رائے تھی کہ مخالفین سے جنگ کیجائے جب اس رائے کے موافق عمل کیا گیا تو یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض لوگوں نے حضرت کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پس اگر سب کے بعد مشورت ترک کر دی جاتی تو ضرور مسلمانوں کے دلیں ریبات ہجانی کہ پہلی مشورت کا انجام اچھا نہونے سے حضرت ہم سے مشورت کو ترک فرمادیا شاید آپ کے دل میں اُس واقعہ کا کچھ غبار باقی ہو۔ اور نیز مشورت سے ہر ایک کی اصابت و خفت رائے اور محبت کا نمانہ بھی ہو سکتا ہے جس سے ضلّ مفسول کے ساتھ آئندہ عمدہ طور سے برتاؤ کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اور نیز یہ علو کی بات ہو کہ بادشاہوں کا مشورہ اپنے خاص خاص مقررین سے ہوا کرتا ہے۔ جب واقعہ حدین بھی ایسا ہوا اور پھر بعض لوگوں نے غلطی کی اور پیغمبر صاحب کا ساتھ چھوڑ کر محطی بن گئے گواہی خطا معاف کر دی گئی لیکن پھر بھی اس بات کا خلیان اُن کے قلوب میں باقی رہ سکتا تھا کہ گویا تو معاف کر دی گئی ہو مگر آئندہ ہماری وہ قدر و منزلت باقی نہیں رہی۔ ان سب امور کے سوا اور کچھ دوسرے کرنے کی بھی ہدایت ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو ہر کام میں خدا کے طرف توجہ کرنے کی ترغیب ہو کہ بدون تائید الہی کے محض اسباب ظاہری سے کوئی کام نہیں نکل سکتا کافی اہمیت وہی ذات پاک ہے۔ اس آیت شریف میں اِنسانے جنس کے ساتھ لئنت و نرمی کا برتاؤ کرنے اور انکی خطیات سے درگزر کرنے۔ اور ان کے لیے نیک دعا کرنے۔ اور مشورت باہمی ضروری کاموں کو انجام دینے کی جس عمدگی کے ساتھ ہدایت ہوئی ہے وہ ظاہر ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اللہ صغی و الامام من اللہ کو نہ بھولیں ہر قسم کی کوشش کریں لیکن نتیجہ کو من جانب اللہ ہی سمجھنا چاہیے اگر خدا کی طرف سے بے پروائی ہوئی تو پھر سب کچھ ہیچ ہے اخلاقی تعلیم کے یہ ایسے اصول ہیں کہ

فی الامر یعنی عفو۔ استغفار۔ اور مشاورت کا۔ عفو کا حکم اس لیے ہوا کہ کمال انسانی یہ ہو کہ وہ مخلوق  
 باخلاق اسد ہو جائے چونکہ آیت مقدم میں لمغفرة من الله ورحمة سے اپنے عفو و درگزر کی  
 کا ذکر فرمایا تھا تو ساتھ ہی انحصرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگزر کی تعلیم فرمائی گئی تاکہ  
 آپ کو فضیلت اخلاق الہی حاصل ہو جائے اور استغفار کا حکم اس لیے ہوا کہ جنگ سے منہ پھیرنا  
 گناہ کبیرہ میں داخل ہے اور اس آیت میں انھیں لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے جنگ حدین  
 جناب رسالتاً سے کنارہ کشی اختیار کی تھی چونکہ وہ اپنے اس فعل سے گناہ کبیرہ  
 میں مبتلا ہو گئے تھے تو حسدِ ایتعالیٰ نے بھی اپنے کمال رحم سے ان کو بخشد یا جیسا  
 کہ اس آیت کے ماقبل ذکر ہوا کہ لقد عفا الله عنهم اور پیغمبر صاحب کو بھی حکم ہوا اسے غفرلہم  
 یہ کمال رحمت الہی ہے جیسا کہ اکثر اپنے دوستوں سے کہا جاتا ہے کہ میں نے فدان کے خطیات سے  
 درگزر کی ہے۔ تم بھی درگزر کرو۔ اور مشورت کا حکم اس لیے ہوا کہ جن لوگوں سے مشورت کی جائے  
 انکی عظمت و دلچسپی کا باعث ہوتا ہے اور اس سے ان کے دل میں نرمی اور اطاعت کا مادہ پیدا  
 ہوتا ہے اور نیز مشورت شدت محبت کی دلیل ہے اور ترک مشورت سے لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہماری  
 اہانت کی گئی اور اس سے سوء مزاجی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نیز مشورت سے دنیوی امور میں عمدہ  
 رائے کے حاصل ہونے کی توقع بھی ہوگی پیغمبر صاحب اکمل الناس تھے لیکن نہایت راستبازی  
 سے آپ نے یہ فرمایا ہوا اتم اعرف باموردنیا کہ وانا اعرف باموردینکم اور ہاتشا اور  
 قوم قط الاھد والا رشداھم اور نیز اس حکم سے یہ بھی مقصود ہے کہ مشورت کراامت محمدی  
 میں رائج ہو جائے۔ علاوہ اسکے آغاز جنگ احد کے قبل بھی جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وسلم نے

تعرف ہیں۔ خلیفین ہو سکتا۔ اور اس بات کی تائید ہمارے قناہمہ بنفقون سے بھی ہوتی ہے۔  
لیونکہ من تبعیض کے لیے ہے۔ جس سے بعض مال کا واجبات میں صرف کرنا مراد ہے۔ اگر تارک  
تطوع بخیل ہوتا تو پھر آیت مذکور کا مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔

نفقہ واجب کی بہت سی صورتیں ہیں۔ انسان کا اپنے حفاظت نفس کے لیے خرچ  
کرنا۔ جن اقربا کی اعانت لازمی ہو ان کی خبر گیری کرنی۔ زکوٰۃ دینا۔ مسلمانوں کو دشمنوں کے قتل کرنے  
سے بچانے کے لیے اعانت کرنا۔ حالت ضرر میں مسلمانوں کی امداد کرنا۔ ان مواقع میں اگر انہیں  
اپنے ہاتھ کو روکین گے تو بخیل کہلائیں گے۔ وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ  
کے مصداق بن جائیں گے۔ واللہ میراث المسلموت وکلا دض سے اس بات کا ظاہر دینا مقصود  
ہے کہ اگر انسان کیسی ہی جدوجہد سے مال پیدا کرے اگر اسکو واجبات میں صرف نہ کرے ٹھاکے  
تو آخر کار ایک دن وہ سب خدا ہی کی ملک میں آجائے گا کہ وہ مالک حقیقی ہے چند روزہ تصرف کا  
اختیار جو دیا گیا ہے اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ گویا امور واجبات میں مال صرف کرنے کی یہ انتہائی  
ترغیب ہے۔ اور واللہ بما تعلمون خیر سے یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ انسان جس نیت کا کرتا ہے  
خدا کو اسکا علم ہے۔ تاویلات و حیل سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

تو انکرون کو اچھے کاموں میں اپنا مال صرف کرنے اور فضول خرچی سے بچنے کی جس  
پیرایہ میں ہدایت ہوئی ہے اس سے ہر شخص اپنے نفس کا محاسبہ عمدگی سے لے سکتا ہے۔  
عارضی متول دنیوی میں اگر انسان نفع رسانی خلایق کے کاموں سے چشم پوشی کرے

۱۷ اور ہنہ ہر آدمی کی بُرائی بھلائی کو اسکے ساتھ لازم کر کے اُسکے گلے کا بار بنادیا ہے ۱۲

اس پر کاربند ہونا فلاح دارین کا باعث ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ  
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُمْ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ (سورہ بقرہ ۲۶۴-۲۶۵)  
اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (و کرم) سے (مقدور) دیا ہے اور وہ اس (کے خرچ کرنے)  
میں بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں بہتر سمجھیں (بہتر نہیں) بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہو  
(کیونکہ جس مال) کا بخل کرتے ہیں غنقریب (قیامت کے دن) اس کا طوق بنا کر ان کے گلے  
میں پھنایا جائے گا۔ اور آسمان زمین (آخر کار سب) کا وارث اسد ہے اور جو (کچھ بھی تم لوگ)  
کرتے ہو اس کو اس کی (سب) خبر ہے۔

قرآن مجید میں اسکے ماقبل کی آیتوں میں بذل نفس فی الجہاد کی ترغیب دلائی گئی ہے  
اور اس آیت میں بذل مال کی ترغیب اور بخل کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ جب خدا تعالیٰ اپنے  
فضل و کرم سے کسی کو مال عنایت فرماتا ہے تو اس مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنا خدا کی  
خوشنودی کا حاصل کرنا ہے برخلاف اسکے اگر بخل اختیار کیا جائے تو وہی موجب خرابی ہے کہ بخل کا  
عذاب گردن پر رہ جاتا ہے۔ سبطوقون کا یہی مفہوم ہے۔ جن لوگوں کی طبیعت میں بخل کی عادت  
ہو ان کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ حطام دنیوی کو دوام و ثبات نہیں ہے۔ اور اسی بات کو واللہ  
میرات السموات والارض سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ بخل کا معنی یہ ہے کہ جہاں کمین خیر کرنا  
واجب ہو خرچ نہ کیا جائے۔ اگر تطوعات سے ہاتھ روکا جائے تو وہ بخل میں داخل نہیں ہے  
رسول مقبول نے فرمایا ہے وای داعی ادوا من البخل تو اس سے تارک تطوع بخل کی



ہوتے تھے ایسے منافقانہ فعال سے نفس کو پاک کرنا چاہیے۔ تہذیب اخلاق انسانی کے یہ اصول مسلمان  
 کہ ہمیشہ کید و شید سے انسان مبرا رہے۔ صداقت و راستبازی کو اپنا شعار بنائے کیونکہ مصرع

اگر خار کاری سن نہ روی کا معاملہ ہے

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غفل مشو

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ  
 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ترجمہ سناؤ ان تکلیفوں کی (جو خدا کی اہمیت تکمیل پیش آئیں) برداشت  
 کرو اور ایک دوسرے کو برداشت کی تعلیم دو اور آپس میں مل کر رہو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ (آخر کار)  
 تم اپنی مراد کو پہنچو۔

سورہ آل عمران میں علم اصولی جیسے توحید۔ عدل۔ نبوت۔ معاد۔ کا ذکر جسطرح ہوا ہے  
 ویسے ہی علم فروعی یعنی تکالیف و احکام بھی مذکور ہوئے ہیں۔ اس سورت کا اختتام آیت زیر  
 بیان پر ہوا ہے جس کو مجموعہ آداب کہا جاسکتا ہے کیونکہ حالات انسانی دو قسم کے ہیں۔ لازمی۔ اور  
 متعدی۔ حالات لازمی میں انسان کو صبر کی احتیاج ہے۔ اور حالت متعدی میں مصابرتہ کی۔  
 ان دونوں الفاظ میں فرق یہ ہے کہ صبر میں یہ امور داخل ہیں۔ دلائل کے قائم کرنے اور شہادت  
 مخالفین کے دفع کرنے میں مشقت نظر اور استنباط جوابات کی تکلیف برداشت کرنا۔ ادائی  
 واجبات اور مستحبات کی محنت گوارا کرنا منہیات سے احتراز کرنا۔ دنیا کے شدید واقعات  
 کی مصیبت۔ فقر و قحط وغیرہ پر تحمل کرنا۔ اور مصابرتہ میں ان تکالیف کا برداشت کرنا داخل  
 ہے جسکے اثر میں خود اور غیر دونوں شریک ہوں۔ جیسے اپنے اہل خاندان و درمہسایہ اور اقارب کے

توحقیقت میں بڑے گھائے کی بات ہے۔ چند روزہ دولت دنیا کی محبت میں واجبی حقوق بھی ادا نہ کیے جائیں تو ایسا مال قیامت میں طوق گلوں تو پھر کیا ہوگا جو لوگ فرائض سے گدرا کر کے رہے ہیں کاموں میں نہایت وسعت کے ساتھ اپنی دولت کو صرف کرتے ہیں انکی نیکیوں کا کیا کمنا۔ غرض کہ بخل سے بچنا بھی تمذیب نفس کی کسوٹی ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرُجُونَ بِأَنْتُمْ وَيُخْرِجُونَ أَنْ يُثْمِدُوا إِمَّا لَمْ يَفْعَلُوا أَوْ لَا تَحْسَبَنَّهُمْ عِمَارَةً مِنَ الْعَذَابِ وَطَعْنُ عَذَابِ الْيَمِّ۔ ترجمہ اور جو لوگ اپنے کیے سے خوش ہوتے اور (باوجودیکہ) جو (ان کو کرنا چاہیے تھا) نہیں کرتے اور اس پر چاہتے ہیں کہ انکی تعریف ہو۔ تو انے پیغمبر ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز بھی خیال نہ کرنا کہ یہ لوگ عذاب سے بچے رہیں گے۔

یہود کی عادت تھی کہ نصوصِ تورات میں تحریف کرتے اور من مانی تاویلات کر کے عوام الناس میں رواج دیا کرتے تھے اور اپنے اس لغو فضل سے خوش ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ دوسروں کی ستائش کی طمع بھی رکھتے تھے۔ انصاف کی نظر سے اگر دیکھا جائے تو فی زمانہ بہت سے لوگوں کے حالات ایسے ہی ہیں کہ جاہ و مال دنیوی کے حاصل کرنے میں بکامیابی کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھتے جب اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں تو اپنی چال بازیوں سے بیحد خوش ہوتے ہیں اور اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی انکی فہم و فرست کا اعتراف کریں اور معصوم و راست باز خیال کریں۔

الحاصل یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے جو صرف مصلحت دنیوی کے لحاظ سے ایمان کا اظہار کر کے خود بھی خوش ہوا کرتے تھے۔ اور پیغمبر صاحبِ ستائش کے متوقع

اپنے کتنے کام نکال لیتے ہو اس کا اور رشتوں کا پاس ملحوظ رکھو (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اگر ان حال میں  
 اس آیت میں معرفت مبدا کا ذکر نہ فرمائیے تو تمام انسانوں کا ایک آدم علیہ السلام سے  
 پیدا ہونا جو خدا تعالیٰ کی کمال قدرت و حکمت پر دلالت کرتا ہے جب اُسے انسان کو اس طرح پیدا  
 کیا تو انسان پر بھی اُسکی عبادت واجب ہے۔ کیونکہ ایجا و غایت انعام و احسان ہے۔ اور اس کا  
 شکر عبادت ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اللّٰہی خَلَقْنِیْ فَهَیْءْ لِّیْ سَبْحًا وَ الَّذِیْ هُوَ  
 یطعنی ۛ یقین بر خلاف اس کے اگر محض اقتضائے طبیعت انسان کی پیدائش ہوتی تو بہت  
 سے انسان باہم دیگر خلقت طبیعت میں متشابہ اور صفات میں متشاکل ہوتے۔ مگر ان امور کا  
 اختلاف صاف طور پر بتلاتا ہے کہ بدو موجود عالم وہی فاعل مختار ہے۔ طبیعت موثرہ۔ اور علت  
 موجبہ کو خالق عالم میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی بات کو اتفاقاً ربکو سے خَلَقْکُمْ مِنْ نَفْسٍ  
 وَاحِدَةٍ تک نہایت خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تاکہ انسان اپنے خالق کو اچھی طرح پہچانے  
 کیونکہ جب انسان کو اپنے خالق کا علم ہو جائے تو پھر وہ مفاخرت و تکبر کو ترک کر دیتا ہے اور عجز و  
 انکسار و تحسین خلق اختیار کرتا ہے۔ باین طور معرفت مبدا کے حاصل ہونے سے معادہ عالم بھی  
 حاصل ہوا ضروری ہے کیونکہ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب ایک قطرہ آب سے  
 ایسا عجیب الت ترکیب و لطیف النور انسان خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مد سے ابتداء  
 پیدا کیا ہے تو پھر موت کے بعد دوبارہ اُسکو آخرت میں پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں ہے و خلق معھا  
 زوجھا سے یہ تصور ہو کہ جنس آدم سے ہوا کی پیدائش ہوئی جیسا کہ ایک مقام پر قرآن مجید میں

لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُونَ ۝۱۱

رزدی اخلاق کا تحمل۔ اور جو شخص اپنے ساتھ بُرائی سے پیش آئے اُس کے ساتھ نفجواے  
واذا امرّوا بالغموم واکرامائیکم کرنا۔ اشار علی الغیر۔ جیسا کہ ارشاد باری ہوا ہے  
و یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة عتوا ظالم وان تعقوا اقرب  
للتقوی امر معروف۔ نہی منکر۔ وغیرہ غرض کہ اصبروا وصابرو امین یہ سب باتیں  
درجہ ہیں۔

اُسکے سوا انسان میں بنفسہ اخلاق ذمیمہ جیسے شہوت۔ حرص۔ غضب وغیرہ بھی  
ہوتے ہیں جب تک مدتِ عمر ان کو رام کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ صبر و مصابرت کا فائدہ مرتب  
نہیں ہو سکتا۔ اور اسی بات کی طرف راہِ بطوا کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح  
ہر فعل انسانی معلل بغرض خاص ہوتا ہے۔ تو اس صبر و مصابرت کی غرض حصول تقویٰ ہے جس کا  
نتیجہ صلاح و فلاح دارین ہے۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحوا۔ کما یہی مفاد ہے۔ الحاصل صبر و مصابرت  
بھی حسن اخلاق کے اجزاء ہیں قولہ تعالیٰ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ  
مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَکُمْ وَابْنَ مَرْئِیَّتِکُمْ وَالنِّسَاءَ۔ واتقوا  
اللہَ الَّذِیْ تَسْأَلُوْنِیْمْ وَاکْلَاحَکُمْ تَرْجُمُوْهُ لَوْ کُوْنُوْا مِنْ شَیْءٍ۔ جس نے تم کو ایک  
شخص (یعنی آدم) سے پیدا کیا۔ (اس طرح پر کہ پہلے) اس سے اسکی بی بی (حوا) کو پیدا کیا اور  
پھر ان دو (میان بی بی) سے بہت سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلانے اور جس خدا کا تم وہمہ دیدیکر

اور جو اتفاقاً یہودہ مشعلوں کے پاس سے ہو کر گزریں تو وضع داری کے ساتھ گزریں ۱۲  
اپنے اور پر تنگی ہی کیوں نہ ہو (ماجرین بھائیوں کو) اپنے سے ممتد رہتے ہیں (اور نخل تو سب ہی کی  
طبیعتوں میں ہوتا ہے) ۱۲

وہی اچھے کاموں کی جزا اور بُرے افعال کی سزا دینے والا ہے۔ مسلمانوں میں خوش اُقارب کے ساتھ نیک سلوک کرنا اخلاقِ محمدی میں داخل ہے۔ جب تک مسلمانوں میں ان خصال کی پابندی رہی یہ قوم ابھرتی ہی گئی یہاں تک کہ محسود اہلِ بائیں اور جب اخلاق کی کڑائی اسلام میں پھیل گئی تو کعبت وادبار نے گھیر لیا۔ آج جس خرابی میں ہم مبتلا ہیں وہ زیادہ حسرت کی محتاج نہیں ہے۔

پیش ازین دستانِ چین بودند      کر غم یک دگر نیا سودند  
جان یکے بودے ارشے تن دو      حال بڑے یکے و مسکن دو  
دین نام دستان ازین ساند      ہمہ از بیم نان ہر ساند  
ہمہ نان کو روح پر داد اند      ریش خود می ریند و شاواند

قوله تعالى يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ الَّذِي يَنْبَغِي عَنْكُمُ وَيُثَبِّتَ عَلَيْكُمُ الثَّابِتَ الَّذِي يَنْبَغِي عَلَيْكُمْ أَلَّا تُعْصُوا مِثْلَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ وَلِيُذْهِبَ اللَّهُ عَنْكُمْ رِيسَ الْفِجَارِ أَلَّا يُعْصُوا مِثْلَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ وَلِيُذْهِبَ اللَّهُ عَنْكُمْ رِيسَ الْفِجَارِ أَلَّا يُعْصُوا مِثْلَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ وَلِيُذْهِبَ اللَّهُ عَنْكُمْ رِيسَ الْفِجَارِ أَلَّا يُعْصُوا مِثْلَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ

کہ (انبیاء صلی) جو تم سے پہلے (ہو گئے) ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر سب سے  
کرے اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر ہم (کی نظر) رکھے اور اس (سب کچھ جانتا ہے  
(اور ہر ایک کام) حکمت (سے) کرتا ہے۔ اور اس (چاہتا ہے) کہ تم پر ہم (کی نظر) رکھے اور جو لوگ  
لفسافی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تم (راہ راستے بھٹک کر)  
بہت دیر ہٹ جاؤ۔ اس (چاہتا ہے) کہ تم (پر) سے (بوجھ) ہٹا کرے کیونکہ انسان (طبیعت کا)

ذکر ہوا ہے۔ واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً اور اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ جب لاء اللہ تعالیٰ  
 نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو نیند بھی عطا ہوئی جب وہ سو گئے تو انکی بائیں پسلی سے  
 حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں جون ہی آپ خواب سے بیدار ہوئے تو حوا پر نظر پڑی اور الفت و رغبت  
 باہمی ہو گئی۔ چونکہ آدم کی پیدائش ادم زمین سے ہوئی ہر اسلئے آپ کا نام آدم رکھا گیا۔ اور ادم  
 زمین میں ہر قسم کی مٹی کا شمول ہے یعنی سرخ و سیاہ اچھی بُری وغیرہ اسلئے اولاد آدم میں بھی یہ  
 صفات موجود ہیں۔ اسلئے جب کہ حوا کی پیدائش آدم کی بائیں پسلی سے ہوئی اور آدم (حی)  
 زندہ تھے تو ایسی مناسبت آپ کا نام حوا رکھا گیا۔ اور پھر آپ کی اولاد تمام دنیا میں پھیل گئی  
 جیسا کہ ارشاد ہوا ہے وبت منہما رجلاً کثیراً و نساء۔ اور پھر حکم ہوا کہ و اتقوا اللہ الذی  
 تساءلون بہ و الا رحمہم یعنی جس خدا نے تمکو اسلئے پیدا کیا اور تمہارا تمام کاروبار کا کفیل ہے  
 اُس کا خوف دلیمن رکھو اگرچہ وہ تمہارا پروردگار ہے مگر شدید العقاب و عظیم السطوۃ بھی ہے۔ اور  
 قطع رحم نہ کرو کہ اُسکی سخت مانعت ہے۔ عن عبد الرحمن بن عوف ان النبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم قال یقول اللہ تعالیٰ انا الرحمن وھی الرحم اشتقت اسمہا من امی  
 فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته اور ایک حدیث میں آرد ہے کہ صدقہ کا دینا اور  
 صلہ رحم کی حفاظت نہی دینی عمر اور دفع بلا کے باعث ہیں۔ اور پھر اس آیت کو خدا تعالیٰ نے  
 ایسے الفاظ سے ختم فرمایا ہے جو بمنزلہ وعدہ و وعید کے ہیں جنہیں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی  
 یعنی ان اللہ کان علیکم رقیباً رقیب وہی ہے جسکی نظر ہر لحظہ تمہارے افعال پر ہو۔ جسکی  
 ایسی نظر ہو اُسی سے انسان کو خوف کرنا چاہیے اور اُسی سے امید بھی رکھنی چاہیے کہ



کمزور پیدا کیا گیا ہو اور احکام سخت کے بار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح پیروانِ امم سابقہ کی صلاح حال کے لیے جو امور مناسب حال تھے اور منجانبِ اسدِ ان پر ظاہر کر دیے گئے تھے اسی طرح اُن طریقوں کو امتِ محمدی پر ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے کہ شرائع و احکام کو مختلف ہیں لیکن مصالحِ عباد کے لحاظ سے سب متفق الّا انجام ہیں۔ ہدایاتِ الٰہی کا صرف نشانہ یہ ہے کہ لوگ اچھے کام کو اختیار کریں اور بُرے کاموں سے پرہیز کریں۔ اطاعت کے دراصل یہی معنی ہیں خدا بندوں سے طاعت ہی چاہتا ہے انسان کو چاہیے کہ شیوہ بندگی اختیار کرے۔ ہاں بجا آوری احکام میں کچھ افراط و تفریط بھی ہو جاتی ہے جس کو اسدِ تعالیٰ اپنے کمالِ احسان سے درگزر بھی فرماتا ہے جیسا کہ ویتوب علیکم سے ظاہر ہے۔ مکلفین کی دو حالتیں ہیں اگر انھوں نے اطاعت اختیار کی تو مستحقِ ثواب ہوئے۔ اگر گنہگار ہوئے تو اس کی تلافی بدو ن توبہ کے ہو نہیں سکتی اگر بندہ اپنے افعال سے نادم نہ ہو تو خدا تعالیٰ بھی اپنی مہربانی سے درگزر فرماتا ہے۔ وہ بندوں کے حالات سے واقف ہے اُس کے افعالِ مبنیِ جبرکت ہیں۔ جیسا کہ واللہ علیہم حکیم سے ظاہر فرمایا گیا ہے۔ اور پھر واللہ یرید ان یتوب علیکم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ رضایِ الٰہی کے موافق عمل کرنے میں سچید حسابِ منفعتین ہیں۔ برخلاف اس کے خواہشِ فجار کے موافق عمل کرنے میں سولے مضرت کے اور کوئی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ ویرید الذین یتبعون الشہوات کا مفہوم ہے۔ جو قویٰ راہِ راست سے ہٹی ہوئی ہیں اور شہواتِ نفس میں مبتلا ہیں اُنکی دلی خواہش تو یہی ہے کہ اہلِ اسلام بھی اُنکی اتباع سے تباہ و برباد ہو جائیں چنانچہ اَنْ تَمْلُؤْا مِیْلًا عَظِیْمًا سے مخالفین



خاص در بند شہوت و لذات      عام در بند ہزل و تراہات  
مندرس گشتہ علم دین خدے      ہمگان ژاڑ خاے و ہرزہ درے  
خانہ کعبہ گشتہ بُت خانہ      بگرفتہ بعبسب بیگانہ  
چون بچندید بر سپر جلی      آفتاب سعادت ازلی  
آمدند رہبان جان ہر کس      جان جانہا محمد آمد و بس

قوله تعالى اِنْ تَحْتَسِبُوا كِبَارُ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ بِكُفْرٍ عَنْكُمْ سَيَا ئَكُمْ وَنَذَلْكُمْ  
مَدْ خَلَا كَرِيْمًا وَلَا تَمْتَوْنَا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ  
مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ  
اِنَّ اللَّهَ كَانَ يَكُوْلُ شَيْءٍ عَلِيْمًا ترجمہ بن کامون (کے کرنے) سے تم کو منع کیا جاتا ہو  
اگر تم ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے)  
قصور (تمہارے نامہ اعمال سے) محو کر دیں گے اور تم کو دلے جا کر مقام عزت میں جگہ دیں گے  
اور خدا نے جو تم سے ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے اس کا کچھ ارمان نہ کرو ورنہ  
نے جیسی کمائی کی ہو ان کو ان کا حصہ اور عورتوں نے جیسی کمائی کی ہو ان کو ان کا حصہ اور  
(ہر وقت) اللہ سے اُس کا فضل مانگتے رہو اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ فرقان حمید میں  
اسکے قبل وعید کا ذکر ہوا ہو اُسکے تعلقات کا ذکر ان آیات میں اُطرح کیا گیا ہے کہ اگر تم گناہ کبیرہ  
سے بچو گے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے تمہارے گناہ صغیرہ کو معاف کر دیگا گناہ کبیرہ  
و صغیرہ میں امتیاز قائم کرنے کی نسبت علمائے اہل سنت و جماعت و معتزلہ میں بہت اختلاف ہے

(۷) و من یعمل سوءاً و یظلم نفسه (۸) مایفعل الله بعد ذلک الا بکرم الختصر اخلاق کی درستی انبیاء علیہم السلام کے ہدایات و حالات کا اتباع سے حاصل ہوتی ہے کہ وہ برگزیدہ عالم تھے اور منجانب اس ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے جن قوموں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی اطاعت و انقیاد سے سرتابی کی اور خواہشات نفس میں مبتلا ہو گئے اُن کے اخلاق بگڑ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ عتاب الہی میں گرفتار ہو گئے اور جنہوں نے اُنکی عزت کی اور یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہماری ہدایت کے لیے اُنکو مبعوث فرمایا ہے وہ راہِ راست پر آ گئے چنانچہ قرآن مجید میں اسدِ جل شانہ نے اُن واقعات کا ذکر فرمادیا ہے تاکہ اپنے حبیب پاک کی امت فضائل اخلاق سے مستفید ہو۔ اسی مضمون کو حکیم الہی نے یون نظم کیا ہے۔

انبیاءِ اِستانِ دین بودند      خلق را راہِ راست بنمودند

چون بغرب فنا فرو رفتند      باز خود کا مکان برآشفقتند

پر دہا بست ظلمت از شب شرک      بوسہ داد و کھنسر بر لب شرک

این چلیپا چو شاخ گل در دست      وان چو نیلوفر آفتاب پرست

این صنمِ گردہ سالِ مہِ محمود      وان جسدِ اماندہ از ہمہِ مقصود

این شمرده زہل بلے برہان      بدی از دیو نیکی از یزدان

دین دشمن را خدای خود خواندہ      وان دشمن داروین برافشانہ

دین حق راے خود نہان کردہ      ہر یکے دین بدعیان کردہ

شدہ نزدیک عام و دانشمند      سفہ و غیبت و فضولی پسند

اسکی عطا مادہ و قابلیت کے لحاظ سے ہوتی ہے پس جو شخص ان باتوں کا خیال نہ کرے اور دوسروں کی زوال نعمت کا خواہاں ہو وہ کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اُس کے قلب سے نورِ ایمان سلب ہو جاتا ہے جو باعثِ فسادِ دین ہے دین کی خرابی دنیا کی بربادی کا سبب ہے اس لیے حسد سے محفوظ رہنے کی ہدایت ہوئی ہے چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارادہ ہے: **مَنْ اسْتَسْلَمَ بِقِضَائِي وَصَبَرَ عَلَى بَلَائِي فَشَكَرَ لِنِعْمَائِي كَتَبْتَهُ صَدِيقًا وَبَعَثْتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الصَّالِحِينَ وَمَنْ لَمْ يَرْضَ بِقِضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلَى بَلَائِي وَلَمْ يَشْكُرْ لِنِعْمَائِي فَلْيَطْلُبْ بَأْسَ وَايِ الْمُتَحَقِّقِينَ** کا مسلک تو یہی ہے کہ شانِ عبدیت یہی ہے کہ جو کچھ خدا عنایت کرے اُس پر قناعت ہو کہ عطا یا آئی مصالحِ عباد پر مبنی ہوتے ہیں جن امور کی خواہش خود انسان کرتا ہے کبھی تو وہ باعثِ فسادِ دین ہوتے ہیں اور کبھی سببِ فسادِ دنیا اس لیے انسان کو یوں دعا کرنی چاہیے **اللَّهُمَّ اعْطِنِي مَا يَكُونُ صَلَاحًا فِي دِينِي وَمَعَادِي وَمَعَاشِي وَدِكْهُوَ كَمَا لِفَضْلِ آيِ سَ قُرْآنِ مُحَمَّدٍ** میں بھی دعا کی تعلیم اس طرح ہوئی ہے: **اتَنَافَى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً اسْكَعْ لِعَبْدٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ سَ مَرْدٍ وَعَوْرَتٍ كِي كَمَا ئِي كَا ذَكَرْهُوا** ہر جیسا جو کریں گے ویسا ہی پائیں گے اس آیت کے نزول کے اسباب مختلف بیان ہوئے ہیں ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی

**اے** جس شخص نے فرمانِ برداری کی تفسیر میری اور میری بلاؤں پر اور میری عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکریا میں اُس کا نام صدیقیوں میں لکھوں گا اور قیامت کے دن صدیقیوں کے ساتھ اٹھوں گا اور جو شخص میری تفسیر پر راضی نہ ہو اور میری بلا پر صابر نہ ہو اور نعمتوں پر شاکر نہ ہو اُس کو چاہیے کہ میرے سوا دوسرے رب کی تلاش کرے ۱۲

**۱۳** اے اللہ میرے دین میں اور آخرت اور معاش میں صلاحیت عطا فرما ۱۲

اُن اختلافات کا ذکر باعث طوالت کلام ہوا لہذا اس قدر لکھنا کافی ہے کہ ان تجتنبوا کباراً ما  
تَنهون عنہ کا مفہوم کفر سے اجتناب کرنا ہے کہ یہی گناہ کبیرہ ہے اگر انسان کفر سے محفوظ رہے  
تو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دوسرے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے  
جیسا کہ ارشاد ہوا ہے ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء  
اس کے بعد اللہ سے احتراز کرنا کی ہدایت و لا تتموا ما فضل الله به بعضکم على بعض  
سے ہوئی ہے ہر شخص فضیلت سعادت کا متمنی رہتا ہے لہذا سعادت کا کچھ ذکر کرنا چاہیے  
ہاں کہ باب الامتیاز قائم ہو سعادت کے مختلف اقسام ہیں سعادت نفسانی سعادت بدنی سعادت  
خارجی۔ سعادت نفسانی کے دو قسم ہیں ایک وہ سعادت جو قوت نظری سے متعلق ہے جیسے  
ذکاوت امانہ حدس کامل دوسرے سعادت عملی جسکو عفت کہتے ہیں صحت جسمانی خوبصورتی  
عمر طویل سعادت بدنی میں داخل ہے کثرت اولاد صالحین دوست احباب کی زیادتی حکومت  
مقبولیت عام وغیرہ سعادت خارجی کے شعبے ہیں مجموعاً یہ سب امور تعریف سعادت  
میں داخل ہیں سعادت کی ایک تقسیم فطری اور کسبی بھی قرار دی گئی ہے غرض کہ اقسام سعادت  
کی کمی و زیادتی کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے فضیلت و فزیہ کے لحاظ سے  
انسان میں حسد کا مادہ پیدا ہوتا ہے بعض وقت یہ خواہش اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ انسان  
دوسروں کی سعادت کے زوال کا خواہاں ہو جاتا ہے اسی کو حسد کہتے ہیں اور یہ مذموم ہے اگر اُس  
سعادت کو خود حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکو غلبہ کہتے ہیں اور یہ محمود ہے بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حکیم ہے

لے یہاں اللہ نہیں جتنا کہ شریک لائے ساتھ اس کے اور بخشا ہے سوائے اس کے جس کے واسطے چاہتا ہے ۱۲

تو دونوں مصیب اور مساوی الثواب ہیں اس صورت میں اس آیت کا تعلق امور آخرت سے ہو جاتا ہے، خدا کے پاس کچھ کمی نہیں ہے جو کچھ مانگنا ہو اُسی سے مانگنا چاہیے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے **وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ** حسین اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دعا میں کسی چیز کا تعین مناسب نہیں ہے خدا کے فضل پر بھروسہ رکھو وہ ایسی نعمتوں کو عنایت فرماتا ہے جو تمہاری مصلحتوں کے مناسب حال ہوتی ہیں چنانچہ **إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا** سے ظاہر فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی مسامح عباد کو اچھی طرح جانتا ہے اس آیت شریف کی مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ترک حسد کی تعلیم جو مخرّب اخلاق ہے کس عمدہ سیرائی سے ہوئی ہے

سخن از کوئے عقل باید گفت در معنی بعثت باید گفت

دیو مردم ز پند من در است خرنه بیند فرشتہ معذرت

حسد و حقد کردہ آلت جنگ دیو حقدت گرفتہ اندر جنگ

بخدا ارے بدین خداے تو بدین خوی زشت و شہوت راے

قوله تعالى واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً وبالوالدين احساناً وبذی القربى واليتامى والمسلكين والجار ذی القربى والجار المجنب والصاحب بالمجنب وابن السبيل وما ملکت ايمانکم ان الله لا يحب من كان مختلاً فخوراً الذین یجھلون ویامرون الناس بالھزل ویحکمون ما اتھم الله من فضله واعتدنا للکفرین عذاباً مھیناً والذین ینفقون اموالھم ثاء الناس

کہ مرد و تہجد میں شریک ہوتے ہیں عورتوں کو یہ بات نصیب نہیں ہے میراث میں بھی مرد کا حصہ عورت  
 کے مقابلہ میں المضاعف رکھا گیا ہے تو اسوقت یہ آیت نازل ہوئی اور سدی سے منقول ہے  
 کہ جب آیت توریت میں مرد کا حصہ المضاعف رکھا گیا تو مردوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قیامت  
 میں بھی ہمارے مراتب بہ نسبت عورتوں کے دوڑے ہونگے اور عورتوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارا  
 عذاب مردوں کے مقابلہ میں نصف ہو جائے گا تو اسوقت یہ آیت نازل ہوئی ایک  
 دلچسپ وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت  
 میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عورت و مرد کا خدا تو ایک ہے اور پیغمبر بھی ایک ہیں ہم دونوں فریق  
 آدم و حوا سے پیدا ہوئے ہیں پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں خدا مردوں کا ہی ذکر فرماتا ہے  
 اور عورتوں کا ذکر نہ کر دہے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی تو پھر اُسے سرور کائنات سے عرض کیا  
 کہ ہاں کی وجہ سے تو مرد ہم پر سبقت لیگئے آپ نے فرمایا کہ حاملہ عورت کے فضائل بھی قابلِ لحاظ  
 ہیں جب عورت حالت حمل میں ہوتی ہے تو اسکو روزہ دار قائم اللیل مرد کا ثواب حاصل ہوتا ہے  
 اور جب وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ پر ایک نفس کے زندہ کرنے کا ثواب ملتا ہے ایک  
 وجہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایامِ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اس سبب  
 سے اُسکا ابطال ہو گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ عورت و مرد کے عملی حصہ میں کوئی فرق نہیں  
 جو حسبِ سطح کا عمل کریگا ویسی جزا پائیگا پس عورتوں کو مردوں پر حسد نہ کرنا چاہیے مردوں پر تو  
 ہے کہ اپنی بیویوں کا نفقہ کافی ادا کریں اور عورتوں پر واجب ہے کہ اپنے شوہروں کی اچھی اطاعت  
 کریں امور خانہ داری کی حفاظت مد نظر رکھیں اگر فیما بین زن و شوہر کے اسطرح معاملہ ہو سکا

ہر امت کے رسول کو طلب کرین جو ان کی نسبت گواہی دے اور اے پیغمبر تم کو بھی طلب کرین کہ اپنے امت کی ان لوگوں کی نسبت گواہی دو۔ ان آیات کے ماقبل زن مشوہر کی باہمی حسن معاشرت کا ذکر ہوا ہے اور ان آیات میں دس اخلاق حسنہ کا بیان ہے ایک تو واعبدوا اللہ سے عبادت کا جس کا ذکر پہلے بھی اس کتاب میں ہو چکا ہے دوسرا لا تشركوا بے شیتا سے ترک شرک کا کیونکہ جو عبادت خالصاً لوجه اللہ نہ ہو۔ وہ مقبول نہیں ہے۔ چنانچہ کہ حکم ہوا ہے وما امر و الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين تيسر وبالوالدين احسانا سے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اس مقام پر زیادہ غور طلب بات ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی عبادت کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا ذکر فرمایا ہے جس طرح بیان ذکر ہوا ہے ویسا ہی اور آیات میں بھی حکم ہوا ہے۔ یعنی وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا اس سے والدین کی عظمت بزرگی معلوم ہو سکتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اکبر الکبائر الا شراک باللہ و عقوق الوالدین والیمین الغموس البوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے یمین سے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو شرکت جہاؤ کی اجازت مرحمت ہو تو آنحضرت نے استفسار فرمایا کہ کیا یمین کوئی تیرا ہے تو اُس نے عرض کیا کہ میرے والدین زندہ موجود ہیں تو پھر آپ نے پوچھا کہ تیرے ماں باپ

۱۔ اور حکم کیا پردہ کا تیرے نے یہ کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی یعنی اللہ کی اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا ۱۲

۲۔ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کے ساتھ بدگوئی کرنا اور جھوٹی قسم کھانی پرست گناہ کبیرہ میں داخل ہونا

وَلَا يَوْمَنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا  
 وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ  
 بِهِمْ عَلِيمًا إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ شَيْئًا خَيْرًا إِنَّ تِلْكَ حَسَنَةٌ يَضَاعَفُهَا وَيُوتِ  
 مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ  
 عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا تَرْجُمُهُ - اور اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک  
 مت ٹھہراؤ اور ان باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت پر دیسیوں اور صنیعیوں  
 اور پاس (کے بیٹھنے) والوں اور مسافروں اور جو (نونی غلام) تمھارے قبضے میں ہیں  
 (ان سب کے) ساتھ سلوک کرتے رہو اس لئے لوگوں کو دوست نہیں رکھنا جو اترائیں (اور  
 بڑائی مانتے پھر میں آپ بخل کریں) (سو کریں) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کی صلاح  
 دیں اور اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اس کو چھپائیں اور ہمنے ان  
 لوگوں کے لیے جو بہاری نعمتوں کی، ناشکری کریں ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور مال  
 خرچ کریں تو لوگوں کے دکھانے کو ایمان (پوچھو) تو نہ اللہ کا اور نہ روز آخرت کا اور شیطان  
 جس کا ساتھی ہو تو وہ (بہت ہی) بُرا ساتھی ہے اور اگر (یہ لوگ) اللہ اور روز آخرت پر ایمان  
 لاتے اور جو کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا اس کو (خلوص نیت سے خدا کی راہ میں) خرچ  
 کرتے تو ان کا کیا بگڑتا اور اللہ تو ان (کے حال) سے واقف ہی ہے اس لیے کسی پر ذرہ بھر بھی  
 ظلم نہیں کرتا بلکہ کسی نے کوئی نیکی کی ہو تو اس کو دو چند کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب  
 عطا فرمادیتا ہے بھلا اُس دن ان لوگوں کا کیا حال ہوگا ہے جب سب لوگ جمع ہوں اور ہم



اطراف کے چالیس مکان داخل ہیں۔ رؤی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی  
نفس محمد بیدہ لا یودی حق الجار الا من رحمہ اللہ اور بعضوں کا قول  
ہو کہ جازمی القربی سے قربت دار ہمسایہ اور جار جنب سے اجنبی ہمسائے والے  
مراد ہیں ترتیب بیان کے لحاظ سے چار جنب کا درجہ آٹھواں ہے۔ نوان والصاحب  
بالجنب سے اُن اشخاص کے ساتھ مراعات مد نظر رکھنے کی ہدایت ہوئی ہے جو یکم تب  
یا ہم سفر یا ہم پیشہ یا ہم شین یا ہم رتبہ ہوں۔ دسوان وابن السبیل سے اُن مسافریں  
کی خبر گیری کی ہدایت ہوئی ہے جو اپنے گھر بار سے جدا ہوں۔ گیارہوان وما ملک  
ایمانکھ سے خدام کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
بھی اخیر وصیت الصلوٰۃ وما ملک ایمانکھ کی کئی تاکہ لوگ نماز کی پابندی اور خدام  
کے ساتھ نیک تناؤ کریں جس سے مقصد یہ ہے کہ جو کام انکی طاقت سے زیادہ ہوا  
کرنے پر مجبور نہ کیے جائیں۔ انکو بدکلامی کی تکلیف نہ دی جائے کھانا کپڑا بقدر حاجت  
اچھا دیا جائے اور ان اللہ لا یحب من کان محتالاً فخوراً سے ترک تکبر کی  
ہدایت ہوئی ہے کیونکہ جو لوگ متکبر ہوتے ہیں دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے  
انکے سب کام دکھاؤ کے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر فرماتا  
ہے جو حقیقت میں محل خوف ہے ایسے افعال کا ترک کرنا لازمی ہے خاص کر اسوجہ سے بھی  
کہ کبریائی شان باری ہوا انسان کے جسم پر جامہ تکبر زیب نہیں دیتا اور پھر نخل کی مذمت

لے خدا کی قسم جسے قبضہ قدرت میں محمد علیہ السلام کی جان ہے۔ کوئی شخص اتنا ہمسایہ کا حق پوری طرح سے انہیں سکتا کہ وہ بھی اپنے رب کے

تجھ کو اجازت دیجئے کہ میں تو اُسے عرض کیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں کو واپس جاؤ اور اپنے والدین سے پہلے اجازت حاصل کرو اگر وہ اجازت دین تو جہاد میں شریک ہونا وگرنہ انکی خدمت کیا کرو اس سے بھی والدین کی بزرگی کا حال ظاہر ہو سکتا ہے اسلئے والدین کی اطاعت واجب ہے ہر وقت انکی خدمت کے لیے مستعد رہنا انکے سامنے نرمی و آہستگی سے گفتگو کرنا بقدر روعت انکی اعانت کرنی چاہیے اور والدین پر ہتیار باندھنا منع ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بن ابی عامر راہب کو باپ کے قتل سے منع فرمایا ہے حالانکہ انکے باپ مشرک تھے۔ چوتھا و بذی القربی سے قرابت داروں سے صلہ رحم کی حفاظت لازم گردانی گئی ہے یا پانچواں والیتناحنی کی لفظ سے یتیموں کی پرداخت کی تعلیم ہوئی ہے کیونکہ وہ کم سنی کی وجہ سے اور اہمکا کوئی کفیل نفقہ نہونے سے واجب الرعاۃ ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یتیموں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا انکی پرورش کا خیال کرنا انکے سر پر دست شفقت کا پھیرنا اور ان کے مال کی حفاظت تا بلوغ کرنا مسلمانوں پر واجب ہے چھٹا والمساکین سے مسکینوں کی خبر گیری کی تعلیم ہوئی ہے چونکہ مساکین بلوغ کی وجہ سے کچھ اپنے آپ مدد کر سکتے ہیں اسلئے انکا ذکر یتیم کے بعد کیا گیا ہے بہر حال مساکین کی امداد جہان تک سے کرنی چاہیے اگر کچھ امداد کر سکیں تو کم سے کم نرمی کے ساتھ انکو جواب دینا چاہیے جیسا کہ حکم ہے و اما المسائل فلا تنہر سالتوان والجار ذی القربی والجار الجنب سے ہمسایہ اور ہمسایہ کے قریب رہنے والوں کے ساتھ رعایت کا حکم ہوا ہے ہمسایہ

شیطان صحبت انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور دوزخ کی راہ کھول دیتی ہے جیسا کہ ارشاد  
ہوا ہے ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطان مرید  
کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویہدیہ الی عذاب  
السعیر اسی کائنات سے بطور تعجب کے ارشاد ہوا ہے وماذا علیہم لو امنوا باللہ و  
الیوم الآخر وانفقوا مما رزقہم اللہ وکان اللہ بصیر علیما جس کا مفہوم  
یہ ہے کہ جو لوگ شیطان کے چیلے بن گئے ہیں انہیں کیا ہو گیا ہے وہ کیوں خواب غفلت سے  
بیدار نہیں ہوتے اگر وہ خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے  
خلوصِ نیت کے ساتھ اُسکو خرچ کرین تو اُن کے حق میں مفید ہو صرف افعالِ ریائی میں  
مبتلا ہونے سے کیا فائدہ ہے۔ ہم ہر ایک کے ظاہری و باطنی حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں  
اور پھر ارشاد ہوا کہ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنة یضاعفها  
ویؤت من لدنہ اجرًا عظیمًا اس آیت میں تین قسم کے وعدوں کا ذکر ہے۔ ایک  
تو یہ کہ خداے تعالیٰ ذرہ بھر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اس وعدے کی سچائی دلائل پر غور کرو  
ظلم کے معنی مالکِ غیر میں تصرف کرنا ہے۔ خداے تعالیٰ کا تصرف اسی کی ملک میں ہے  
اس لیے افعالِ الٰہی پر ظلم کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ اور نیز ظلم مستلزمِ جہل ہے خدا علیم ہے  
اور جہل سے میرا۔ دوسرا وعدہ یہ ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ دوچند دیا جائے گا۔ اسکی نسبت  
ابن مسعود کی یہ روایت قابلِ ذکر ہے یوق بالعبد یوم القیامة وینادی مناد علی  
رؤس الاولین والاخرین ہذا فلان بن فلان من کان لہ علیہ حق

اس طرح ہوئی ہے الذین یبخلون ویا صرون الناس بالبخل ویکفون ما اتاہم  
اللہ من فضلہ واعتدنا للکافرین عذابا مہینا ترتیب بیان یوں ہے کہ نہ خدا تکبر  
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نہ اُن لوگوں کو جو بخل خود بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی  
بخل اختیار کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بخل و کتمان نعمت کی  
تفسیر یوں کی ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و اوصاف کے اعتراف  
سے بخل کیا اور دوسروں کو بھی اس نعمت کے کتمان کی ترغیب دلائی کیونکہ حضرت کے اوصاف  
توریت میں صاف طور پر مرقوم تھے۔ اور بعض مفسرین نے بخل سے بخل مال کی تعبیر کی ہے  
کیونکہ یہ آیت وبالوالدین احسانا الخ کے بعد واقع ہوئی ہے جہمین احسان مال کا ہی  
ذکر ہے۔ بخل کا لفظ عموماً مال کے ساتھ ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ غرض کہ انسان کی تین بُرائیوں  
کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے یعنی خود بخل اختیار کرنا۔ اور دوسروں کو بخل اختیار کرنے کی  
ترغیب دلانا۔ خدا کی نعمت کو فقر و محتاجی کے عائد ہونے کے خیال سے ظاہر کرنا۔ یہ  
تیسری صفت یعنی کتمان نعمت تو اس درجہ بد ہے کہ انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دیتی  
ہے۔ اسی لیے واعتدنا للکافرین عذابا مہینا سے سخت عذاب کی تہدید ہوئی ہے  
والذین ینفقون اموالہم رءاء الناس ولا یؤمنون باللہ ولا بالیوم  
الآخر ومن یکن الشیطان لہ قرینا فساء قرینا سے افعال ریائی کی مذمت بیان  
ہوئی ہے۔ مال کا خدا کی خوشنودی کے لیے دنیا حسانات میں داخل ہے۔ احسان جانے  
کے لیے دنیا ریاء ہے۔ افعال ریائی انھیں لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں جن کا شیطان ہم نشین ہے

سے یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ یہ سب ہر ایک رسول سے انکی امت کے اعمال کی نسبت شہادت لینے کے بعد ہو گا تاکہ تکمیل حجت کے بعد گنہگاروں کو نذر کی تلخی کا حال معلوم ہو اور نیک کاروں کو جزا کی لذت حاصل ہو۔ یہ باتیں وعید کفار اور وعدہ مطیعین میں داخل ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اکیبا ر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود سے فرمایا کہ کچھ قرآن پڑھو تو ابن مسعود نے عرض کیا کہ آپ ہی کی بدولت قرآن مجید کی تعلیم ہوئی ہے۔ انکی اس عاجزانہ معرفۂ مطلب تھا کہ میری کیا مجال کہ حضور اقدس کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہو تو ایسا ہی مگر مجھ کو قرآن مجید غیر کی زبان سے سننا بھلا معلوم دیتا ہے تو ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء پڑھنا شروع کی جسوقت آیات زیر تفسیر تک پہنچا تو سرور کائنات رو پڑے۔ تب میں نے پڑھنا موقوف کر دیا۔ سدی سے روایت ہے کہ قیامت کے دن امت محمدی تمام پیغمبروں کی تبلیغ رسالت کی شہادت دیگی اور آنحضرت ص اپنی امت کے بیان کی تصدیق فرمائیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارہو وجعلناکھ امۃ وسطا لکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں وکننت علیہم شہیداً ما دمت فیہم عرب کی عاد ہر کہ جب کسی واقعہ کے وقوع کا انکو یقین ہوتا ہے تو وہ آپس میں یوں کہا کرتے ہیں کہ جب ایسا ہوا ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ فلاں شخص نے تو یہ کام کیا ہے۔ جب قیامت کا دن آئے گا

۱۷ کیا پہننے تکمالات سچی یعنی بہتر تاکہ ہونے لگاواہ لوگوں پر اور ہونے پیغمبر تم پر گواہ ۱۲

۱۸ اور میں جب تک انہیں رہا دانکے حالات پر گواہ تھا ۱۲

فلیأت الی حقہ ثم یقال لہ اعطہ هؤلاء حقوقہم فیقول یارب من این وقد  
 ذهب الدنیا۔ فیقول اللہ للملائکتہ انظروا فی اعمالہ الصالحۃ فاعطوہم  
 منہا فان بقی مثقال ذرۃ من حسنۃ ضعفہا اللہ تعالیٰ لعبید وادخلہ الجنة  
 بفضلہ ورحمتہ ترجمہ۔ قیامت کے روز ایک شخص بارگاہ رب العزت میں حاضر  
 لایا جائے گا اور منادی تمام اولین و آخرین کے مواجہ میں پکار کر کہیگا کہ یہ فلان شخص ہے اور  
 فلان شخص کا فرزند ہے اگر اس پر کسی کا کوئی حق باقی رہ گیا ہے تو اس وقت اس کا مطالبہ  
 کر سکتے ہیں اور پھر اس شخص سے بھی کہا جائے گا کہ طالبین حقوق کا حق ادا کر دو تو وہ  
 عرض کریگا کہ اے پروردگار اب مجھ سے کیا ہو سکتا ہے دنیا تو گزر گئی وہاں کچھ سبیل ادائی  
 کی ممکن تھی اس نا اسیدی کے وقت بارگاہ عالی سے ملا کہ کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے اعمال حسنہ  
 کو دیکھو اور ان لوگوں کے مطالبات کی ادائی اس سے کر دو اگر ایک فہم بھرتی باقی ہوگی  
 تو المضاعف کر دیجائیگی اور پھر اس شخص کو خدا اپنے فضل و کرم سے جنت بھی عنایت  
 فرمائے گا اور یہی مضمون کتاب الدین اس اختصار کے ساتھ واقع ہے وان تک  
 حسنة یضاعفہا تسیرا ویوت من لدنہ اجرًا عظیمًا سے فضل عظیم ربانی کا  
 ذکر ہوا ہے یعنی اعمال حسنہ کی جزا کا المضاعف دینا تو ایک معمولی بات ہے عطاے ربانی تو اس سے  
 بڑھی ہوئی ہے۔ یعنی لذت دیدار عطا ہوگی۔ یہ عطا اعمال جسدی سے متعلق نہیں ہے بلکہ  
 محض عنایت ایزدی سے نفوس قدسیہ میں مادہ اشراق و صفا جو دلیعت ہے یہ اسکا نتیجہ  
 ہے۔ اور پھر فکیف اذا جئنا من کل امۃ شہید وجئنا بک علی هؤلاء شہیدًا

کے حال پر نظر نہیں کی جو آپ بڑے مقدس بنتے ہیں (اپنے آپ مقدس بننے سے کیا ہوتا ہے، بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے اور ظلم تو کسی پر ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہوگا۔ اس آیت کے نزول کی وجہ قبول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ ہے کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کے زمانے میں جب کوئی شخص گناہ کبیرہ کے بعد مرتا تھا تو لوگ اُسکی نسبت دوزخی ہونے کا حکم لگا دیتے تھے تو اسوقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں بجز شرک کے گناہ کبیرہ سے بھی معافی ملنے کی بشارت ہے۔ جملہ منہیات کی دو قسم ہیں۔ شرک۔ اور غیر شرک۔ غیر شرک میں گناہ کبیرہ بھی داخل ہے۔ شرک کی نسبت تو قطعی حکم ہے کہ معافی ہو نہیں سکتی۔ اس کے سوا خواہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ معافی کی یقینی امید ہے۔ مگر وہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے چنانچہ ان الله لا يغفر الخ کے ساتھ المترالی الذین یزکون انفسہم بل الله یزکی من یشاء میں بھی اسی بات کا اشارہ کیا گیا ہے کہ کسی کا مقدس بنانا بھی خدا کی مرضی پر موقوف ہے اسکی وجہ بہت صاف ہے کہ تزکیہ نفس تقویٰ سے متعلق ہے اور تقویٰ افعال قلوب سے ہے افعال قلوب کا حال سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اس آیت مابعد کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ حبیبِ اولیٰ یعنی ان الله لا يغفر الخ نازل ہوئی تو یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ ہم تو مشرک نہیں ہیں بلکہ خدا صکان بارگاہِ آسمی سے ہیں جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا۔ نحن ابناء الله واحباؤه۔ لن تمسنا النار الا اياما معدودات

۱۱ ہم بیٹے اللہ کے ہیں اور پیارے ہیں اُسکے ۱۲

۱۳ گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہمکو چھوئے گی (بھی تو نہیں ۱۲

تو اسکا کیا حشر ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک امت کے افعال کی نسبت اُن کے پیغمبروں سے شہادت لی جائیگی۔ اور ہمپر تو جبکہ قرآن مجید نازل ہوا ہے اگر ہم سے پوچھا جائے کہ تم نے اُس پر کس طرح عمل کیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اور پھر ہر زمانے کے لوگ اپنے معاصرین کے افعال کی شہادت دیں گے تو آخر اس کا کیا انجام ہوگا عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بھی اسی قبیل کی شہادت میں داخل ہے۔

غرض کہ ان آیات میں خویش واقارب اور یتیم و محتاجین کو نڈی۔ غلام کے ساتھ نیک سلوک کرنے یا تو بخل کو ترک کرنے اور نیک کام میں مال سے خرچ کرنے کی جس طرز سے ہدایت ہوئی ہے اور اس کا گہرا اثر اخلاق انسانی پر جو کچھ پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہم ایسے افعال کے عامل بھی بنیں یا کیا جان تک خیال کیا جاتا ہے اسی کی کمی ہے۔ باقی خدا کی نعمت تو جیسی کچھ قرآن مجید کے طفیل میں میسر ہے اسکا شکر ہم کیا ادا کر سکتے ہیں۔

قوله تعالى ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد افترى اثماً عظيماً۔ الم تر ان الذين يذكرون انفسهم بل الله يزكي من يشاء ولا يظلمون فتيلاً۔ ترجمہ۔ اللہ تو اس (جرم) کو معاف کرنے والا ہے نہ کہ اُس کے ساتھ کسی کو (شریک گردانا جائے) ہاں اس کے سوا جو گناہ جسکو چاہے معاف کر دے اور جسے (کسی کو) خدا کا شریک گردانا تو اُس نے (خدا پر طوفان) باندھا جو بہت ہی بڑا گناہ (ہے) (اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں



حکم نافذ اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں (انکا بھی) پھر اگر کسی امر میں تم (اور حاکم وقت) آپس میں جھگڑ پڑو تو اسد اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہو کہ اُس امر میں اسد اور رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ کہ یہ (تمہارے حق میں) بہتر ہو اور انجام کے اعتبار سے بھی (یہی طریقہ) بہت اچھا ہو۔

اس کے ماقبل اعمال صالحہ کا ذکر ہوا ہے چونکہ اجل اعمال صالحہ میں امانت کا واپس کرنا ہے جس کا ذکر ابتدائی آیت زیر بیان میں ہوا ہے لفظ امانت عام ہے خواہ امور دنیائے متعلق ہو یا آخرت سے۔

اس آیت کے نزول کی وجہ یہ ہو کہ بروز فتح مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے (جو کلید بردار کعبہ تھے) فرمایا کہ کنجی حوالے کر دو مگر انھوں نے کہا کہ یہ اسد کی امانت ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو لینا چاہا تو انھوں نے مٹھی بند کر لی تین مرتبہ بیٹھ کر اس کے بعد کنجی حوالے کر دی گئی تو حضور اقدس نے کعبہ میں داخل ہو کر طوان کیا اور یہ ارادہ فرمایا کہ کلید حضرت عباس کے حوالے کر دین۔ لیکن پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسکو تم اپنے ہی پاس لے لے دو۔ مگر عباسؓ بھی حصہ دار ہیں اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ لو یہ خدمت دو اما تمہیں کو مبارک ہو اس خدمت کو تم سے بجز ظالم کے کوئی نہ لے گا۔ اُسی وقت حضرت عثمان مشرف باسلام ہوئے۔ اور کلید برداری کی خدمت اپنے بھائی شیبہ کے حوالے کر کے مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے چنانچہ اب تک یہ خدمت

لن یدخل الجنة الا من كان هوذا او نصاریٰ اور بعض اس خیال فاسد میں مبتلا  
تھے کہ ہمارے اسلاف میں انبیاء بھی ہوئے ہیں وہ ہماری شفاعت کریں گے۔ ابن عباس  
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے  
بچوں کو لیکر حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا محمد کیا ان پر بھی کوئی گناہ ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں تو  
انھوں نے کہا کہ ہماری سالت بعینہ انھیں بیگناہ بچوں کی سی ہے جو گناہ شب کو ہم کرتے  
ہیں وہ صبح کو بخیر ہو جاتے ہیں اور جو گناہ دن کو کرتے ہیں رات کو مٹ جاتے ہیں۔ غرض کہ  
یہاں تک تقدس کا مبالغہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ کسی کو مقدس بنانا تو ہمارا  
کام ہے اپنے منہ سے آپ مقدس بنالغویات ہے۔ اجمال و ستائی اخلاقی عیب ہے اور قابل تہلیل  
قوله تعالى ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات الى اهليها واذا حكمتم بين الناس  
ان تحكموا بالعدل ان الله يعظكم به ان الله كان سميعا بصيرا ايتها  
الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم فان تنازعتم  
في شئ فمنذوا الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر  
ذلك خير واحسن تاويل ترجمہ (مسلمانو) اللہ کو حکم دیتا ہے کہ امانت کھنے والوں  
کی امانتیں (جب مانگین) ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصلہ کرنے لگو  
تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے (تمہارے حق میں) بہت اچھی ہے  
اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا (اور سب کچھ) دیکھتا ہے۔ مسلمانو! اللہ کا حکم نواور رسول کا

دوسروں کے نفع و نقصان کا خیال کرتا ہوا اسلئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہر واد احکمتہم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ یعنی امانت کے بعد عدل کو پیش نظر رکھیں حسن طرز بیان پر غور کرو تو لطائف معانی کا حال بھی ظاہر ہو سکتا ہے مثلاً دیکھو کہ جب تک انسان میں امانت داری کی صفت نہ ہو وہ عادل نہیں ہو سکتا یہ دو صفات بطور لازم و ملزوم کے ہیں حاکم پر عدل کرنا واجب ہے۔ حکام میں تین صفتوں کا ہونا ضروری ہے۔ خوف خدا انسانی خواہشات سے مبرا ہونا۔ اور قوم لاکم کی پروا نہ کرنا۔ ان باتوں میں سے جس قدر کی ہوگی اسی مناسبت سے صفتِ عدل پر بھی اثر پڑے گا۔ عدل کا وجوب۔ ظلم کی مذمت سے بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے وَلَا تَحْسِبِ اللّٰهُ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُونَ چونکہ ظلم کا ارتکاب اکثر دنیوی منفعت کے خیال سے ہوتا ہے اس سے محفوظ رکھنے کے لیے یوں انتباہ ہوئی ہے کہ لَمْ تَسْکُنْ مِنْ بَعْدِهِمُ الْاَقْلِیَاوُکَ نَاخُنُ الْوَارِثِیْنَ حکام عدلت کو فریقین کے ساتھ خصوصاً پانچ باتوں میں مساوات کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ جب فریقین جانسخت عدالت ہوں تو ان کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کیا جائے۔ اپنے سامنے دونوں کو برابر جگہ دینا۔ فریقین کی طرف یکساں متوجہ رہنا۔ فریقین کے بیانات برابر سننا۔ واقعات کے لحاظ سے دونوں میں سے جو کوئی دادرسی کا مستحق ہوا اسکے حق میں منصفانہ حکم کرنا۔ اور پھر ارشاد ہوا ان اللّٰهُ نَعْمَ الْعَظَمُ بِہِ یعنی خدا تعالیٰ امانت و عدل اختیار کی نسبت تمہیں اچھی

۱۷ اور ہرگز مت گمان کر اسد کو کہ بخیر ہو اس چیز سے کہ کرتے ہیں ظالم ۱۲

۱۸ ذلکما ائمنین پیچھے آنکے مگر تھوٹے۔ اور ہوئے ہم ہی وارث ۱۲

خاندان شیبہ میں باقی ہے۔

ہر کیف شانِ نزول کے لحاظ سے تفویضِ امانت کا حکم خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے کیونکہ انسان کا معاملہ یا تو خدا کے ساتھ ہوتا ہے یا مخلوقات کے ساتھ یا اپنے نفس کے ساتھ تو ہر حال میں صفتِ امانت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خدا کے ساتھ امانت داری یہ ہے کہ احکامِ الہی کی پابندی اور منہیات سے محترز رہیں۔ مثلاً زبان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ، غیبت، تہمت، الفافہ و بدعت، فحش وغیرہ سے محفوظ رکھی جائے۔ اسید طرح ہر ایک عضو کی حفاظت لازمی ہے۔ مخلوقات کے ساتھ امانت، نظر رکھنے کی صورتیں یہ ہیں کہ مال و دیعت میں خیانت نہ کریں۔ ناپ تول میں کمی زیادتی نہ ہو۔ عیب چینی نہ کریں۔ اگر صاحبِ حکومت ہوں تو رعایا کے ساتھ عدل کریں۔ علما کی امانت داری یہ ہے کہ عوام الناس کو عقائدِ فاسدہ کی تعلیم نہ دیں بلکہ عقائد و اعمالِ حق سکھلائیں جو موجبِ فلاح داریں ہیں۔ اور اپنے نفس کے ساتھ امانت کا برتاؤ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو باتیں دین و دنیا میں موجبِ سعادت و نفس ہوں اختیار کی جائیں شہوت و غضب سے نفس کو محفوظ رکھا جائے۔ انھیں لحاظ سے حضور اقدس نے فرمایا ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ بلکہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ لا ایمان لمن لا امانة له۔

انسان طبعاً جبلتِ منفعت اور دفعِ مضرت ذاتی کی طرف مائل رہتا ہے اس کے بعد

۱۴ تم سب کے سب نگہبان ہو اور سب کے سب پوچھے جاؤ گے اپنی رعیت سے ۱۲

۱۵ جس میں امانت کی عادت نہیں اُس کا ایمان ہی نہیں ۱۲

فقہانے شریعت کے چار اصول قرار دیے ہیں۔ کتاب اللہ۔ سنت نبوی۔ اجماع امت۔ قیاس  
اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کہ رو سے قرآن و حدیث کی اتباع ہر مسلمان پر واجب ہے۔  
واولی الامر منکم سے اطاعت اجماع امت مقصود ہے اور بعض نے اطاعت خلفائے  
راشدین بھی مراد لیا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت خالد بن ولید کی شان میں نازل ہوئی  
تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو حاکم فوج قرار دیکر روانہ فرمایا تھا جنہیں عمار  
بن یاسر بھی تھے۔ خالد اور عمار میں کسی بات میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اس وقت اولی الامر  
کی اطاعت کا حکم ہوا۔ ایک اور روایت میں ثعلبی نے ابن عباس سے اور حسن بن مجاہد  
اور ضحاک نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد علمائے امت ہیں جو پیابندی  
احکام شریعت فتویٰ دیا کرتے ہیں۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اولی الامر سے امرا اور سلاطین  
مقصود ہیں۔ کاروبار دنیوی کے لحاظ سے اسی قول کو ترجیح دینی ہو اس قول کی تائید  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے من اطاعنی فقد اطاع  
اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی  
امیری فقد عصانی ترجمہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدای تعالیٰ کی اطاعت  
کی۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی  
کی وہ خدا کا بھی نافرمان بردار ہے۔ اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی وہ میرے بھی  
نافرمان بردار ہے۔

اور بعضوں نے اطاعت امرا میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ مبنی برحق ہو تو اطاعت

ہدایت کرتا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ان اللہ کان سمیعاً بصیراً جسکا مفہوم یہ ہے کہ تم فریقین کے جن جن بیانات کو شکر حکم دیتے ہو خدا اسکو سنتا ہے اور تم لوگوں کی امانتیں کس حفاظت سے ادا کرتے ہو اسکو دیکھتا ہے۔ یہ آیت مطیعین کے لیے بمنزلہ وعدہ کے اور عاصیوں کے لیے بجائے وعید کے ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت کو یوں ادا فرمایا ہے اَعْبُدُ اللَّهَ کَانَکَ سِرَاحَ فَاَنْ لَمْ تَکُنْ سِرَاحَ فَاَنْ سِرَاحَ اصل یہ ہے کہ بلحاظ مصالح عباد اصول امانت و انصاف کو اعلیٰ پایہ پر قائم کرنے کی ضرورت تھی تو اسکی نگرانی اسد میاں اپنے ذمہ لیکر فرماتے ہیں کہ ہمارے احکام کی تعمیل کس طرح ہوتی ہے اسکو ہم دیکھتے اور سنتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے دیکھنے سننے سے بچنا محال ہے۔ جن لوگوں کو دنیوی حکومت حاصل ہے وہ اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ چونکہ حکام کو رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کے فیصلجات صادر کی ہدایت ہوئی ساتھ ہی رعایا کو ان احکام کی تعمیل کے لحاظ سے حکام کی اطاعت بھی ضرورت تھی اسلئے یوں ارشاد ہوا کہ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم ہنا خیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں حق علی الامام ان یحکم بما انزل اللہ ویؤدی الامانة فاذا فعل ذلك فحق علی الرعية ان یسمعوا ویطیعوا آیت زیر بیان میں اصول فقہ کا ذکر کر

۱۔ خدا کی عبادت (حضور قلب سے) اس طرح ہو کہ گویا تو اسکو دیکھتا ہے اگر تو اسکو نہیں دیکھ سکتا ہے تو سمجھ

کہ وہ تجھکو دیکھتا ہے ۱۲

۲۔ حاکم پر لازم ہے کہ بپابندی احکام الہی رعایا پر حکم صادر کرے اور امانتوں کو واپس نہ جب حاکم نے ایسا کیا تو رعایا پر واجب ہے کہ اسکے حکم سنیں اور تعمیل کریں ۱۲

ہو گیا۔ نص پر قیاس کو ہرگز مقدم نہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے یا ایہا الذین امنوا لا تقدروا  
 بین یدی اللہ ورسولہ اور اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے اذ اروی عنی حدیث  
 فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ والا ذرہ۔ بہر حال فنان  
 تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول سے اختیار قیاس کی اجازت ہے۔ اور  
 نیز اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول سے اس ادب کو پیش نظر رکھنے کی تعلیم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شریک کے طور پر ذکر نہ کیا جائے چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ من اطاع اللہ والرسول فقد رشد ومن  
 عصا ہما فقد غوی تو حضرت نے اس طرز بیان کو نا پسند فرمایا اور ہدایت کی کہ یون کہو  
 من عصی اللہ وعصی رسولہ کیونکہ اُس نے ضمیر ہما میں خدا کے ساتھ پیغمبر صاحب کو بھی  
 شریک کر دیا تھا۔ پیغمبر صاحب نے ادا اسکی اصلاح فرمادی۔ اور پھر ان کہتم توؤمنون باللہ  
 والیوم الآخر سے مومنین کو یہ ہدایت ہوئی کہ ذلک خیر و احسن تاویل یعنی جس  
 ترتیب کے ساتھ معاملات کے تصفیہ کا طریقہ بتلایا گیا ہے وہی سچسٹن ہے۔ دیکھو خدا اپنے رسول  
 کو کرم سے بندوں کی اصلاح حال کے لیے کس عمدہ ترتیب سے تصفیہ معاملات و فضل  
 خصوصیات کی ہدایت فرمائی ہے اگر انسان ان ہدایتوں کو پیش نظر رکھے تو کبھی وہ جادہ رستی سے  
 تجاؤ نہ کرے گا۔ حسن اخلاق کا اصل اصول خواہشات نفسانی کا مقابلہ ہے جو خیر فساد و معنی ہیں

۱۱ مسلمانوں! خدا اور اس کے رسول کے حکم سے تجاؤ نہ کرو ۱۲

۱۳ جبکہ مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسکو قرآن سے مطابقت کر لو اگر وہ موافق قرآن ہو تو اسکو قبول

کر لو ورنہ اسکو ترک کر دو ۱۴

واجب ہو والا کافر ضحکہ یہ ایک اختلافیہ مسئلہ ہے کتب فقہ میں دیکھا جائے۔ لیکن اس قدر اشارہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اگر اس مسئلہ کو باب اٹھاسی فتوحات مکیہ جزو ثانی میں دیکھا جائے تو اطمینان ہو جائے گا اُس مضمون کو بیان نقل کرنا مناسب سمجھا گیا لیکن تحریر صیحاوالہ لکھ دیا ہے ممکن ہے کہ بعض مطالعہ کنندگان کا شوق اور انکی ہمت اُس کتاب مقدس کے مطالعہ کے جانب بھی رہا ہو اور نیز اس حکم سے کہ فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والرسول قیاس مراد ہے۔ اگر کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے کہ کوئی صریح حکم کتاب اسد و حدیث نبوی اور اجماع اسکے لحاظ سے نہ دیا جاسکتا ہو تو اس وقت اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ اس قسم کے اور معاملات میں مسترآن و حدیث میں کیا حکم ہے اور اُس پر غور کر کے تصفیہ کرنا ہوگا اسی کو قیاس کہتے ہیں اس امر کے حل کرنے کے لیے واقعات عالم کی تقسیم دو طرح سے قرار دی جاسکتی ہے۔ ایک تو ایسے واقعات جن کی نسبت کتاب و سنت میں صریح احکام موجود ہیں۔ دوسرے ایسے واقعات کہ جنکی نسبت صراحت سے حکم نہیں ہے۔ تو قسم اول کے واقعات میں تو احکام کی اطاعت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے واجب گردانی گئی ہے۔ اور قسم دوم کے معاملات میں قیاس پر عمل کرنا ہوگا مگر اس بات کا بھی بحفاظ ضرور ہے کہ قیاس کا درجہ جو چوتھا ہے تو جب قرآن۔ حدیث اور اجماع است سے کسی مسئلہ میں صریح دلیل نہ ملے تو اس وقت قیاس سے کام لیا جائے وگرنہ ابلیس کا ساحل ہوگا کہ اُسکو تو خدا تعالیٰ نے صریح حکم دیا تھا وَاذْقِنَا لَمَلَكَةِ السَّجْدِ وَلَا دَمَ فَسْجَدَ إِلَّا ابْلِیسَ مگر اُس نے خَلَقْتَنی مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِینٍ کے قیاس سے کام لیا اور مردود

۱۲ جبکہ کہا ہے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انھوں نے مگر ابلیس نے نہیں کیا، ۱۲

۱۳ پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا (انسان) مٹی سے ۱۳



علم کا حقہ سولے پروردگار عالم کے کسی اور کو نہیں ہوا اور وہ متوجہ بالخیر ہے۔ اس لیے ہر زمانے میں سول مبعوث ہوتے رہے تاکہ احکام الہی کی تعلیم کریں۔ اور آخر میں خاتم المرسلین مبعوث ہوئے اور قرآن مجید عطا ہوا جس میں تمام ضروری ہدایات کا ذکر مندرج ہے یا جو دہیسی نعمت کے موجود ہونے کے بعض لوگ اُس سے مستفید نہیں ہوتے تھے اور ضلالت میں مبتلا رہتے تھے مگر اس کی حقیقت سولے خدا تعالیٰ کے کسی پرنکشف ہونا محال ہے اس لیے باذن اللہ کے الفاظ سے اس بات کو ظاہر فرمایا گیا ہے خدا کی توفیق جس کی رفیق ہوتی ہے وہ ہی اطاعتِ سول اختیار کرتے ہیں جن سے مومنین مراد ہیں اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک رسول کو شریعت عطا ہوئی ہے تاکہ ان کے متبعین اس شریعت کی اتباع کریں اور اس سے انبیاء علیہم السلام کا ذنوب و معاصی سے معصوم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ گناہ سے معصوم نہ ہوتے اور بالفرض کسی معصیت کا ارتکاب کرتے تو اس کی بھی اطاعت لازم ہوتی جس سے ایجاب و تحریم کا توارد واقع ہوتا جو محال ہے۔ پھر اس کے بعد حکم ہوا و لو انھم اذ ظلموا انفسہم جاؤا فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجود اللہ تو اباً رحیمًا شان نزول آیت کی وجہ ابوبکر صم نے یہ لکھی ہے کہ چند منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر کرنے کے قصد سے حاضر ہوئے مگر اُسی وقت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ کو اس امر سے آگاہ کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا ان قوم داخلوا بیدین انہم لا یزالونہ فلیقوموا ولیستغفروا اللہ حتی استغفروا لھم فقوموا فقال لا تقومون فلم یفعلوا فقال صلی اللہ علیہ وسلم قم یا فلان قم یا فلان حتی عدائنی عشر

جب طبیعت انسانی احکام و ہدایات الہی کی خورگ ہو جاتی ہے تو نئے اخلاق سے پاک صاف ہو جاتی ہے۔  
 قَوْلُهُ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا  
 أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا  
 رَّحِيمًا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا  
 فِي الْأَنْفُسِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ترجمہ اور جو رسول ہننے بھیجا اسکے  
 بھیجنے سے ہمارا مقصود (ہمیشہ) یہی رہا ہے کہ اس کے (یعنی ہمارے) حکم سے اس کا سامنا ناجائز  
 اور دے بغیر، جب ان لوگوں نے (تمہاری) نافرمانی کر کے اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا اگر سوت  
 یہ لوگ تمہارے پاس آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول (یعنی تم بھی) ان کی معافی چاہتے  
 تو دیہ لوگ، دیکھ لیتے کہ اس بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ پس دے بغیر تمہارے  
 (ہی) پروردگار کی قسم ہر کہ جب تک (یہ لوگ) اپنے باہمی جھگڑے تم ہی سے فیصلہ نہ کر لیں  
 اور صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے کسی طرح دلیہ بھی نہوں بلکہ دل  
 و جان سے) اس کو قبول کر لیں (غرض جب تک سب کچھ نہ کر لیں اس وقت تک) ان کو  
 ایمان سے بہرہ نہیں۔

اگرچہ اس سے قبل اطیعوا اللہ الخ سے اطاعت رسول کا حکم ہو چکا تھا باوجود  
 اس امر کے بعضوں کی یہ عادت تھی کہ اپنے معاملات کا تصفیہ بتوں پر متوکل کرتے تھے اور  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرتے تھے اس نئے طریقہ کے ترک کرنے کے لیے  
 مکرر ارشاد ہوا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ چونکہ مصالح عباد کا

رسول پر رضامندی ظاہر کیجائے اور پھر تم کو لایحید وافی نفسہم حرجاً سے اس بات کی تاکید بھی ہوئی کہ رضامندی صرف دکھائے کے لیے نہ ہو بلکہ قلبی ہو مگر بعض مفسرین نے اس شرط کو اور بھی نرم کیا ہے کیونکہ رغبت و نفرت قلبی ایسے امور ہیں کہ جو خدا کے قبضہ اقتدار میں ہیں وہ جسکو چاہے دے۔ انسان کی وسعت سے خارج ہیں ایسے وہ یہ تعبیر کرتے ہیں کہ حکم رسول کے حق سمجھنا اور اسکی تصدیق کرنی کافی ہے۔ اور یہ سلو اسلیمہ سے توجیہ اول کی ہی تائید ہوتی ہے کہ جب حکم رسول کی تصدیق قلبی ہو لی تو پھر لظاہر بھی مطیع و منقاد ہونا چاہیے۔ بہر کیف جب تک اتباع نبوی اختیار نہ کیجائے اخلاق حسنہ کا سیدھا راستہ مل نہیں سکتا۔

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزلِ نخواستہ رسید

قوله تعالى وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ترجمہ اور جو اسدا اور رسول کا کہا مانے تو ایسے ہی لوگ (جنت میں) ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اس نے انٹے بٹے احسانات کیے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور (دوسرے) نیک بندے اور ان لوگوں کا ساتھ ہی کیا ہی اچھا (ساتھ) ہے۔ یہ اس کا فضل ہے اور اس ہی کا جانا پس کرتا ہے کہ اس کے فضل میں سے کس کو کتنے کا حق ہے۔

آیات سابقہ میں طاعت خدا و رسول کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اپنی حاجات کے تصفیہ میں بتوں کی طرف رجوع کرنے سے بغیر بدن کی جانب رجوع کرنا بہتر ہے

رجلا منهم فقاموا وقالوا لکنّا غزّا منّا علی ما قلت ونحن نتوب الی اللہ من ظلماتنا  
انفسنا فاستغفر لنا فقال الان اخرجوا عنا کنت فی بداء الامر اقرب الی  
الاستغفار وکان اللہ اقرب الی الاجابة اخرجوا عنی  
تو ابارحیما کے الفاظ سے استفاد ہوا ہر کہ توبہ کا قبول ہونا امر یقینی ہے۔

اور پھر ارشاد ہوا فلا وربک لا یؤمنون حتی یشکوک فیما شجر بینہم ثم  
لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلو ان سلیماء عودہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ایک  
انصاری اور زبیر سے کھجور کے باغ کے لیے پانی لینے کے نسبت نزاع پیدا ہوئی۔ اور یہ جھگڑا  
تصفیہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے زبیر سے فرمایا۔ اسق ارضک  
ثم اربسل الماء الی ارض جادک تم پہلے اپنی زمین کو سیراب کر لو اور پھر اپنے ہمسائے  
کے لیے چھوڑ دو تو انصاری نے کہا شاید یہ حکم اس لحاظ سے دیا گیا ہو کہ وہ آپ کی چھٹی  
کے فرزند ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تو پھر آپ نے زبیر سے فرمایا  
اسق ثم احبس الماء حتی یشبع الجدار۔

ہر کیفیت اس آیت شریف کا مقصود یہ ہے کہ تکمیل ایمان کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ حکم  
ایک جماعت حاضر ہو کر ایک ایسی بات کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے جس کو وہ صل نہیں کر سکتی پس انکو پہلے خدا سے مغفرت  
طلب کرنا چاہیے میں بھی انکے حق میں عاصی مغفرت کرو گا اگر اٹھو بیٹا ایسا نہیں کیا تو اپنے فرمایا کیون ایسا نہیں کرتے ہو۔ آخر کار  
آپ نے ایک ایک طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اٹھو بارہ شخصوں کو اسی طرح فرمایا وہ سب اٹھے اور کہا کہ ہم بھی یہی قصد کر چکے  
تھے جیسا کہ اپنے فرمایا اب ہم اُن مظالم سے خد کی بگاہ میں توبہ کرتے ہیں جو ہم نے اپنے نفسوں پر کیا ہے اب بھی ہمارے لیے ہمارا  
دعا سے مغفرت فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے پاس سے چلے جاؤ کہ اب استغفار اور اجابت کا وقت گزر گیا ۱۲  
۱۳ اپنی زمین کو پانی دواؤ پھر بند کر دیا تاکہ کہ دیوار یا گھاس تک پہنچے ۱۲

اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار کوہ احد پر تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ساتھ تھے اتنے میں بھونچال آیا۔ تو آپ نے فرمایا اے احد ٹھہر جا کہ اس وقت تجھ پر نبی (یعنی میں) اور صدیق (یعنی حضرت ابوبکر) اور شہید (یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان) رضی اللہ عنہم ہیں۔

محققین مفسرین شان نزول کی ایک خاص وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ امت کو طاعت کی ترغیب ہو۔ یعنی جو لوگ خدا و رسول کی اطاعت دل سے کرتے ہیں وہ مدارج اعلیٰ پر فائز ہونگے اصل طاعات الہی یہ ہیں کہ انسان کی روح انوار معرفت الہی سے منور ہو جائے جب روح کی تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ مثل ایک مصفا آئینہ کے ہو جاتی ہے۔ اُس میں کسی قسم کا غبار باقی نہیں رہتا۔ حجابات جسمانی اٹھ جاتے ہیں اور انوار جلال الہی کا پر تو اس پر پڑتا ہے اور یہ انوار ایک دوسرے پر منعکس ہوتے ہیں۔ اور پھر حسب قوت انعکاس اس کا حشر انبیاء علیہم السلام و صدیقین و شہدائے ساتھ ہوتا ہے۔ صدیق وہ ہے کہ جسمین صفت صدق کا غلبہ ہو جو برگزیدہ صفات بشری سے ہے۔ کیونکہ ایمان بھی تصدیق ہی کا نام ہے صدق کے مقابلہ میں کذب ہے جو کفر کا مصداق ہے۔ بعض نے صدیق کا معنی یہ کیا ہے کہ جس کسی نے تصدیق رسول علیہ السلام میں سبقت کی ہو وہ صدیق ہے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اولویت ہے۔ اور آپ کا لقب بالاتفاق صدیق ہو گیا۔

اس کے بعد شہید کا درجہ ہے اگرچہ عام طور پر وہ لوگ شہید کہلاتے ہیں جو کفار کے ہاتھ سے مارے گئے ہوں مگر شہید کا مرتبہ اس سے بھی زیادہ ہے صرف کافروں کے ہاتھ سے

اور پھر ان آیات میں تاکید اطاعت رسول کا حکم اور اسکے فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور شانِ نزل یہ ہے کہ ایک بار ثوبان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے اور آپ سے کمال محبت رکھتے تھے خدمت فیض درجہ میں حاضر ہوئے کمال محبت کی یہ حالت تھی کہ اگر دم بھر بھی جمال مبارک سے مشرف نہ ہوں تو یسچین ہو جاتے تھے جب ثوبان حاضر خدمت اقدس ہوئے تو چہرہ انکا بہت متغیر تھا اور نہایت غمگین تھے حضور انور نے مزاج پرسی کی تو انھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی بیماری سولے اسکے نہیں ہے کہ اگر جمال جہان آرا کو تھوڑی دیر بھی نہ دیکھوں تو وحشت بڑھ جاتی ہے اور صبر نہیں آتا۔ دفعۃً اس بات کا خیال ہو گیا کہ جب دنیا میں یہ حال ہے تو آخرت میں میرا کیا حشر ہو گا کیونکہ حضور اقدس تو اپنے علو مرتبت کی وجہ انبیا علیہم السلام کے ساتھ حبیب کے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اور میں عوام الناس کے ساتھ تو پھر وہاں حضرت کے دیکھنے کی کیا سبیل ہوگی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے ایک انصاری کی محبت کے ساتھ شان نزول کا تعلق بیان کیا ہے کہ وہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اپنے ایک باغ میں تھے ان کے فرزند نے واقعہ جانکاہ وفات جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی تو بے اختیار انکی زبان سے یہ الفاظ نکلے اللہ اعنی حتی لا اری شیاً بعدہ الی ان القاه یعنی خدایا مجھ کو دنیا کرنے تاکہ آخرت میں جنتک میں آنحضرت کو نہ دیکھوں دنیا میں کوئی اور چیز نہ دیکھنے پاؤں اُسی وقت آپ کی بصارت جاتی رہی۔ خدا اپنے فضل و کرم سے انکی آرزو کو آخرت میں پورا کرے گا۔

اختیار کرنے کی کیسی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور بیشک بغیر اچھی صحبت اختیار کرنے کے اخلاقِ حسنہ کی کمائی بھی دستی نہیں ہوتی پر تو قلوبِ نیکانِ کسیر کا کام دیتا ہے۔ اور بد صحبت ہر ہلاک ہے۔  
 قوله تعالى مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ  
 وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ثُمَّ جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ وَكَانَ الْعَذَابُ حَقِيقًا  
 تجھ کو کوئی فائدہ پہونچے تو (سمجھ کہ) اس کی طرف سے ہے۔ اور تجھ کو کوئی نقصان پہونچے تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہونچا دیا (بناکر) بھیجا ہے۔ (اور تمھارے پیغمبر ہونے کے لیے خدا کی گواہی بس کرتی ہے) جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے اس ہی کا حکم مانا اور جو پھر بٹھیا تو (اے پیغمبر) تم سے اس کی کچھ باز پرس نہیں کیونکہ ہم نے تم کو کچھ ان لوگوں کا پاس بان (بناکر) نہیں بھیجا۔

بقول ابو علی جبانی لفظ سیئۃ کبھی تو سختی اور بلا کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی گناہ کے معنی میں جب سیئۃ سے شدت و بلا کا معنی مقصود ہوتا ہے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے جیسا کہ قل کل من عند اللہ میں شدت و بلا سے سیئۃ ہی مراد ہے اور جب گناہ کا معنی لیا جاتا ہے تو اس کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے جیسا کہ آیت زیر بحث میں مقصود ہے وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کے کام کو نہایت حفاظت سے ادا کر دیا کوئی قصور آپ سے اس معاملہ میں سرزد نہیں ہوا جس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور

ماراجانا فزیل کا باعث نہیں ہے۔ دراصل شہید وہ ہے کہ صحت دین پر کبھی توجہ نہ دے اور  
 کبھی سیف و سنان سے گواہی دینے والا ہو۔ جیسا کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے شہد الله  
 انه لا اله الا هو الملك العليم قائما بالقسط۔ وكذلك جعلناكم امة وسطا  
 لتكونوا شهداء على الناس اور صالح وہ ہے کہ جس کا اعتقاد اور عمل دونوں درست ہوں۔  
 اس ترتیب بیان کا مفاد یہ ہے کہ دین حقہ کی تعلیم اکابرین ملائکہ کو اسد جل شانہ سے  
 حاصل ہوتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ سے۔ صدیقین کو انبیاء علیہم السلام سے۔  
 اور شہداء کو صدیقین سے۔ صالحین شہداء سے دین حق حاصل کرتے ہیں۔

اور پھر ارشاد ہوا کہ حسن اولئك رفيقاً رفیق وہی ہے کہ شدت محبت کے  
 سبب سے سفر و حضر میں کام آئے پس جن کو انبیاء علیہم السلام و صدیقین وغیرہ سے انس  
 ہوگا وہ تو دنیا و آخرت میں ہر طرح سے مدد و معاون رہیں گے ان سے بہتر کسی کا ساتھ  
 نہیں ہو سکتا **مصرع** صحبت صالح تر اصباح کس

اور پھر ذلک الفضل من اللہ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بجز عنایت الہی کے ایسے  
 نعمات میسر نہیں ہو سکتے۔ اور پھر مزید ترغیب و تاکید کے لحاظ سے ارشاد ہوا ہے کہ و کفی  
 باللہ علیمائے نعم جو لوگ احکام الہی کی دل سے اطاعت کرتے ہیں انکو جو کچھ جزا  
 ملنے والی ہو اسکو خدا ہی جانتا ہے۔ اس سے میر ہن ہو سکتا ہے کہ انسان کو اچھی صحبتوں کے

**لے** گواہی دی اس نے یہ کہ نہیں کوئی مبعود مگر اسد۔ اور گواہی دی فرشتوں نے اور صاحب علموں نے  
 کہ خدا برسر انصاف ہے ۱۲

**لے** اور اس طرح سے کیا ہننے تکلمت بیچ کی یعنی بہتر تاکہ گواہ ہو تم ۱۰۔ لوگوں پر ۱۱



اعراض سے بہت تکلیف ہوئی تھی تو خدا نے تسلی و اطمینان دلانے کے طور پر فرمایا ہے کہ تم کو لوگوں کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ تم انکو گناہوں سے بچاتے رہو تمہارا کام صرف تبلیغ احکام کا ہے وہ کیسے جاؤ ہماری توفیق جسکی رفیق ہوگی وہ راہِ راست پر آجائے گی باقی خیریت ہے۔ دیکھو اس سچے ارشاد کا اثر اخلاق پر کیسا گہرا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ غیبر کی عطیہ لازمی جانتے ہیں وہی خستہ خصلتیں ہوتے ہیں۔ اللہ و رسول کی فرمان برداری کو بالائے طاق رکھ کر خواہشات نفسانی کے دریغ ہونائے عادات کو راسخ کرنا ہے۔

قوله تَعَالَى وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا اَفَلَا يَتَذَكَّرُ الَّذِينَ اَلْفَرَانِ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِهِ وَ لَوْ رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلَى اُولٰٓئِ اَمْرٍ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِي يَسْتَغْنٰى عَنْهُمْ وَ لَوْ اَفْضَلُ لِلّٰهِ عَلَيْهِمْ دَرَجَةً لَا تَتَّبِعُهُمُ الشَّيْطَانُ اَلَا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کا راز پس ہے تو کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور نہیں کرتے (کہ کہیں سر مو فرق نہیں) اور اگر قرآن خدا کے سوا (کسی اور) کے پاس سے (آیا) ہوتا تو ضرور اس میں بہتے اختلاف پاتے اور جب انکے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسکو (سب میں) اڑا دیتے ہیں اور اگر اس خبر کے بارے میں رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جمع کرتے جو انہیں برسر حکومت ہیں تو بغیر اور حاکمون میں سے جو لوگ اس (بات کی صلیت) کو کھود نکالنے والے ہیں اس خبر (کی حقیقت) کو معلوم کر لیتے (اور غلط خبر) کے مشہور ہونے کی توجہ نہ آتی اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی مہربانی تو چند آدمیوں کے سوا تم (سب کے سب) شیطان

با این یہ ارشاد ہوا کہ تمہارے جد و جہد کی گواہی ہم خود دیتے ہیں مگر سمجھ رکھو کہ ہدایت کا دنیا  
 اسکی غنایت پر موقوف ہے۔ بیان اس قد بیان کر دینا مناسب ہے کہ لفظ ہدایت کے بطور حصہ و  
 معنی قرار دیے جاسکتے ہیں ایک تو ارادۃ الطریق یعنی راہ کا بتلا دینا یہی کام انبیاء علیہم السلام  
 کا ہے اور دوسرا ایصال الی المطلوب یعنی مقصد تک پہنچا دینا یہ کام اسد جل شانہ کا ہے جیسا کہ  
 آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ مِّنْ هَدَايَتِكَ مَفْهُوم  
 ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ سالت کو جس احتیاط سے ادا فرمایا ہے اسکی توثیق  
 پھر یوں بیان کی گئی ہے کہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا اَرْسَلْنَاكَ  
 عَلَيْهِمْ حَفِیْظًا جِسْنِ رَسُولٍ كَا حَكْمَانَا اِنَّهُ اسد ہے کا حکم مانا تو فیق آئی جسکی رفیق ہوتی ہے وہی  
 اتباع نبوی اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ آپ معصوم ہیں اگر معصوم نہ ہوتے تو آپ کی فرمان برداری کو  
 خداے تعالیٰ اپنی فرمان برداری کے ساتھ منسوب نفرماتا۔ اور نزول آیت کی وجہ مقاتل نے  
 یہ لکھی ہے کہ پیغمبر صاحب اکثریہ فرماتے تھے کہ مَنْ اَحْبَبَنِي فَقَدْ اَحْبَبَ اللَّهَ وَمَنْ اطَاعَنِي فَقَدْ  
 اطَاعَ اللَّهَ تو منافقون نے کہنا شروع کیا کہ (معاذ اللہ) آپ شرک کی حد تک پہنچ گئے کہ  
 غیر اللہ کی عبادت سے تو منع کرتے ہیں مگر اپنے آداب کو جائز کہتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا  
 اعتقاد عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے تو اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مگر ان لوگوں کی سمجھ میں  
 یہ نہیں آیا کہ دراصل جو حکم آپ فرماتے تھے وہ حکم الہی ہوتا تھا جسکا مقصد یہ تھا کہ سختی عباد  
 سوائے خداے تعالیٰ کے دوسرا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِیْظًا  
 سے اس شبہ کو رفع فرما دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ مقتضائے رقت قلب حضرت کو کافرون کے

کر کے جھوٹی خبریں اُڑا دیا کرتے اور اگر مسلمان کچھ خوفِ مشکل کی حالت میں مبتلا ہو گئے تو اُس پر اور حاشیہ چڑھا دیتے تاکہ ضعیف القلب لوگ اسلام سے منحرف ہو جائیں ایسی جھوٹی خبروں کے شائع کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہو اور پھر یہ تعلیم ہوئی ہو کہ جب کبھی امن و خوف کی خبروں کی اصلیت معلوم کرنا مقصود ہو تو بہتر طریقہ یہ ہو کہ رسول یا صاحبِ حکومت سے استفسار کریں تاکہ اصلی واقعات کا علم ہو جائے جیسا کہ لَعَلَّہُ الَّذِینَ یَسْتَدِیْطُوْنَہُمْ سے اس بات کی طرف ایما ہوا ہو اور پھر ارشاد ہوا کہ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ لَکُنْتُمْ مِّنَ الشَّیْطٰنِ الْاَقْلَیِّ لَا جِسْمًا مَّقْصُودِہِ ہو کہ یہ بھی خدا کا فضل و کرم ہو کہ بطفیل نزولِ قرآن مجید و بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے لوگ دائرۂ ہدایت میں داخل ہو گئے اگر ایسا نہ ہوتا تو باشتناے چند یعنی قیس ابن ساعدہ و ورقہ ابن نوفل و زید بن عمرو بن نفیل کے قبیل از بعثت آنحضرت کے بھی حالتِ اسلام میں تھے بہت سے لوگ شیطان کے چیلے نگرِ حالتِ کفر و طغیان میں مبتلا رہتے۔ بہر کیف جھوٹی خبروں کے شائع کرنے سے جو مضربِ اخلاق ہو منع فرمایا گیا ہو۔ مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ جہاں انسان کی زبان سے جھوٹ بات نکلی کہ وہ بے اعتبار ہو گیا۔

قَوْلُہٗ تَعَالٰی مَن یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً تَکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْہَا وَمَن یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً لَّا یُکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْہَا وَكَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّضِیْمًا وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِحَیَّیۡہِ فَحَبُّوْا بِحَسَنِ مِّنْہَا اَوْ رُدُّوْہَا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبٌ ترجمہ۔ جو شخص نیک بات کی سفارش کرے (قیامت کے دن) اُس (نیک کام کے اجر) میں سے اُسکو بھی حصہ ملے گا اور جو

کے پیچھے لگ لیے ہوتے۔

آیت ماقبل میں منافقین سے اعراض کا حکم ہر اور انکے افعال کا اظہار علانیہ  
 نکرانے کی ہدایت ہوئی تاکہ کوئی شر و فساد پیدا نہ ہو۔ مگر منافقین برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 تکلیف پہنچاتے جاتے تھے اور ان سے اقسام کے نقصانات کا اندیشہ تھا اسیلے  
 یون ارشاد ہوا کہ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا** محمد تم ہر بات میں خدا پر بھروسہ  
 رکھو اُس پر بھروسہ کرنا کافی ہے کہ وہی کافی المہمات ہے۔ علی ہذا منافقین قبول اسلام و نبوت  
 میں بھی تامل کرتے تھے اور اسلام میں طرح طرح کے خدشات پیدا کرتے تھے تو بمقتضا  
 فضل و کرم ذاتی انکو راہِ رست پر لانے کے لیے حکم ہوا کہ **أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُرْآنَ وَلَوْ  
 كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا** منافقین تم اس بات پر تو غور  
 کرو کہ جو کلام پاک (قرآن مجید) ہم نے نبی امی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اگر وہ ہمارا کلام نہ ہوتا تو کیا  
 وہ ایسا مدلل ہو سکتا تھا اگر وہ کسی اور کا کلام ہوتا تو ضرور سُہین بہت کچھ اختلافات واقع ہوتے  
 قرآن سے صحت نبوت کی تصدیق تین وجہ سے ہوتی ہے ایک تو بلحاظ فصاحت کے  
 دوسرے اخبار غیبی کے اندراج سے۔ تیسرے اختلافات سے محفوظ رہنے سے۔  
 غیب کی خبر وقتاً فوقتاً منجانب اللہ آنحضرت کو تبلیغ ہو جاتی تھی کہ آپ کے بیان میں کوئی اختلاف  
 واقع نہ ہو **وَإِذَا جَاءَهُمْ أَحْمَرُ الْحَبْنِ أَوْ الْوَقْفِ أَوْ الْغَوَابِ** سے یہ بیان ہوا ہے کہ ہر گز  
 کفار کو مسلمانوں سے بے عداوت تھی تو وہ فضول خبروں کے شائع کرنے کے طریقے اختیار  
 کر لیتے تھے مثلاً اگر مسلمانوں کو ذرا بھی امن کی حالت میسر ہوتی تھی تو اُس میں کچھ کچھ آئرش

جب کوئی سلامتی سے ہے تو وہ لا محالہ زندہ بھی ہوگا برخلاف اُسکے ہر ایک زندہ شخص کا آفات سے محفوظ رہنا لازمی نہیں ہے۔ قطع نظر اُسکے سلام خدا کا نام بھی ہے۔ جب کسی سے ملاقات ہو تو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک سے گفتگو کی ابتدا موجب خیر و برکت ہے۔

**فائدہ** مومنین پر بارہ مواقع میں بجانب اللہ سلام کا ذکر ہوا ہے۔

(۱) ایک توازل میں جب کہ خود خداے تعالیٰ نے وصف ذاتی کا ذکر یوں فرمایا

الْمَلِئُ الْفُؤُ وَنَسَّ السَّلَامُ۔

(۲) دوسرا جبکہ خداے تعالیٰ نے نوح علیہ السلام پر اپنا سلام بھیجا تو اُس میں

مومنین کو بھی شامل فرمایا ہے۔ یعنی يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ جس سے مراد امت محمدی ہے۔

(۳) اور بزبان جبریل علیہ السلام بھی اللہ نے مومنین پر سلام بھیجا ہے جیسا کہ

ارشاد ہوا ہُوَ نَزَلَ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ مَوْجِدٍ سلام ہی حتیٰ مطلع الفجر۔

(۴) زبان موسیٰ علیہ السلام سے بھی سلام ارشاد ہوا یعنی وَالسَّلَامُ عَلَيَّ وَمِنَ اتِّبَاعِ الْكُتُبِ

۱۱ بادشاہ پاک ذات و محفوظ ہر عیب سے ۱۲  
۱۳ جب طوفان ہٹ گیا تو نوح کو حکم دیا گیا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کا ساتھ کشتی سے اُترو (اور وہ برکتیں) تھامے شامل حال ہیں گی اور ان لوگوں کو جو تمھارے ساتھ ہیں ۱۴  
۱۵ اس رات (آئندہ سال کے) ہر ایک انتظام کے لیے فرشتے اور جبریل اپنے پروردگار کے حکم سے (زمین پر) اُترتے ہیں وہ (رات امن) اور سلامتی کی رات ہو اور (طلوع فجر تک) اُسکی برکت

رہتی) ۱۲

۱۶ اُن بندوں پر سلام ہے جنھوں نے ہدایت کی اتباع کی ۱۲

ہری بات کی (شفاعت) کرے اس کے (وبال) میں وہ بھی شریک ہوگا اور اسد ہر چیز کا مالک  
 و مختار ہو اور جب تم کو کسی طرح پر سلام کیا جائے تو تم (اسکے جواب میں) اس سے بہتر طور  
 پر (کرو یا) کم سے کم، ویسا ہی جواب دو اسد ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (تکو اسکا اجر دیگا۔  
 حدیث شریف میں وارد ہے کہ مَنْ دَعَا لَخِيٍّ بِظَهْمٍ اسْتَجِيبَ لَهُ وَقَالَ الْمَلَكُ  
 لَهُ وَلَكَ مِثْلُ ذَلِكَ یعنی اگر کوئی غائبانہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرے  
 تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی اسی قدر نیکی ہے یہی مراد شفاعت حسنہ ہے جسکا ذکر من  
 يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّمَّا فِيهَا میں ہے اور شفاعت سیئہ کی مثال یہ ہے کہ یہو کی  
 عادت تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتے تو بدینتی سے کہتے  
 السَّامَ عَلَيْكُمْ سام کے معنی موت کے ہیں۔ ایک باریہ آداز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ  
 عنہا کے سمع مبارک میں پہنچی تو آپ نے بے اختیار فرمایا علیکم السَّام واللعنۃ انتقلون  
 هذا للرسول یعنی اے بدبختوں تم کو موت آئے اور تم پر خدا کی لعنت ہو کہ رسول خدا  
 کی شان میں ایسی بدگوئی کرتے ہو۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال جو کوئی اچھا کام  
 کرے اُسکو اچھی جزا اللہ سے ملیگی اور جو کوئی برائی کرے اُسکا نتیجہ ویسا ہی پائے گا  
 وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا کا یہی مفہوم ہے۔ قبل اسلام عرب کی یہ عادت تھی کہ وقت ملاقات  
 حیثاً اللہ کہا کرتے تھے یعنی جینے کی دعا کی جاتی تھی اسلام میں یہ لفظ سلام سے بدل  
 دیا گیا اور معنی سلام مستعمل ہو گیا جیسا کہ خود قرآن مجید میں واقع ہے تَحِيَّاتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَ السَّلَامَ  
 اور نیز السلام علیک کے الفاظ حیثاً اللہ سے معنی بھی اتم و اکمل ہیں کیونکہ

(۹) ارواح طاہرہ بھی مومن پر سلام بھیجتی ہیں وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ

فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ۔

(۱۰) بزبان رضوان خازن جنت بھی مومنین پر سلام بھیجا گیا ہے وَسَيُنَادِيهِمُ

اتَّقُوا رَبَّ هُمْ إِلَى الْحُكْمَةِ زُمْرًا حَتَّىٰ إِذَا أَجَاؤُهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ۔

(۱۱) دخول جنت کے وقت بھی مومنین پر ملا کہ سلام کرتے ہیں وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونُ

عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

(۱۲) بلا واسطہ خود پروردگار عالم بھی مومنین پر سلام بھیجتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

نَحْنُ نَبُشِّرُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ۔

دلائل قرآنی سے سلام کی فضیلت خصوصاً تین وقت میں ثابت ہے وقتِ پُرشیا

وقتِ موت۔ وقتِ حشر کیونکہ ان اوقات میں انسان کو سلامتی کی جلد ضرورت ہے اس لیے ارشاد ہوا ہے

۱۔ اور اگر مردہ ہونے لگے ہاتھ والوں میں سے ہو تو دُاُس سے کہا جائے گا کہ اے شخص ہو اپنے ہاتھ والوں میں سے ہر تجھے سلام۔

۲۔ اور جو لوگ (دنیا میں) اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں انکو بھی (ٹولیاں بنانا کر محبت کی طرف لیجاؤ گے یہاں تک کہ جب یہ لوگ) ہشت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (تو ان کے لیے پہلے ہی سے) کھلے ہوں گے (تو ان کی بڑی آؤ بھگت کیجاؤ گے) اور ہشت کے کل ہوکل ان سے سلام علیک کر کے کہیں گے کہ تم (دُشے) مرنے میں ہے ۱۲

۳۔ اور جب کے ہر مردہ اپنے سے فرشتے ان کے پاس آکر ان سے سلام علیک کریں گے (اور کہیں گے دنیا میں) جو تم صبر کرتے

ہے ہو یہ اُس کا صلہ ہے سو راتِ شام (اللہ) کہ تمہاری دنیا کا بھی کیسا اچھا انجام ہوا ۱۲

۴۔ جس دن یہ لوگ خدا سے ملیں گے (اس کا) سلام ان کی سلامی ہوگی ۱۲

۵۔ پروردگار مہربان اپنی طرف سے سلام کہلا بھیجے گا ۱۲

(۵) زبان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سلام اس طرح ارشاد ہوا **سَلَامٌ عَلَیْ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ**۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ مومنین کو سلام کریں **وَاِذَا جَاؤُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ یَاٰیْتَنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔**

(۷) امت محمدیہ کو آیت زیر بیان میں سلام کرنے کا حکم ہوا **وَإِذَا جِئْتُمْ بِحَیَّہِ فَحِیُّوْا بِاِحْسَنِ مِنْهَا** اور **رُدُّوْهَا۔**

(۸) بزبان ملک الموت یون سلام ارشاد ہوا **السَّلَامُ عَلَیْکُمْ الْمَلَائِکَہُ طَیِّبَہِ**۔ یہ قولون سلام علیکم مومن کی قبض روح کے وقت ملک الموت کہتے ہیں کہ خداے تعالیٰ کا تجھے سلام ہو جنت اور جو رعین تیری مشتاق ہیں۔ جب یہ خوشخبری مومن کے کان میں پڑتی ہے تو کمال اشتیاق سے کہتا ہے کہ اس بشارت کا تحفہ بارگاہ رب العزت میں میری جانب سے گزرا نا جائے وہ تحفہ یہ ہے کہ میری روح فوراً قبض کر لے گا کہ اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ میرے پاس نہیں ہے۔

**۱۔** (اے پیغمبر) کہو کہ (نافرانوں کے ہلاک ہونے پر) خدا کا شکر ہوا اور (اُن) بندگانِ خدا کو سلام ہو جن کو اُس نے برگزیدہ کیا ۱۲

**۲۔** اور (اے پیغمبر) جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تمہارے پاس آیا کریں تو تم اُن کی دلہی کرو، اور کہو کہ (خدا کی طرف سے) تم کو سلامتی کی خوش خبری ہو ۱۲

**۳۔** اور جب تم کو کسی طرح پر سلام کیا جائے تو تم (اسکے جواب میں) اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا (کم سے کم) ایسا ہی جواب ۱۲

**۴۔** ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک کی گندگی سے) پاک (وصات ہوتے ہیں) اور جب (فرشتے قبض روح کے لیے آتے ہیں تو) شے پاک کے ساتھ اُن سے سلام علیک کرتے ہیں ۱۲



حدیث فریفتین دارہم کہ جناب سرور کائنات کے حضور میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ السلام علیک یا رسول اللہ تو آپ نے جواباً فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ ایک اور شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ السلام علیک ورحمۃ اللہ تو آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ بركات ایک تیسرے شخص نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکات تو آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکات تو اس تیسرے شخص نے کہا کہ آپ نے میری بہت کم کو گوارا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے فحیو اباحسن مہما یعنی سلام کے الفاظ سے جواب کے الفاظ بہتر ہونا چاہیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے تو میری نسبت کسی بہتری کے الفاظ کے استعمال میں کوتاہی نہیں کی تو میں نے بھی ان سب امور کا ذکر تمہارے لیے کر دیا ہے جیسا کہ اوپر دوہا کا منشا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان الفاظ کا استعمال بدون الف لام معرفہ کے صرف بطور تکمیل یا فضل ہے یعنی سلام علیکم کہنا بہتر ہے۔ سوار کو پیادہ یا چلنے والے پر سلام میں سبقت کرنی چاہیے۔ گھوڑے سوار کو چرخ سوار پر سلام میں سبقت کرنا چاہیے۔ کمسن اپنے سے بڑوں پر سلام میں سبقت کر دینا جماعت قلیل جماعت کثیر پر سبقت کرے اور رکھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے پر سلام میں سبقت کرے۔ جناب سرور کائنات کی عادت شریف تھی کہ وقت سلام مصافحہ بھی فرماتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا تصافح المسلمان تحانت ذنوبہما کما یتحانت ورق الشجر اسکے بعد بطور وعید کے ارشاد ہوا کہ ان اللہ کان علی کل شیء حسیباً جب دو مسلمان باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح زائل ہو جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے گر پڑتے ہیں ۱۲

سلام علیہ یوم ولید و یوم موت و یوم یبعث حیاً چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یون  
 فرمایا ہر وَالسَّلَامُ عَلَیْ نَوْمٍ وُلْدٌ و یوم اموت و یوم اُبعث حیاً عائشہ صدیقہؓ  
 کی روایت مذکورہ بالا کے سوائے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہود جب السام علیک کہتے تھے  
 تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پر رنج ہوتا تھا تو خداوند عالم نے آپ کی تشفی و تسلی کے لیے  
 جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے یہ پیام بھیجا کہ اگرچہ یہود (اپنی بیہودگی سے) السام علیک  
 کہتے ہیں مگر ہم اپنے پردہ جلال سے السلام علیکم کہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوئی  
 اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُحِبُّوْنَ عَلَی السَّیِّیِّ یَاٰیُھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ  
 وَسَلُّوْا سَلَامًا سلام کی فضیلت حدیث شریف میں اس طرح سے وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم فرماتے ہیں یَاٰیُھَا النَّاسُ اَفْشَوْا السَّلَامَ و اطعموا الطعام و صلوا الارحام  
 و صلوا باللیل والناس یتام تداخروا الجحۃ لیسلام اس حدیث کے راوی بھی  
 عبد اللہ بن سلام ہیں۔

بہر کیف سلام کرنا تو سنت ہے مگر جواب سلام واجب ہے جواب سلام میں یہ شرط  
 ہے کہ جواب الفاظ سلام میں استعمال کیے گئے ہیں ان سے بہتر یا کم سے کم وہی الفاظ مستعمل ہوں  
 ۱۔ اور انکو ہر حال میں ان کی امان جسد نہ پیدا ہوئے اور جسد مرین گے اور جسد (دوبارہ) زندہ اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے  
 ۲۔ اور پھر خدا کی امان جسد میں پیدا ہوا اور جسد مر و نکا اور جسد (دوبارہ) زندہ اٹھا کر کھڑا کیا جاوے گا ۱۲  
 ۳۔ تحقیق اسد اور اسکے فرشتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہیں تو انکو مسلمانو! رقم بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود اور سلام بھیجتے رہو ۱۲

۴۔ مسلمانو! سلام کی پابندی کرو و محتاجوں کو کھلایا کرو صلہ رحم کو قائم رکھو شب کے وقت جبکہ لوگ استراحت میں ہوں  
 تم نماز میں مشغول ہو جاؤ جبکہ نتیجہ یہ ہے کہ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے ۱۲

غنیمتیں تیار موجود ہیں پہلے تم بھی تو ایسے کھل کر اظہار اسلام کرتے ہوئے دُرتے، تھے پھر بعد  
 نے تم پر اپنا فضل کیا (کہ کھلم کھلا اظہار اسلام کرنے لگے) تو (دوسرے نو مسلموں کی کمزوری  
 نظر کر کے لڑ پڑنے سے پہلے) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس اُس سے  
 باخبر ہو۔ جن مسلمانوں کو (کسی طرح کی) مہذوری نہیں اور وہ (جہاد سے) بٹھ رہے (اور اُن کے  
 شریک ہونے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی) تو یہ لوگ (دُرجے میں) اِن لوگوں کے برابر نہیں (ہو سکتے)  
 جو اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اس نے مال و جان سے جہاد کرنا والوں  
 کو بٹھ رہے ہننے والوں پر دُرجے کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہو اور یوں خدا کا وعدہ نیک  
 تو سب ہی (مسلمانوں) سے ہو اور اس نے ثواب عظیم کے اعتبار سے جہاد کرنے والوں  
 کو بٹھ رہے ہننے والوں پر بڑی برتری دی ہو۔

آیت ابتدائی کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کے قتل کرنے میں ہرگز تعجیل نہ کی جائے  
 اور بدولن کافی تحقیقات کے جہاد میں جلدی نہ کریں اور پھر اسکی صراحت اِطرح کر دی گئی کہ  
 وَلَا تَقُولُوا لِلَّذِينَ لَا يُغْنَوُكُمْ عَنْهُ السَّلَامُ لَسْتُ مُؤْمِنًا جو شخص اظہار اسلام کے لیے سلام علیک  
 کہے تو اسکی نسبت مسلمان نہ ہونے کا خیال بالکل نہ کرنا چاہیے۔ اس آیت کے نزول کی وجہ  
 یہ ہو کہ قبیلہ فدک سے ایک شخص مرد اس بن نہیک نامی مسلمان ہو گیا تھا بقیہ لوگ ایمان  
 نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مجاہدین کو قبیلہ فدک کی طرف روانہ فرمایا  
 تو اہل فدک مع اُنکے سردار غالب بن فضالہ کے فرار ہو گئے لیکن مرد اس بن نہیک جو نہ  
 مشرف باسلام ہو چکے تھے وہ بھاگے تو نہیں مگر خوف سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چھپ گئے

کیونکہ بعض لوگوں کی عادت تھی کہ کوئی مسلمان سلام کرے تو بجائے نیکی سے پیش آنے کے اُسکے ساتھ بُرائی کر بیٹھتے تھے۔ مثلاً قتل کی فکر میں بطبعِ مال و زر لگ جاتے تھے یا ایسے ہی فضول افعال کرتے تھے جس سے ممانعت کر دی گئی ہو بلکہ اس بات کا خون دلایا گیا ہو کہ اسد تمھارے ہر کام کا حساب لینے والا ہے ایسی فضولیات سے بچے رہو۔ حقیقت کمال عنایت سے بُرے کاموں سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور مختصر نیک کاموں میں سفارش کرنی اور سلام میں پیش قدمی کرنی نیک اخلاق میں داخل ہیں۔

قوله تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَامٌ كَثِيرٌ ۚ كَذَلِكَ كُنْتُمْ تُفَرِّقُونَ قَبْلَ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولِيَ النَّظَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مُتَبَعَةً وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ترجمہ۔ مسلمان! جب تم اس کی راہ میں دلڑنے کے لیے، باہر نکلو تو (جن لوگوں پر چڑھ کر جاؤ ان کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص (اظهار اسلام کے لیے) تم سے سلام علیک کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں (اور اس کہنے سے تمھارا مقصود ہوزندگی دنیا کا ساز و سامان ڈاکہ انکو دشمن ٹھہرا کر لوٹ لو) سو (ایسی لوٹ پر کیا گرتے ہو) خدا کے یہاں (تمھارے لیے) بہت سی دجائز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شمع احدكم الرحم الى الرجل فان كان  
سنانه نقره فخره فقال لا اله الا الله فليرجع عنه الرحم انخضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی پر نیزہ اٹھائے اور نیزہ رگ گردن کے قریب بھی ہو اور  
وہ شخص کلمہ توحید پڑھے تو اس سے نیزہ کو روک لینا چاہیے۔

**فائدہ** علمائے آیت زیر بیان سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہو کہ زندقہ کی  
توبہ مقبول ہو کیونکہ فحوائے آیت عام ہو کسی طرح کی تخصیص نہیں ہو جیسا کہ آیت ہو اللہ  
يقبل التوبة سے بھی تائید ہوتی ہو کہ ہر شخص کی توبہ قبول ہوتی ہو۔ بات بات پر کفر کا  
فتویٰ دینا جائز نہیں ہو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے نابالغ کا اسلام لانا  
قابل قبول قرار دیا ہو کیونکہ آیت میں جو شخص اطہار اسلام کرے اسکے تسلیم کرنے کا حکم ہو  
بالغ و نابالغ کی کوئی شرط نہیں ہو مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف فرمایا ہو آپ کا  
یہ قیاس ہو کہ اگر نابالغ کا اسلام لانا صحیح مانا جائے تو ہر ایک نابالغ پر ایمان کا لانا واجب  
ہو جائے گا والاؤن بالکفر لازم آئے گا مگر فحوائے حدیث رفع القلم عن ثلاث  
عن الصبی حتى يبلغ الحدیث قول اول مرجع قرار دیا گیا ہو اور پھر مال کی طبع سے  
مسلمانوں کی خویریزی سے باز رہنے کے لیے یہ ارشاد ہوا کہ تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ متاع دنیوی کو عرض کیا جاتا ہو کیونکہ وہ عارضی ہو  
اور جو چیز عارضی ہو وہ جلد فنا ہونے والی ہو اور مغانم کثیر سے ثواب دوامی مقصود ہو جو منجانب  
نیکو کاروں کو میسر ہوگا لہذا سیرلغ الزوال بال دنیا کی آرزو سے مسلمانوں کی خویریزی نکرینی چاہیے

جب مجاہدین نے پہاڑ کے قریب پہنچ کر تکبیر کہی تو وہ بھی تکبیر کہتے ہوئے نیچے اتر آئے اور  
 لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ السلام علیک کہا۔ بائیں ہتھ اُسامہ بن زید نے اُن کو قتل کر دیا  
 اور اُنکا ساز و سامان لے لیا۔ اس واقعہ کی خبر رسول مقبول کو ہوئی تو آپ بہت ہی غضبناک  
 ہو کر فرمائیے کہ کیا تم نے اُسکے مال کی طمع سے اُسکو ہلاک کر دیا اور ساتھ ہی اس آیت  
 کو اُسامہ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھا تو اُسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری مغفرت کیلئے  
 دعا فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ کیونکر دعا کی جائے کہ تم نے باوجود کلمہ شہادت پڑھنے کے ایک  
 مسلمان کو قتل کیا ہے تو اُسامہ کو جب موقع ملتا تو اس بارہ میں عرض کرتے تھے اور کہتے تھے  
 کہ جب میری مغفرت کی دعا فرمائی جائے گی تو یوں سمجھو ن گا کہ گویا اُسی وز مشرف ہ سلام  
 ہوا ہوں آخر حضرت نے بھی مغفرت کی دعا فرمائی اور ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ایک  
 روایت میں یوں منقول ہے کہ ایک وقت محکم بن ختام اور عامر بن اضبط سے ملاقات ہو گئی  
 تو عامر نے سلام علیک کہا۔ لیکن دونوں میں ایام جاہلیت سے عداوت تھی اسلئے محکم  
 نے عامر کو تیر کا نشانہ بنا دیا۔ اس حادثہ سے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت ہی  
 برا فروختہ ہو کر فرمانے لگے لَا غَفَرَ اللَّهُ لَكَ یعنی اے محکم تجھ کو خدا کی مغفرت نصیب نہو  
 سات روز گزرنے نہیں پائے تھے کہ محکم نے انتقال کیا جب وہ قبر میں دفنایا گیا تو زمین کو تین  
 مرتبہ زلزلہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو زمین تو ایک شریر کو لے رہی ہے مگر  
 خدا نے عزوجل گناہ کی عظمت کو تم پر ظاہر فرمایا ہے پھر آپ نے رجم کا حکم دیا۔ پس مسلمانوں کو  
 اس معاملہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ حدیث میں ابی عبیدہ سے مروی ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا سے منویات قلوب کے خلاف عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے  
 مثلاً دل میں تو مال غنیمت یا اظہار شجاعت کی ہوس ہو اور بظاہر جہاد کے نام سے پیش قدمی  
 کر کے بیجا طور پر لوگوں کو ہلاک کریں اور کمزوروں پر ٹوٹ پڑیں تو ایسا جہاد اسلام میں ہرگز جائز  
 نہیں سچے طرز بیان سے واضح ہے کہ جب خداے تعالیٰ نے جہاد کا حکم صادر فرمایا تو ساتھ ہی اس کے  
 احکام بھی بیان کر دیے گئے یعنی مسلمانوں کو بیجا قتل کرنے سے منع کیا گیا قتلِ عداوت و خطا کی  
 کیفیت ظاہر کر دی گئی اس کے بعد مجاہدین کے فضائل کا ذکر کیا بستیوی الفاعدون من  
 المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاہدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم فَصَلَّ اللہُ  
 المجاہدین باموالہم وانفسہم الخ سے اس طرح ہوا ہے کہ جو مسلمان بغیر عذر خاص کے  
 جہاد میں شریک نہ ہوں تو وہ مجاہدین کے ہر تہہ و نہین سکتے البتہ عذر خاص سے یعنی نابینائی  
 یا پیر کے نہونے یا بیماری وغیرہ کے سبب شریک جہاد نہ ہو سکیں اور ان کے دلیین شرکت جہاد  
 کی آرزو ہو تو وہ مجاہدین کے مساوی المرتبت ہوں گے۔ نزول آیت کی وجہ یہ ہے کہ چند معذور  
 لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی معذوری کا اظہار کر کے درخواست  
 کی کہ ہماری حالت تو ایسی ہے مگر دلیین جہاد کی تمنا ہے تو پھر ہمارے لیے کیا ارشاد ہوتا ہے  
 اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور معذور مستثنیٰ کر دیے گئے اس حکم کی تائید ایک دوسری آیت  
 لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى الخ سے بھی ہوتی ہے اور نیز حدیث شریف میں  
 بھی ارادہ ہے قال علی الصلوۃ والسلام اذا مرض العبد قال اللہ عز وجل اکتبوا العبدی  
 جناب رسول مقبولؐ فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا تو خدا تعالیٰ کا حکم فرشتوں کو ہوتا ہے کہ سطح حالتِ صحت میں  
 یہ نیک اعمال کرائے گئے اور وہ لکھے جاتے تھے اسی طرح اُسکی صحت تک اعمال حسنہ لکھا کرو ۱۲

جو لوگ خدا کے حکم کی تعمیل کریں گے وہ اُسکے جیسااب عنایتوں سے آخرت میں مالا مال ہوں گے اور نیز کَذٰلِکَ کُتِبَ لَکُم مِّن قَبْلُ سے مسلمانوں کو یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ دیکھو قبول اسلام کے قبل تمہارا خون بھی جائز تھا مگر جب سے تم نے اسلام کو اختیار کر لیا اور شعائر اسلام کے پابند ہو گئے تو تم حفاظت الہی میں آ گئے۔ ابتدا سے اسلام میں تمہارے دلیں بھی قوت ایمان کی کمی تھی۔ رفتہ رفتہ تقویت پیدا ہوئی ہے تو پھر جو لوگ کلمہ توحید سے اور سلام کرنے سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں انکو داخل اسلام نہ سمجھ کر یہ خیال کر لینا کہ وہ خوف شان و شمشیر سے محض جان بچانے کے لیے حیلہ کرتے ہیں محض غلط خیالی ہے پس یہ سمجھنا چاہیے کہ ایمان کی لذت دفعۃً حاصل نہیں ہوتی بلکہ احکام الہی کی پابندی سے تدریجی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ افعال قلوب کا حال خدا سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ ہر شخص اسکا تجربہ اپنے ضعف و قوت ایمان سے یوں کر سکتا ہے کہ جب وہ رسمی طور پر اسلام میں بسر کرتا تھا تو وہ لذت سلام سے کس قدر بہرہ ورتھا اور جب ہمہ تن گرویدہ ایمان ہو گیا اور مطیع و منقاد احکام الہی بن گیا تو لذت ایمان کی کیا حالت ہے۔ ان وجدانی کیفیات کا علم حقیقت میں کما حقہ خدا تعالیٰ ہی کو ہے فَصَنَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ سے یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جب تم نے ابتداً کفر سے توبہ کی تھی کیا وہ قبول نہیں کی گئی تھی جس طرح خدا نے تمہارا حسان کیا تم کو بھی دوسروں سے ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔ کسی کے اظہار اسلام کی نسبت شبہ کرنا جائز نہیں ہے پھر حکم ہوا فَتَبَيَّنُوا یعنی جہاد میں تعجیل نہ کرو جب کبھی جہاد کے لیے جاؤ تو فریق ثانی کا حال اچھی طرح معلوم کر لیا کرو گویا بیجا چڑھائی سے باز رہنے کے لیے مکرر توجہ دلائی گئی ہے اور پھر اسے بھی اکتفا نہیں کیا گیا



انسان چونکہ بطبع مال کا طامع ہے حتیٰ کہ جہاد میں بھی مال کی آرزو لگی ہوئی رہتی ہے پس حرص ناجائز سے باز رہنے کے لیے تعلیم ہوئی ہے جو غیر اقوام اسلام پر اس بات کا زبردستی سے الزام لگاتے ہیں کہ اسلام بزر و شمشیر قائم کیا گیا ہے، زراہ غور سے ان احکام کو دیکھیں اور سمجھیں کہ اسلام میں ہم بنیان انسانی کی سقد ر حفاظت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کیا اخلاقی تعلیم اس سے بہتر ہو سکتی ہے؟ خواہ سخواہ اسلام پر دھبہ لگانے کی کوشش کرنا اور بات ہے اور خدا کے کلام پاک سے مستفیض ہونا اور اسلامی تعلیم کو سمجھنا اور بات ہے خدا سے اپنے فضل و کرم سے ہر ایک انسان کو اچھی توفیق عطا فرمائے۔

قوله تعالى فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا لِلّٰهِ فَيَا مَوْ قُودًا وَعَلَىٰ خُفْيٰكُمْ فَلَا اَظْمَانُ ثُمَّ فَاَقْبِئُوا الصَّلَاةَ اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا وَلَا تَمْنُوْا فِى اَسْتِغَاةِ الْقَوْمِ اَنْ يَّكُوْنُوْا تَاْمُوْنًا فَاتَّخِذُوْا لِمَوْنٍ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالًا يَّرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ه اِنَّا اَنْزَلْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِنُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَادَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِيْنِيْنَ حَصِيْمًا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَلَا تَحْبَدِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَيْمًا تَرَجِمَهُ هَرَجَبٌ ثُمَّ نَمَاز کو پوری کر چکو تو (اس کے بعد) کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اس کی یاد گاری میں لگے رہو ہر جہاں تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ تو معمول کے مطابق اچھی طرح نماز پڑھو کیونکہ مسلمانوں پر نماز بقید وقت فرض ہے اور لوگوں (یعنی دشمنوں) کے سچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو (اگر لڑائی میں) تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو جیسی تم کو تکلیف پہنچتی ہے انکو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور تمہاری

مکان یعمل فی الصلۃ الی ان یکمل وصلہ ہو کہ عبادت و طاعت محض صفائی و تنویر قلب کے لیے ہو  
جب انسان خلوص نیت سے نیک کام کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو خدا اسکی معقول جزا عنایت فرماتا ہے  
اسکے سوا مجاہدین و قاعدین میں اس بات کا فرق بھی بتلایا گیا ہے کہ جب مجاہدین اپنے جان مال  
سے دستکش ہو کر شریک جہاد ہوتے ہیں تو وہ قاعدین سے درجہ فضیلت میں زیادہ ہی ملنے  
جائیں گے دَرَجَۃً کے لفظ میں اسکی صراحت فرمادی گئی ہے اور کَلَّا وَعَدَ اللہُ لِحَسَنَہٗ سے  
فقہاء نے جہاد کا فرض کفایہ ہوا قرار دیا ہے کیونکہ ہر نفس پر جہاد فرض ہوا تو حسن کی لفظ قاعدین  
کی نسبت استعمال نہوتا۔ بہر حال فضائل مجاہدین میں اول تو لفظ دَرَجَۃً کا استعمال ہوا ہے  
اور پھر درجات کا لفظ مستعمل ہوا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں غنیمت کے حاصل ہونے سے  
بہ نسبت قاعدین کے مجاہدین کو ایک درجہ کی فضیلت ہو مگر آخرت میں دخول جنت و مغفرت  
اور رحمت الہی سے بھی وہ سرفراز ہوں گے اس لیے درجات کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جو متعلق آخرت  
ہو اور ایک تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جہاد سے مطلق جہاد مقصود ہے خواہ جہاد ظاہری ہو یا جہاد  
قلبی جس سے مقصود یہ ہے کہ قلب کا رجحان غیر اللہ کے جانب نہ ہو اور انسان خدا کی عبادت میں  
مستغرق رہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ إِلَى الصَّغَرِ إِلَى  
الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ تو اس صورت میں درجہ کا تعلق جہاد ظاہری سے ہو جاتا ہے اور درجات کا تعلق  
جہاد قلبی سے جو حقیقت میں افضل اعلیٰ ہے۔ ابتدائے اسلام میں جہاد بنفس کی ضرورت تھی  
اور اب جہاد بالقلب کی ہے۔

ہر دو کارہ ستم ست مہید رست

این جہاد اکبر است آن صغیر است

(۲) دوسرے شباب کی حالت یعنی بغیر کمی و زیادتی کے انسان کا چندے  
حالت کمال پر رہنا۔

(۳) تیسرے کہوت یعنی حالت انسان میں نقصان جفی کا پیدا ہونا۔

(۴) چوتھے شیخوخت یعنی حالت انسان میں نقائص حلی کا پیدا ہونا جنکا تعلق موت کی ہے

(۵) پانچویں حالت بعد الموت جسکے آثار ایک مدت تک باقی رہتے ہیں اور پھر محو

ہو جاتے ہیں۔

یہ حالتیں عموماً انسان حیوان وغیرہ سب متعلق ہیں مثلاً آفتاب ہی پر غور کرو  
تو معلوم ہو جائیگا کہ اُسکے طلوع کی حالت ولادت انسان سے مشابہ ہے۔ نصف النہار تک تو  
زیادتی ہوتی ہے اور پھر کچھ ایک قیام ہوتا ہے اور پھر عصر تک خفیف نقصان شروع ہو جاتا ہے  
اور عصر کے بعد مغرب تک نقصانات کثیرہ پیدا ہو جاتے ہیں غروب کے بعد افق میں کچھ  
آفتاب کا اثر باقی رہتا ہے جسکو شفق کہتے ہیں اور پھر وہ آتا بھی محو ہو جاتے ہیں  
اور آفتاب کی ایسی کیفیت ہو جاتی ہے کہ گویا تھا ہی نہیں۔ ان حالات کے  
تعیین میں بہت سی مصلحتیں مضمحل ہیں جنکو خدا ہی خوب جانتا ہے انھیں اوقات کی مناسبت سے  
اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی ہے صبح کی نماز ایسے مقرر ہوئی کہ انسان دِلین نوال  
ظلمت شب اور ظہور نور کی قدر و قیمت کا خیال کرے اور اس بل شانہ کا شکر ادا کرے کیونکہ میند  
آخر الموت ہے اور بیداری حیات۔ حالت موت کے بعد جب انسان کو زندگی میسر ہوتی ہے تو اُسکا  
شکر ادا کرنا واجب ہے علیٰ ہذا جب آفتاب اوج کمال پر پہنچتا ہے اور پھر انحطاط سے کہوت کا

جیت یہ ہو کہ تم کو خدا سے وہ امیدیں ہیں جو انکو نہیں اور اسد (سب کا حال) جانتا اور تدبیر (جنگ کو) خوب سمجھتا ہے اور اسے پیغمبر ہم نے (جو) کتاب برحق تم پر نازل کی ہے (تو اسلیے) کہ جیسا تم کو خدا نے بتا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے جھگڑے چکا دیا کرو اور دعا بازوں کے طرفدار نہ بنو اور اسد سے (بھول چوک) کی معافی چاہو کہ اسد بخشنے والا مہربان ہے اور جو لوگ (دوسروں کو دغا دیکر حقیقت میں) اپنے تئیں دغا دے رہے ہیں ایسوں کی طرف ہو کر لوگوں سے) رو دو کہ نہ رو کیونکہ دغا باز خطا کا آدمی کو خدا پسند نہیں کرتا۔

نماز سفر و خوف کے احکام کے بعد ان آیات میں ذکر الہی کا بیان ہے کسی حالت میں ہون یعنی حالت قیام میں ہون اور نیزہ و تلوار سے مصروف پیکار ہون یا حالت قعود میں ہون جبکہ تیر و تفنگ سے جنگ میں مشغول ہون یا لیٹے ہوئے ہون اور زخمی ہون سے چور چور ہون اور شیشے کی طاقت نہ ہے خدا کی یاد و ذکر سے غافل نہ ہے اور جنگ موقوف ہونے کے بعد جب اطمینان حاصل ہو جائے تو کامل نماز بلا قصر کے جیسی حالت سفر یا جنگ میں پڑھی جاتی ہے پڑھنا چاہیے۔ اسی کا بیان اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مُّوَقُوٰتًا میں کیا گیا ہے جو پانچ وقت کی نماز ہے یعنی نماز صبح۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا۔ ان اوقات کا تعین اس لحاظ سے ہوا ہے کہ تمام چیزیں جو عالم دنیا سے تعلق رکھتی ہیں انکی پانچ حالتیں ہوتی ہیں۔

(۱) ایک حادث یعنی وجود میں قدم رکھنا جیسا کہ انسان پیدا ہونے کے بعد

چندے حالت نشو و نما میں ہوتا ہے۔

بتوں کی پرستش میں مبتلا ہیں جبکہ جزا و سزا کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے اور پھر وہ کہان اللہ علیہا حکیم  
 سے یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ احکام الہی بہت سے دینی اور دنیوی مصالح عباد پر مبنی ہیں ان مصلحتوں  
 کو خدا ہی جانتا ہے بندے نہیں جانتے اور پھر یہ حکم ہوا کہ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم  
 بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائفین خصیماً واستغفر اللہ ان اللہ کان غفوراً رحیماً  
 اس آیت کے نزول کی وجہ یہ کہ ایک بار طعمہ بن ابیرق نامی مسلمان نے زرہ کی چوری کی جب  
 اُس سے مال مسروقہ کا مطالبہ ہوا تو اُس نے اس الزام کو ایک یہودی سے منسوب کر دیا جس سے  
 دونوں قبیلوں میں بہت ہی عداوت پیدا ہو گئی طعمہ کے قبیلہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے امداد چاہی آپ نے اُسکی امداد کا قصد فرمایا ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوئی کہ دعا بازوں کی حمایت  
 نہ کریں اگر ایسا قصد ہو بھی تو اس سے مغفرت مانگیں کہ وہ غفور و رحیم ہے اپنی کمال مہربانی سے دُکڑ  
 فرمائیں گا۔ محققین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہی الہی  
 یا نص قرآنی کے کوئی حکم نہیں فرماتے تھے۔ اور پھر ارشاد ہوا ولا تجادل عن الذین یمتحنون  
 انفسہم ان اللہ لا یحب من کان نحواً اذ یمتھا یہ آیت تہدید شدید پر مبنی ہے کیونکہ علم باری میں  
 طعمہ دراصل منافق اور بظاہر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکی تائید  
 کا خیال پیدا ہوا تھا اسیلئے دعا بازوں کی حمایت نہ کرنے کے لیے مافقتی حکم صادر ہوا کہ طعمہ اپنے  
 جرم کو پوشیدہ کر کے ظاہری اسلام کی اطمین بچنا چاہتا ہے وہ ہرگز تائید کے قابل نہیں ہے کیونکہ  
 دعا بازوں اور خائنوں کو خدا و ست نہیں رکھتا جب خود پیغمبر صاحب کو یہ ہدایت ہوئی ہے تو  
 دے بر حال دیگران۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد طعمہ مکہ کی طرف بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا اور

زمانہ شروع ہوتا ہے تو خدا سے تعالیٰ کے قاطب ہونے کا خیال کر کے نماز ظہر پڑھنا فرض قرار دیا گیا ہے یعنی یہ خیال کرنا کہ خدا ایسا قوی القدرت ہے کہ تمام اجرام علوی و سفلی کا انقلاب اُس کے دست قدرت سے وابستہ ہے جب آفتاب اول درجہ شیخوخت میں قدم رکھتا ہے تو نماز عصر کو واجب گردانا گیا ہے کہ وہ آفتاب کے نقصانات کثیرہ کے ظہور کا زمانہ ہے۔ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو ظلمت شب کے شروع ہونے سے اُس میں انسان کی موت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے مغرب کی نماز فرض ہوئی ہے اور پھر جب شفق غروب ہو جاتا ہے تو آفتاب کے کان میں گونجوں سے عبرت حاصل کرنی کیلئے عشا کی نماز مقرر ہوئی ہے گویا ان اوقات کا تعین قوانین عقلیہ کی سبب سے بھی ہوا ہے المختصر جبکہ قبل ازین جہاد کے بعض احکام کا ذکر ہو چکا ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے بغیاً نوکر فرمایا کہ کَلَّا تَهْتَفُونَ ابْتِغَاءَ الْقَوْمِ اِنْ تَكُونُوا تَامُونَ فَاَنْتُمْ يَامُونَ كَمَا تَاْمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا یعنی مسلمانوں کو جہاد کی کافی ترغیب دلائی جائے اور اُن کے دلوں کو پست کیا جائے اگرچہ مسلمانوں کو جنگ میں درد و الم برداشت کرنی کی ضرورت پڑتی ہے مگر اُن کو یہ سوچنا چاہیے کہ اُن کے خصیم بھی درد و رنج اٹھانے سے برہنہ ہیں فریقین کی حالت مساوی ہے۔ باوجود اسکے جب ہمتھائے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہنہین کتے اور کلیف برداشت کر کے لڑتے ہیں تو پھر مسلمانوں کو بھی جنگ سے باز نہ رہنا چاہیے بلکہ زیادہ مصیبت برداشت کرنی ضرور ہے کیونکہ وہ تو حشر و نشر اور ثواب و عقاب کے قائل ہیں اور مشرکین کو اُس سے انکار ہے اس لحاظ سے ارشاد ہوا ہے وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ مسلمانوں کو خدا کی عبادت سے ثواب و عقاب کی توقع ہے برخلاف اسکے مشرکین ایسے

قرآن کی تعلیم کا یہ منشا ہو کہ عدل انصاف پر قائم رہیں جو مقدس کتاب ایسی ہدایت کی گنجینہ ہو  
 کیا اُس سے بڑھ کر کسی کتاب میں تحصیل حسن اخلاق کے جواہر مل سکتے ہیں جب تک ہماری  
 قوم اسبابِ وال نعمت الہی پر غور و فکر کرنے کی عادت پیدا نہ کرے وہ تہذیب اخلاق کے میدان  
 میں قدم ہی نہیں رکھ سکتی۔

قوله تعالى وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا وَمَنْ يَكْسِبْ  
 اِثْمًا فَإِنَّهُ يَكْسِبْ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ  
 بِهِ بَرِيًّا فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَأَلْوَامًا مِمَّنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَأُولَئِكَ تَحْتَ طَافِقَةٍ  
 مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ  
 عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا لَا خَيْرَ  
 فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ  
 ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ  
 مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَصُفِّهِمْ جَهَنَّمَ  
 وَسَاءَتْ مَصِيرًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
 وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ترجمہ اور جو شخص کوئی بُرا کام کرے یا (جھوٹی  
 قسم وغیرہ سے) اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے (اپنا گناہ) بخشو اسے تو پائیگا کہ اللہ بخشنے والا  
 مہربان ہے اور جو شخص کسی بدی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اُس کے ارتکاب سے (کچھ) اپنی ہی  
 خرابی کرتا ہے اور اللہ (تو سب کا حال) جانتا اور ہر ایک کے مناسب حال حکم دینے والا ہے

پھر ایک دیوار میں نقب لگائی دیوار اسپر گر پڑی اور مر گیا۔ جسکا خاتمہ ایسا ہو اسکے خائن ہونے میں  
 کیا شک ہو سکتا ہے اسی واسطے خوانا انہما کے الفاظ طعمہ کی نسبت مبالغہ کے ساتھ ذکر کیے گئے  
 اس ہدیت پر غور کرو کہ نماز کی کیسی تاکید ہے کہ حالت جہاد میں بھی ترک نہیں ہو سکتی مگر ہمارے قومی  
 کہالت کا یہ حال ہے کہ جہاد تو درکنار ہزاروں قسم کے عیش و آرام میں بسر کرتے ہیں مگر اے فرائض کا  
 خیال نہیں کیا جاتا مسلمانوں سے ذوال حکومت کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے ہشتائے خبیثہ  
 فرائض الہی کی پابندی کو ترک کر دیا اور گھائے میں پڑ گئے ان پر خدا تعالیٰ نے بھی اوقات  
 کو مسلط کر دیا انصافاً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ فی زمانہ ایک شکل اور ہے کہ رفع ضروریات زمانہ  
 کے لیے علم انگریزی وغیرہ حاصل کرنا ضروری ہے مگر وقت یہ ہے کہ عمر کا بڑا حصہ اجنبی زبان کے حاصل  
 کرنے کے لیے گزر جاتا ہے دینی علوم کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور معلومات دینی  
 کے حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا ایسی حالت میں اظہار عجز کر کے حتی الامکان قرآن و حدیث  
 کے پڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ یہ تو ندارد ہر اٹھ اسلام پر ہی حملہ کیا جاتا ہے انگریزی دان  
 حضرات نے تو اسلام ہی میں اور بھی ضعف پیدا کر دیا ہے خدا خیر کرے۔ المختصر آیاتِ یر بیان میں  
 صرف نماز کے پڑھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ ذکر الہی میں مشغول ہونے کی بھی ہدایت معنی  
 ہے۔ جس مذہب میں نفس کی تعلیم پابندی کے ساتھ قرار دی گئی ہو اگر وہ قوم اپنے پروردگار کی  
 ہدایات پر ثابت قدم ہے تو کیا اس سے بہتر تہذیب اخلاق کا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے۔ فہوس  
 ہے کہ ہمارے قوم نجسہ خضائل ہی کو ترک کر کے کلبت میں مبتلا ہو خرابی کا بادل چھا گیا ہے مگر کچھ  
 خیال نہیں ہوتا ہدایت قرآنی کا تو یہ حال ہے کہ بات بات پر خود پیغمبر صاحب کو ٹوکا جاتا ہے جلال



غرضکہ گناہ خواہ لازمی ہو یا متعدی توبہ واستغفار سے معاف ہو جاتا ہر اسلئے توبہ کی ترغیب یوں  
دلائی گئی ہے وَمَنْ يَكْسِبْ اِثْمًا فَاِذَا مَا يَكْسِبُهُ عَلٰی نَفْسِهٖ كَانَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَحْكَمًا گناہ کی تعلق  
یا تو بخر منفعت سے ہو یا دفع مضرت سے یہ دونوں باتیں انسان ہی کی جانب منسوب ہیں خلیفہ  
اس سے بری ہو جبکہ انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہو تو اسکا اثر اسکی ذات پر مؤثر ہو نہ ہو  
ہو پس توبہ میں تعجیل کرنی چاہیے تاہم کی قلبی حالت کا علم خدا کو ہر اور گناہ سے درگزر کرتی  
مصلحت کو بھی وہی جانتا ہو اس سے مقصود یہ ہے کہ گناہ زنا اسیدی میں مبتلا نہ رہیں جلد توبہ  
واستغفار سے اپنے کو پاک کر لیں اور پھر وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرَوِهَا بَرًّا فَكَفَرَ  
اَحْمَلْ جُنَاحًا وَاَوْ اِثْمًا مُّبِينًا سے گناہ صغیرہ و کبیرہ کی صراحت کر دی گئی ہے کیونکہ خطیئہ گناہ لاری  
اور صغیرہ کو کہتے ہیں اور اثم گناہ متعدی اور کبیرہ پر اطلاق کیا جاتا ہے اور جب کوئی شخص خود  
کسی گناہ کا ارتکاب کر کے پھر اُس گناہ کو کسی بے گناہ کی طرف منسوب کر دیتا ہو تو اسکو بہتان  
کہتے ہیں بہتان کرنے والا دنیا میں سخت ملامت کے قابل ہے۔ اور آخرت میں بھی وہ بڑے بڑے  
عذاب میں مبتلا ہوگا اور وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ  
تُضِلُّوْا سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صاحب کو بتایا ہے کہ اگر ہماری عنایت تم پر نہ ہوتی اور بہت  
عصمت سے تم مختص نہ کیے جاتے تو طعمہ کے قبیلہ والوں کے منصوبہ کے موافق تم سے  
ایک یہودی کی نسبت باطل حکم سرزد ہو جاتا اور مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ سے یہ بیان کیا گیا  
ہے کہ وہ لوگ جو جھوٹی شہادت پیش کر کے طعمہ کے الزام کو ایک یہودی کے سر لگانے کی  
کوشش کی تھی اس سے وہ خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے فضل سے

اور جو شخص کسی خطایا گناہ کا مرتکب ہو پھر وہ اپنے قصور کو کسی بے گناہ پر تھوپ دے تو اس نے بہتان اور گناہ صریح (کا بوجھ اپنی گردن پر) لاد لیا اور دے پیغمبر اگر تم پر اس کا فضل اور اس کی مہر نہوتی تو انہیں سے تم کو ایک گروہ ہکا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا اور یہ لوگ بس اپنے ہی سین گمراہ کر رہے ہیں اور تم کو یہ لوگ کچھ بھی تو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اتاری ہے اور فہم (سلیم) دیا ہے اور تم کو ایسی باتیں سکھا دی ہیں جو (پہلے) تم کو معلوم نہ تھیں اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے ان لوگوں کی اکثر سرکشیدوں میں نیکی (کا توام) نہیں مگر دہان (جو خیرات (کسی اور) نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح ہے) البتہ نیکی ہے) اور جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسے (نیک) کام کریگا تو ہم قیامت کے دن اس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے اور جو شخص راہ راست کے ظاہر ہوئے پیچھے پیغمبر سے چھٹکا ہوا ہے اور مسلمانوں کے رستے کے سوا (دوسرے رستے) ہوئے تو جو راستہ اُس نے اختیار کیا ہے ہم اُس کو اُسی رستے سے چلائے جائیں گے اور (آخر کار) اُس کو جہنم میں (لیجا) داخل کریں گے اور وہ (بہت ہی) بُری جگہ ہے۔ اللہ یہ (گناہ) تو معاف کرتا نہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو (شریک گردانا جائے اور اُس سے کم جس کو چاہے معاف کرے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک گردانا وہ (راہ راست سے بڑی) دور بھٹک گیا۔

اول آیت میں سور و ظلم کے دو لفظ مستعمل ہوئے ہیں۔ سور گناہ متعدی کو کہتے ہیں کہ جس کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے جیسے طعمہ نے خود تو کمبتر کی چوری کا ارتکاب کیا مگر اُس الزام کو ایک یہودی کے ذمہ لگا دیا اور ظلم سے گناہ لازمی مراد ہے جیسے کہ جھوٹی قسم کھانی وغیرہ

ضرر سے ہو تو اسی کو اصلاح بین الناس کہا جاتا ہو گیا اس آیت میں اسد جل شانہ نے مجامع خیر کا ذکر فرما دیا ہو جسوقت جناب سالتاب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کَلَامُ ابْنِ آدَمَ طَعْنٌ عَلَيْهِ  
 لَكَلَهُ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ أَمْرِ يَعْرِفُفٌ أَوْ نَحْوِ عَنْ مُسْكِرٍ أَوْ ذِكْرِ اللَّهِ اس حدیث کے سنتے ہی  
 بعضوں نے سفیان ثوری سے کہا کہ اس حدیث کا مفہوم تو بہت ہی مشکل ہو سفیان نے کہا  
 کہ کیا تم لوگوں نے اس آیت کو نہیں سنا اخیر فی کثیر من بخوام الخ اس حدیث کا مضمون بھی  
 اُسکے مطابق ہو اور وَالْعَصْرَاتِ الْإِنْسَانُ لَفِي خُسْرٍ کا مفہوم بھی یہی ہو اور پھر ارشاد ہوا کہ  
 وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَوْجِدَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا یعنی جن میں نیک  
 کاموں کا ذکر اوپر کیا گیا ہو ان سے انسان اسیوقت فائدہ اٹھا سکتا ہو کہ جب وہ خالصاً مخلصاً  
 لوجہ اللہ اسپر عامل ہو اگر سمع وریا کے طور پر ہوں تو یہی افعال باعث فساد ہو جاتے ہیں۔ اعمال خیر  
 کا دار و مدار نیت پر ہو جیسی نیت ویسی برکت۔ الغرض جب طعمہ بن ابیرق نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ  
 نے اُسکے بھید کو فاش کر دیا اور سرقہ کی تہمت سے یہودی کو برائت مل گئی تو وہ اپنی بدبختی سے  
 مرتد ہو گیا اور کہہ کھلا گیا وہاں بھی ایک دیوار میں نقب لگانی مگر وہ دیوار اُسی پر گر پڑی اور فوت  
 ہو گیا اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ  
 وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا کیونکہ طعمہ صحت  
 نبوت کا حال معلوم کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شقاوت کا اظہار  
 کیا تھا تو خدا سے تعالیٰ نے بھی اُسکو جہنم واصل کر دیا۔

۱۔ آدمی کا ہر کلام اس پر وبال ہو اور اسکے حق میں مفید نہیں مگر نیک کام نہ کرنا اور بہ کام سے منع کرنا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ۱۱

بچا لیا ہو اور وَمَا يُضْرَبُونَكَ مِنْ شَيْءٍ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و اہم کی طرف  
 اشارہ کیا گیا ہو کہ اگر منافقین آئندہ بھی ایسی کوشش کریں تو آپ سے احکام باطل سرزد ہونگے  
 کیونکہ جو حکم شہادت پیش شدہ کی بنیاد پر دیا جائے اور اُس میں نفس کا لگاؤ نہ ہو تو پھر کوئی محل  
 خوف نہیں ہو اسکی تائید میں یوں ارشاد ہوا کہ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ يَنْفَعُ جِب  
 خدائے تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور تبلیغ شریعت کا حکم دیا تو پھر آپ کو شہادت میں  
 کیونکہ مبتلا کھے گا۔ چنانچہ اسکی صراحت یوں فرمادی گئی ہو وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ  
 فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا کہ جن باتوں کا تم کو علم ہی نہ تھا نہ تم کو کتاب کی حقیقت معلوم تھی ایمان  
 کی توجہ سے اپنی مہربانی سے یہ سب کچھ دیا ہو وہ آئندہ بھی منافقوں کی کرتوتوں سے آپ کو  
 بچا لے گا اَخْيَرُ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّحْوَاهُمْ اَلَمْ يَكُنْ اَمْرًا بَصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوفٍ اَوْ صَلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ  
 وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَكْثَرًا عَظِيمًا اگرچہ اس آیت کا تعلق خاص  
 طور پر انھیں سرگوشیوں سے ہو جو سارقِ طعمہ کے بابت فیما بین اہل قبیلہ ہوتی تھیں مگر مفہوم عام  
 ہو یعنی سوائے اعمال خیر کے باقی باتوں میں سرگوشیاں بے سود ہیں اور مناسبت مقام کے  
 لحاظ سے اعمال خیر کی تقسیم بیان میں چیزوں میں ہوئی ہو ایک خیرات و سرائیک کام کی غیبت  
 والا تا سیر امیل ملاپ کی صلاح دینا مناسط تقسیم یہ کہ عمل خیر کا تعلق یا تو ایصالِ منفعت سے ہو  
 یا دفعِ مضرت سے جب ایصالِ خیر کا تعلق خیرات جسمانی سے ہو جیسے عطاے مال تو اُسی کو  
 صدقہ کہتے ہیں اور اگر خیرات روحانی سے ہو جیسے قوتِ نظری کی تکمیل علوم سے یا قوتِ عملی  
 کی تکمیل افعالِ حسنہ سے تو ان دونوں کے مجموعہ کو امر معروف کہتے ہیں اگر عمل خیر کا تعلق ازالہ

(خدا) کے ہوئے تھے اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا مخلص بھی قرار دیا تھا اور اللہ ہی کا ہی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور سب چیزیں (اللہ ہی) کے قابو میں ہیں۔

قبل ازین یہ بیان ہوا ہے کہ حصول نجات اور دخول جنت کے لیے انسان کا مومن ہونا شرط ہے تو یہاں ایمان کی فضیلت و طرح سے بیان کی گئی ہے ایک یہ کہ اسلام دو جزو پر مبنی ہے اعتقاد اور عمل اعتقاد کا ذکر اسلم و محمد ﷺ سے کیا گیا ہے کیونکہ اسلام کے معنی انقیاد اور خضوع کے ہیں اور منہ اشرف اعضاء انسان ہے جب انسان دل سے خدا کی ربوبیت و عظمت اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے منہ کو خدا کے سامنے جھکا دیتا ہے یعنی تسلیم خم کر دیتا ہے اور عمل کا ذکر وہو محمد ﷺ سے کیا گیا ہے کیونکہ کمال ایمان بجز اسکے حاصل ہونہیں سکتا کہ سب کام خدا کے تفویض کر دیے جائیں اور غیر اللہ سے امداد کی توقع اٹھا دی جائے کہ وہ طریقہ مشرکین کا ہے کیونکہ مشرکین بتوں سے اعانت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اٰھو کلاء سَفَعَا وَ نَاعِنَدَ اللّٰہِ اور دہریہ اور طبعیین افلاک و کواکب اور طبائع کو موثر مانتے ہیں اور یہود اپنے کو عذاب آخرت سے بری سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد سے ہیں انکو عذاب آخرت کا کھٹکا نہیں ہے اور نصاریٰ تثلیث کے قائل ہیں غرض کہ ان سب اعتقادات سے توجہ الی غیر اللہ لازم آتی ہے اور شان اسلام یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل قطع نظر کیجائے دوسری وجہ شرف اسلام کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کا فانا م کو دین ابراہیمی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور تمام اہل مذہب بابتہ ہیں کہ دین ابراہیمی مقبول عام تھا ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّیْ بَرِّئٌ مِّمَّا تَشْرِکُوْنَ سے خدائے عزوجل کی عبادت کی تعلیم کی ہے

**فائدہ** اس آیت سے چند مسائل کا استنباط کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ  
 سے اجماع امت کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے تین سو مرتبہ قرآن مجید کو پڑھا اور یہ دلیل قائم کی کہ جو راہ  
 مومنین کے لیے قائم کی گئی ہے جب اسکا ترک کرنا منع قرار دیا گیا ہے تو اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے  
 کہ مومنین کی متابعت واجب ہے اور یہی اجماع امت کی دلیل ہے اور نیز آیت موجب عصمت آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتی ہے اگر آپ سے گناہ کا سرزد ہو جانا جائز ہوتا تو آپ دوسروں کو  
 گناہ سے باز نہ ہونے کی کیونکر ہدایت فرماتے۔ علی ہذا آپ کی پیروی بھی اہل امت پر واجب ہے اگر کیا  
 نہ تو آپ کے افعال اور امت کے افعال میں اختلاف ہوتا جو گمراہی امت کا باعث ہو سکتا ہے  
 یہ ارشاد ہوا کہ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ اِلَيْهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ**  
**يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا**۔ جس سے ترک شرک کی مکرر تاکید ہوئی ہے اس لیے کہ سوا  
 شرک کے سب گناہ قطعاً معاف ہونگے **وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ** سے یہی استفاد ہوتا ہے  
 ان آیات میں نئے کام یعنی جھوٹی قسم وغیرہ سے احتراز کرنے اور اچھے کام اختیار کرنے کی  
 جس عمدہ طرز سے ہدایت ہوئی ہے وہ ظاہر ہے اخلاق کی درستی کے لیے کیا اس سے بہتر تعلیم ہو  
 ہے قرآن عجیب نعمت ہے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عنایت  
**قوله تعالى وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاسْتَبَعِ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ**  
**حَنِيفًا وَاَتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا وَّاللّٰهُ مٰفِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ**  
**بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخْبِطًا** ترجمہ اور اس شخص سے کس کا دین بہتر (ہو سکتا) ہے جس نے اللہ کے  
 آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکو کار بھی ہے اور ابراہیم کے مذہب پر چلتا ہے کہ وہ ایک ہی

صرف آپ کا امتحان مقصود تھا۔ اسی انس و مجتبیٰ کے سبب خدا نے آپ کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ بعض نصاریٰ نے یہ خیال کیا ہے کہ جب ہم خلیل حضرت ابراہیم کے نام کے ساتھ بطریق اعدا استعمال کرنا جائز ہے تو پھر اعدا ابن کا لفظ حضرت مسیح کے نام کے ساتھ استعمال کرنے میں کیا قباحت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلیل کا لفظ صرف فرط محبت پر دلالت کرتا ہے اور ابن کا لفظ جنسیت پر دلالت کرتا ہے۔ البذل شاذہ مجانست و مشابہت ممکنات سے پاک ہے ہر گاہ اس آیت کے ماقبل ہی سے اوامرو نواہی اور وعد و وعید کا ذکر ہوا ہے تو پھر لباسات کے اظہار کے لیے کہ تمام ممکنات و کائنات کا وہی خالق ہے ارشاد ہوا **وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا** تاکہ سب اُسکی عبادت کریں کیونکہ جسکی ایسی شان ہے وہی مستحق عبادت ہے۔ جب تک انسان کے دل میں خداے تعالیٰ کی عزت و جلال کا پرتو نہ پڑے وہ اوامرو نواہی کا مطیع و منقاد نہیں ہوتا۔ اور جب تک اوامرو نواہی کی پابندی نہ ہو درستی اخلاق کا راستہ مل ہی نہیں سکتا۔

**قوله تعالى وَكَانَ سَتَظِيْعُوْا اَنْ تَعْدُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَكُوْحَرَضُمْ فَلَا تَمْسُوْا كُلَّ اَمَلٍ**  
**فَتَنُّوْهُمَا كَالْعَلَقَةِ وَاِنْ تَصْلَحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ترجمہ اور تم  
 (اپنے طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکیگا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں (پوری پوری)  
 برابر کر سکو تو بالکل ایک ہی کی طرف مت جھکتو کہ دوسرے کو (ادھر میں) لگتا ہوا  
 چھوڑ دو اور اگر (آپس میں) موافقت کر لو اور (ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے) بچے  
 رہو تو اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

پرستش افلاک و کواکب و اصنام سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہو اسلئے دین محمدی شرعِ ابراہیمی کے قریب قریب ہو۔ ختان۔ نماز۔ طواف کعبہ۔ سعی۔ رمی جمار۔ وغیرہ وغیرہ کی پابندی جیسی نبی ابراہیمی میں تھی۔ دین محمدی میں بھی ہے۔ حنیف بمعنی مائل ہے یعنی دین ابراہیمی تمام عقائدِ باطلہ سے بری اور مائل بحق ہے لہذا ارشاد ہوا **وَ اتَّخَذَ اللَّهُ اِبْرٰهٖمَ حَٰخِلًا** پس شریعت پسندیدہ الہی پر مائل ہونے سے ابراہیم علیہ السلام کو خلعت کا جلیل مرتبہ حاصل ہوا۔ خلیل وہ ہے جو اپنے دوست کا ہمارا ہو غایت محبت کی یہی نشانی ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام اسرارِ ملکوتِ اعلیٰ و سفلیٰ سے سرفراز تھے اور اپنی قوم کو بت پرستی اور پرستشِ آفتاب و نجوم سے منع فرمایا کرتے تھے اور اس فرض کے ادا کرنے میں اپنی جان کو آتشِ نمرود کے حوالے کر دیا تھا اور اپنے جگر پارہ سمیع علیہ السلام کی قربانی پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور آپ کا مال مہانوزن کے لیے وقف تھا اس سچی محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ خدا کے دوست ہو گئے۔

چون خلیل از ستارہ و منہ خور	پوشینہا در یہ بے غم خور
شب او بچہ روز روشن شد	نار نرود باغ و گلشن شد

شہر بن حوشب کا قول ہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور نہایت دلگداز آواز سے اسمِ اللہ پڑھا تو آپ بے قرار ہو گئے اور کہنے لگے کہ ایک بار اور پڑھ اُس نے دانستہ انکار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا کل مال تیرے لیے وقف ہے اُس نے اور بھی عمدہ لہجہ سے اس نامِ پاک کو پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک بار اور سنا دو تو میری اولاد بھی تمہاری نذر ہو تو اُس شخص نے کہا کہ میں فرشتہ ہوں آپ کو مال و اولاد کی احتیاج نہیں



بنا کر رکھو ایسی حالت میں طلاق ہی بہتر ہے کیونکہ بصورت تفریق خداے تعالیٰ اپنے فضل سے اچھا سامان کر دیتا ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم من کانت لہ امرأتان ولم یعدل بینہما جاء یوم القیامۃ وشققتہ ساقطہ فی آخری ماثل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکی دو عورتیں ہوں اور دونوں کے درمیان انصاف نہ کرے تو وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئیگا کہ اُسکا آدھا دھڑ ٹھنوکا اور دوسری وایت میں ہوگا کہ اُسکا آدھا دھڑ ٹھنوکا ہوا ہوگا وَأَنْ تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا سے یہ بیان ہوا ہے کہ اگر گزشتہ ناموافقت سے جو بوجہ میلان طبع واقع ہو گئی ہو مصالحت اختیار کرنے اور آئندہ انصاف کی کرنے سے بچتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحیم ہے۔ غرض کہ اسلام میں بیبیوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنا اور انکے ساتھ بے رحمی نہ کرنا جزا اخلاق حسنہ ہے۔

**قَوْلُ تَعَالَى الْآلِ الذِّینَ تَابُوا وَاصْلَحُوا اَوْ اَعْتَصَمُوا بِاللهِ وَاَخْلَصُوا دِیْنَهُمْ فَاُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ**  
**وَسَوْفَ یُؤْتِی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا مَّا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَدَاِکُمْ اِنْ شِکَرْتُمْ وَاَنْتُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ شَاکِرٌ**  
**عَلِیْمٌ لَا یُحِیْتُ اللّٰهُ الْجَبْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللّٰهُ مُبِیْعًا عَلَیْکُمْ اِنْ تَدُوْا لِیَٰ**  
**اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوءِ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا ذِیْ رَءْفَہٍ** ترجمہ مکران میں سے، جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی اور اللہ کا سہارا لیا اور اپنے دین کو خدا کے واسطے خالص کر لیا تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ (بہشت میں) ہونگے اور اللہ مسلمانوں کو آخرت میں بڑے اجر دے گا اگر تم (لوگ خدا کی) شکر گزاری کرو اور (اس پر ایمان رکھو تو خدا کو تمھارے عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے بلکہ خدا (تو شکر گزاروں کا) قدردان (اور ان کے حال سے) واقف ہے اور اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی

عرب کے لوگوں کی درشتی و سخت مزاجی مشہور و مسلم ہے اور انہیں جنس میں سب سے کم زور عورتیں اور یتیم ہیں۔ انھیں دُکروہوں پر اقسام کے ظلم و زیادتیوں ہوتی تھیں اسلام نے ان تمام ظلموں کی رخنہ بندیاں کیں اور جو احکام عورتوں کے بارہ میں نازل ہوئے وہ اس سے پہلے مذکور ہو چکے ہیں یہاں بھی اُسی کا کچھ ذکر ہوا ہے کیونکہ ضرورت زمانہ اور خواہشات نفس کے لحاظ سے تعدد ازواج کی حاجت لاحق ہوتی تھی اور انہیں مساوات کا برتاؤ کرنا مشکل تھا تفاوت محبت جو مقتضائے رحمان قلبی ہے انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے اس لیے اقوال و افعال میں مساوات محال ہے اسی کا ذکر ابتدائے آیت میں ہوا ہے **رَوٰی الشَّافِعِی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ** **عَنِ** **رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم** **اِنَّہٗ** **كَانَ** **یَقْسِمُ** **وِیَقُولُ** **ہٰذَا** **اَقْسَمِیْ** **فِیْمَا** **اَمْلَکْتُ** **وَاَنْتَ** **اَعْلَمُ** **مَا** **اَصْلَکْتُ** **اِمَام** **شَافِعِی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ** سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے درمیان باری ٹھہراتے تھے اور انصاف فرماتے تھے اور کہتے تھے اتنی یہ میری تقسیم ہے جسکی میں طاقت رکھتا ہوں اور تو جانتا ہے جسکی میں طاقت نہیں رکھتا یعنی (دل کی محبت)

اور ساتھ ہی **وَلَا تَمْلِكُوْا کُلَّ الْمِیْلِ** سے معاشرت کا طریقہ بتلادیا گیا ہے کہ اس تفاوت محبت قلبی کو قول و فعل سے ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مورث نتائجِ قبیحہ ہے اور اس سے انسان کو چین سے بسر کرنا میسر نہیں ہو سکتا اور **وَلَا تَذَرُوْا کُلَّ مَعْلَقَۃٍ** سے انجام کار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب متعدد بیبیوں میں برابری کا قائم رکھنا مشکل ہے تو ایسا بھی نہونا چاہیے کہ ایک طرف مائل ہو کر دوسرے کو ادھر میں لٹکا رکھو نہ طلاق و دہ پوری بیوی

تو معلوم ہوگا کہ حسب قدر اعضا عنایت تھے ہین وہ سب لاجواب ہین اور وہ ایسی مناسبت سے بنائے گئے ہین کہ اُس سے بہتر ترکیب ہونہیں سکتی۔ ایسا ہی جو اس ظاہری و باطنی وغیرہ کا حال ہے جب انسان ان سب باتوں کو سمجھتا ہے تو وہ شکر اجمالی اختیار کرتا ہے اور جب اُسکو منعم کی کامل شناخت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اُس پر ایمان لاتا ہے اور شکر تفصیلی بجا لاتا ہے پس یہاں شکر کی تقدیم سے شکر اجمالی مقصود ہے اور لفظ شاکر سے خدا کی طرف جو شکر منسوب کیا گیا ہے مقصود ہے کہ شکر کی جزا شکر کے ساتھ ادا ہوگی یہ بیان بطریق استعارہ کے ہے جس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ شاکرین کو ثواب عطا ہوگا اور جو شکر سے اعراض کریں گے مبتلائے عقاب ہوں گے اور لفظ عظیم کا استعمال اس وجہ سے ہوا ہے کہ خدا ہر ایک جزو کل جاننے والا ہے اس کے کسی فعل میں غلطی کا احتمال نہیں ہے چونکہ آیات ماسبق میں منافقین کے حالات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور انکی خوب ہی فضیحت ہوئی ہے اور کیسکی پردہ دری شایان رحم و کرم انہی نہ تھی تو اس خدشہ کے دفعیہ کے لیے ارشاد ہوا لَا يَحِثُّ اللَّهُ الْجَهَنَّمَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا خدا اے تعالیٰ کسی کی بُرائیوں کا ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا ہے لیکن جب بُرائی حد سے گزر جاتی ہے تو پھر اُسکی روک بھی ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَذْكُرُوا الْفَاسِقَ يَمُوتُ فِي تَحَدُّدِ النَّاسِ یعنی فاسقین کے بُرے افعال کا ذکر خیال سے جائز ہے کہ دوسرے لوگ اُن کا مون سے بچیں چونکہ منافقین کا مکرو و شید حد سے گزر گیا تھا اور خصوص مسلمانوں کے حق میں اُنکا ظلم بلاے بے دربان ہو گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنکی بُرائیوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا تاکہ مسلمانوں کو ان سے محفوظ رہنے کا موقع ملے اور نیز

(سیکو) منہ پھوڑ کر بُرا کہنے مگر چسپ (کسی طرح کا) ظلم ہوا ہو اور وہ منہ پھوڑ کر ظالم کو بُرا کہہ بیٹھے تو وہ معذور ہو اور اسد (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہو (لوگوں کے ساتھ) بھلائی کھلم کھلا کر و یا چھپا کر کر و یا (تھامے ساتھ کوئی بُرائی کرے اور تم) بُرائی سے درگزر کرو (یہ بھی ایک قسم کی بھلائی ہو) واللہ بھی (لوگوں کے ساتھ بھلائی ہی کرتا ہو کہ) باوجود قدرت کے درگزر کرتا ہو (تم بھی درگزر کیا کرو) اس آیت میں ان چاروں باتوں کا ذکر ہوا ہے جنکو اگر منافقین بھی اختیار کریں تو خدا

کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے ہیں والا فلا

(۱) بُرے کاموں سے بالکلیہ توبہ کرنا۔

(۲) اچھے کام اختیار کرنا۔

(۳) خدا پر بھروسہ کرنا۔

(۴) نیت اچھی رکھنا

یہ سب امور محض رضاے الہی کے حاصل کرنے کے لیے ہوں سمع و ریا کے طور پر

نہ ہوں اور پھر ارشاد ہوا لَیْجَعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ اَیْکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاَنْتُمْ وَاَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰهُ شَاکِرًا عَلِیْمًا

ایک انسان دوسرے انسان کو جو عذاب دے دیتا ہے اس کے تین سبب ہیں یا تو اپنی تشفی قلب کے لیے یا جلبِ شفقت کے لیے یا وضعِ محنت کے واسطے خداے تعالیٰ ان اغراض سے پاک اور مبرا ہو اسکی غرض محض یہ ہو کہ بندے نیک کام اختیار کریں اور بُرے کاموں سے بچیں تاکہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے کیونکہ خداے تعالیٰ بندوں کے ساتھ متوجہ باخیر جو اس آیت میں شکر کو ایمان پر اس وجہ سے مقدم کیا گیا ہو کہ انسان ذرا غور سے اپنی حالت کو دیکھے تو معلوم کر سکتا ہو کہ خدا نے اسکو کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں مثلاً اپنی بناوٹ ہی خیال کر

کیونکہ اللہ تعالیٰ باوجود قدرت انتقام کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے تو بندوں میں بھی عفو و کرم کی صفت ہونی چاہیے اور یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے کہ اگر انسان اپنے انبائے جنس کے خطیات سے درگزر کرے تو خدا اُسکے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ ان آیات میں اچھے کاموں کے اختیار کرنے اور بُرے افعال سے بچنے کی جس عمدگی سے ہدایت ہوئی ہے اور اس کا اثر دستی اخلاق پر جیسا کچھ پڑتا ہے وہ محتاج صراحت نہیں ہے۔

قوله تعالى لَكِنَّ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُوْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ترجمہ لیکن انہیں سے جو لوگ گہرے معلومات رکھتے ہیں (وہ) اور مسلمان (یہ دونوں فریق تو اس کتاب) جو تم پر اتری ہے اور ان (کتابوں) پر جو تم سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) اتری ہیں (سب پر) ایمان لاتے اور نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنکو ہم عنقریب بڑا اجر عطا فرمائیں گے اسکے قبل کفار اور جہال یہود کے عادات کا ذکر ہوا ہے لیکن کوئی قوم بُری سے بُری

کیونکہ انہیں چند لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ یہود میں بھی کچھ لوگ اچھے تھے جیسا کہ عبد اللہ ابن سلام وغیرہ یہ لوگ اپنے مذہب کے عبادات و ریاضات کے پابند تھے صرف تصور تھا تو یہی کہ ان کا مذہب تکمیل طلب تھا جب وہ قرآن اور نبی علیہ السلام پر ایمان لائے تو وہ نقص بھی جاتا رہا اس لیے انکی نسبت یہ فرمایا ہے لَكِنَّ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ کہ جو لوگ انہیں سوڑے عالم میں جنکی نظر ان بشارات پر بھی ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت انبیاء سابقین

مصلحت الہی یہ بھی ہو کہ جب ہر شخص اپنے کردار کو آپ خوب جانتا ہو تو ممکن ہو کہ وہ ان ہدایات سے اپنے افعال سے توبہ کر کے راہ راست پر آجائے یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ ایک شخص نے رسول مقبول ص کے سامنے آپ کو بُرا کہا الہی بار آپ نے سکوت کیا مگر جب آپ نے بھی ویسا ہی جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ جب تک یہ شخص بدزبانی کرتا رہا آپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کو جواب دیا تو آپ اٹھ کھڑے ہو گئے آخر اس کی وجہ کیا ہو بیان فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ تمھاری طرف سے ایک فرشتہ اس بدنگال کا جواب دے رہا تھا لیکن جب تم نے چل کر اس کو بُرا کہا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آگیا۔ جہاں شیطان ہو وہاں ہم بیٹھ نہیں سکتے اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابن عباس کا یہ قول ہو کہ غیر کی بُرائیوں کا اعلان یہ بیان کرنا سولے مظلوم کے کسی کو جائز نہیں ہو کہ اس سے غیبت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ غیروں کے مظالم کی اگر برداشت کی جائے تو اللہ سمیع و علیم ہر نیک جزا دیگا اور پھر ان تَبْدُ وَآخِرًا اَوْ تَخْفُوہُ اَوْ تَعْفُوہُ عَنْ سَوْعِہُ فَإِنَّ اللہَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا سے نیکی اور معافی کی ترغیب دلائی گئی ہو تب۔ کاموں کا حصہ نہیں ہوتا ہم تفہیم کے لیے یہ کہا جا سکتا ہو کہ خاص جو کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے یا مخلوق کے ساتھ نیک خلقی سے پیش آئیں تو وہ نیکی کی تعریف میں داخل ہو نیک کام دو قسم کے ہیں ایک تو ایصالِ نفع اور دوسرا دفعِ ضرر ان تَبْدُ اَوْ تَخْفُوہُ سے ایصالِ نفع کی طرف اشارہ اور اَوْ تَعْفُوہُ سے دفعِ ضرر کی طرف۔ ان کلمات میں خیر کے تمام انواع و اقسام داخل ہیں فَإِنَّ اللہَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا سے تخلقوا باخلافاً اللہ کی تعلیم ہوئی ہو

تو اسد (بھی) انکو عنقریب اپنی رحمت (کے سائے میں اور فضل کی پناہ) میں لے لیگا اور انکو اپنے حضور تک (پہنچنے کا) سیدھا راستہ (بھی) دکھا دیگا۔

اسکے قبل منافقین اور کفار عرب اور یہود و نصاریٰ وغیرہ باطل فرقوں کی تردید ہوئی ہو

اور انکے شبہات باطلہ کو دفع کیا گیا ہو اور اب اعلان عام کے طور پر تمام نبی آدم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا یوں حکم ہوتا ہو یا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّکُمْ  
برہان سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ برہان کہتے ہیں دلیل کو آپ کا یہ کام تھا کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے دلیل قائم کریں اور ابطال باطل کی کوشش کریں اور نیز خود آپ دلیل اہمیت تھے۔ اور ساتھ ہی یہ ارشاد ہوتا ہو کہ نقطہ نبی برحق کے بھیجنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہو بلکہ سلسلہ ہدایت

کو قائم رکھنے کے لیے قرآن مجید بھی نازل کیا گیا ہو اَنزَلْنَا إِلَیْکَ نُورًا مُّبِیْنًا نور مبین سے قرآن مجید

مقصود ہو۔ جبکہ سب سے یہ بات ظاہر ہو چکی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول خدا ہیں اور قرآن مجید خدا کی برحق کتاب ہو تو تمام نبی آدم پر واجب ہو کہ شریعت محمدی کی اتباع کریں اور اطاعت کریں وہو النور

کی تحریص کے لیے حکم ہوا قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا إِلَیْهِ فَمَنْ خَلَفَهُ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضَّلِ

وَيَعِدُ يُعِمْ الْبَرَّ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا یعنی متبعین اسلام کو تین باتوں کی امید دلائی گئی کہ ان پر خدا کی رحمت

و نیا اور عقبی میں شامل حال رہیگی اور فضل خدا مزید برآں ابن عباس نے رحمت کو جنت سے تعبیر کیا ہو

صراط مستقیم سے مراد راہ ہدایت ہو۔ جس سے روح کو سعادت ابدی حاصل ہوتی ہو۔ جب روح درجہ

کمال پر پہنچ جائے تو تبعاً نفس انسانی کا سنور جائے لازمی ہو جس سے اخلاق درست ہو جائے ہیں

قوله تعالى وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ أََعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

بیان فرمائیں وہ اور مسلمان دونوں فریق تو قرآن مجید اور دیگر کتب الہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ علما کے تین طبقے ہیں۔ ایک علمائے شریعت جو احکام شریعت سے واقف ہوتے ہیں دوسرے علمائے الہی جنکو ذات باری اور اُس کے صفات کا صرف علم ہوتا ہے تیسرے وہ جو ان علوم سے واقف بھی ہیں اور علم بھی۔ گروہ علمائین اسی طبقے کو شرف و منزلت ہے اور اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے جالیں العلماء و خالط الحکماء و ترافین الکبراء پس وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے علمائے شریعت مراد ہیں اور وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ سے علمائے باعمل کا ذکر کیا گیا ہے اور وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ سے علمائے ذات باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے چونکہ اشراف معارف الہی علم مبدع و معاد ہے پس مُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ سے علم مبدع مراد ہے وَالْيَوْمِ الْآخِرِ سے علم معاد مقصود ہے اور جنکو یہ سب علوم حاصل ہوں اور وہ اسکے عامل بھی ہوں تو وہی علمائے راسخین سے موسوم ہیں اور انھیں کی یہ شان ہے کہ أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا یعنی آخرت میں خدایتعالیٰ کی سرفرازی سے ممتاز ہوں گے، حقیقت صاحب تہذیب یہی ہیں۔

قوله تعالى يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَتِهِمْ وَفَضْلٍ وَكَبِيرٍ وَكَبِيرٍ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ترجمہ لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حجت آچکی اور ہم تمہاری طرف جمگٹا بنا دیا نور ہدایت یعنی قرآن) بھیج چکے سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے سید کا سہارا لیا

۱۵ علما کے ساتھ مل بیٹھو اور حکما سے خطاطی رکھو۔ اور محققین سے نیاز کے ساتھ پیش آؤ ۱۲۰



شروع سورہ مائدہ سے لیکر بیان تک جس قدر احکام ایسی بیان ہوئے ہیں ان سب کا حاصل یہ  
 ہے کہ حاجیوں کی آمد و شد کعبہ میں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے، بے کھٹکے جائیں اور چلے آئیں، لیکن سخت  
 افسوس کی بات ہے کہ اب بھی عرب کے بدو ان احکام کا پاس نہیں کرتے اور ہمیشہ قافلے لٹتے رہتے  
 ہیں اور نیز حاجیوں کو شکار کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ ملک میں ہر سبزی اور آبادی ہے حقیقتہً ملک عرب کو  
 اسکی سخت ضرورت تھی اور یہ آیات مافی البیان کی ابتدا یا ایہا الذین امنوا لا تملوا شعائر اللہ  
 سے ہوئی ہے۔ اور نشان نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے چھٹے سال واسطے اے عمر  
 کے مکہ معظمہ کا قصد کیا جب مع اصحاب قریب کہ مقام حیدرہ پر آکر خمیہ زن ہوئے تو مشرکین مکہ نے  
 جنگ کی تیاری کی اور یہ کہا کہ ہم آپ کو ہرگز کعبہ کا طوان نہ کرنے دیں گے اور نہ شہر مکہ میں آنے دیں گے  
 آپ نے فرمایا کہ میں جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں خیر اگر تمہاری مرضی نہ ہو تو میں واپس جاتا ہوں  
 اسپر باہم ایک عہد نامہ ہوا اور آپ واپس چلے آئے مگر صحابہ کو مشرکین قریش کی ایسی سرکشی ناگوار  
 معلوم ہوئی انھوں نے بھی حج کے آنے والے مشرکین کو روکنا شروع کیا۔ چونکہ اسلام میں نیک  
 کاموں میں دست اندازی کرنا جائز نہیں ہے مسلمانوں کو اس دست اندازی کے لیے یوں حکم ہوا۔  
 تعاوذوا علی البر والتقوی لا تعاونا علی الاثم والعدوان نیک کاموں کی شرکت اور اعانت کرو  
 اور برے کاموں سے بچتے رہو۔ اور پھر تاکید ہوئی کہ وانقوا اللہ واعلموا ان اللہ شدید العقاب  
 جن امور کو حرام کر دیا گیا ہے انکو جائز نہ ٹھہراؤ خدا کے عذاب سے ڈرتے رہو اس کے غضب میں مبتلا نہ ہوا  
 حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اهل الغیر للہ بہ المتخفۃ والموقوۃ والمتردیۃ والنطیحۃ  
 وما اکل السبع الا ما ذکیتہ وما ذبح علی النصب ان تستقسموا بالاذلام سے ان گیارہ حرام

شَبَدْنَا الْعِقَابَ مُحَرَّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلُ الْبَيْتِ لَهِ بِهِ وَالْمُنْخَفَةُ  
 وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ أَنْ يَسْتَقِيمُوا  
 بِالْأَنْزَامِ ذَلِكُمْ فَسُقِ الْيَوْمَ بَيِّنَاتٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ وَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكَلْتُ  
 لَحْمَ دِينِكُمْ وَأَمْسَكْتُ عَلَيْكُمْ نَعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُجَانِفٍ  
 لِأَنْفِقَاتِ اللَّهِ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ترجمہ اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے  
 کے مددگار ہو جاؤ اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو اور اسد  
 کو غضب سے ڈرو (کیونکہ) اسد کا عذاب (بہت ہی) سخت ہو رہا ہو جانور اور لہو اور سور کا گوشت  
 اور جو جانور خدا کے سوا کسی اور کے لیے (حلال) کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو اور جو چوٹ  
 سے مر رہا ہو اور جو گر کر مر رہا ہو اور جو سینگ لگ کر مر رہا ہو (یہ سب چیزیں) تم پر حرام کر دی گئیں اور نیزہ  
 جانور جسکو درندوں نے (پھاڑ کر) کھایا ہو مگر جس (کے مرنے سے پہلے تم اُس کو حلال کر لو تو وہ  
 حرام نہیں اور نیزہ جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی منع ہو کہ (ساتھ کے جانور کا  
 گوشت جوے کے طور پر) تیروں کے (پانسوں) سے آپس میں تقسیم کر دو کہ یہ گناہ (کی بات) ہے اب  
 کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہوے (کہ تم میں اور انہیں الیتام نہیں ہو سکتا اور وہ تمہاری سخت  
 مخالفت کریں گے) تو ان سے نہ ڈرو اور ہم ہی سے ڈرو اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے  
 کامل کر چکے اور ہم نے تمہارا اپنا احسان پورا کر دیا۔ اور تمہارے لیے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا۔  
 پھر جو بھوک سے بے قرار ہو (اور) گناہ کی طرف اسکا میلان نہو (اور وہ بحجوری کوئی حرام چیز  
 کھالے، تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۵) المنخقة جو جانور گلا گھونٹنے سے مر جائے۔ جاہلیت میں جانور کے گلا گھونٹنے کے تین طریقے تھے یا تو خود ہاتھ سے گلا گھونٹتے تھے۔ یا رسن سے بطور پھندے کے۔ یا درختوں کی ٹہنیوں میں گردن کو پھانسی کر مار ڈالتے تھے یہ تینوں صورتیں اسلام میں ممنوع ہیں کیونکہ گلا گھونٹنا ہوا جانور مثل مرے ہوئے جانور کے ہر جسکی مضرت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

(۶) الموقوذة وہ جانور ہے جو لٹھ یا پتھر سے مار ڈالا جائے ایسا جانور بھی میتہ کی تعریف میں داخل ہے اسکا کھانا حرام ہے۔ علی بن ابیہر وق کی گولی سے مرا ہوا جانور بھی ممنوع ہے۔  
(۷) المتردیۃ جو جانور بلندی سے جیسے جھاڑ۔ پہاڑ وغیرہ سے گر کر مر جائے وہ بھی میتہ میں داخل ہے اور اسکا کھانا ناجائز ہے۔

(۸) النطیحة وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یہ بھی جائز ہے۔  
(۹) ما اکل السبع وہ جانور ہے جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو اور بغیر ذبح کے مر گیا ہو اسکا کھانا بھی حرام ہے الا ما ذکیتہم چار اقسام متذکرہ سے متعلق ہے یعنی موقوذة۔ متردیۃ۔ نطیحة۔ ما اکل السبع سے ان چاروں صورتوں میں اگر جانور زندہ مل جائے اور پھر ذبح کر دیا جائے تو اسکا کھانا حلال ہے۔

(۱۰) ما ذبحہ علی النصب ان ماتر اشیدہ پتھروں کو نصب کہتے ہیں جن پر شریعین ب دیوی دیوتاؤں کے نام رکھ کر قربانیاں دیا کرتے تھے اور کچھ خون بھی ان پر چھڑک دیتے تھے جیسا کہ اب تک ہنود میں اسکا رواج ہے یہ طریقہ بھی ممنوع ہے۔

(۱۱) وان تستقسموا بالانزالام فال کے تیروں سے تقسیم کرنا۔ ایام جاہلیت میں

چیزوں کا بیان شروع ہوا ہے جنکی طرف آیت الہامیہ علیکم میں اشارہ ہوا ہے،

(۱) میتۃ اُس جانور کو کہتے ہیں کہ جسکی روح بغیر ذبح کئے کے نکل جائے، مثلاً کتب

وغیرہ مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ تم اپنے ہاتھ سے ماے ہوئے جانور دن کو تو کھاتے ہو (جس سے انکی مراد ذبح کیے ہوئے جانور دن سے ہے) اور خدا کے ماے ہوئے جانور نہیں کھاتے (جس سے انکا مقصود میتہ سے ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل اعتقاد کی تردید فرمادی کہ جس جانور کی روح بغیر ذبح کے نکل جائے اسکا کھانا حرام ہے، طبی اصول پر بھی خیال کرو تو معلوم ہوگا کہ مردار جانور کا کھانا مضر صحت ہے کیونکہ خون جو ہر لطیف ہے جب کوئی جانور خود بخود مر جاتا ہے تو اسکا خون عددِ تن جذب ہو کر تحفن پیدا کرتا ہے اور ایسے گوشت کے کھانے سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) الدم عرب کی عادت تھی کہ خون کو جا کرتے پر بھون لیا کرتے تھے یا تل کر کھاتے تھے

خصوص مہمان کی تواضع اسی برشتہ خون سے ہوتی تھی۔ یہاں خون سے وہ خون مراد ہے جو بہ سکتا ہے ایسے لہو کا کھانا حرام ہے اور جو خون گوشت پر لگا ہو جیسے کلیجی یا ملی کا خون شیشی ہے۔

(۳) لحم الخنزیر یعنی سور کا گوشت۔ چونکہ غذا جزو بدن ہوتی ہے جو چیز کھائی جائے

اسکا اثر کھانے والے کی طبیعت پر بھی ہوتا ہے۔ سور میں حرص کا مادہ زیادہ ہے اس سے محفوظ رہنے کے لیے اسکا کھانا منع کر دیا گیا ہے تاکہ انسان میں حرص کی بد عادت نہ پیدا ہو۔ بخلاف بکرے کے کہ اس میں سلامتی کا مادہ ہے اس کے کھانے سے اجنبی کیفیت کا اثر طبیعت میں پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) ما اھل (غیر اللہ) بہ وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام سے پکارا گیا ہو مثلاً کین

لات و منات وغیرہ کے نام سے جانور ذبح کرتے تھے اس نے اسکو حرام کر دیا۔

اور بڑے افعال سے بچنے کی کس خوبی کے ساتھ تعلیم ہوئی ہو اور تہذیب نفس پر اسکا کیسا قوی اثر پڑ سکتا ہو ظاہر ہو اسلام سے بڑھکر کوئی قوم تہذیب الاخلاق کے عمدہ اصول کو پیش نہیں کر سکتی ہاں یہ بات اور ہے کہ خود مسلمان ان اصول کی پابندی نکرین اور دوسرے اقوام کو مہذب سمجھکر ان کی پیروی کے گرویدہ ہو جائیں۔ اسلام میں دراصل کسی بات کی کمی نہیں ہے جس دین کے کامل ہونے کی گواہی خود خدا تعالیٰ نے دی ہو تو اس سے زیادہ مستند کو نسا مذہب ہو سکتا ہو اور اس سے بڑھکر شرف کس مذہب کو حاصل ہو سکتا ہو۔

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ نُهْدَاءً بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْعَلْ مَنكُمْ شَتَاً قَوْمًا عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدُوا أَعْدَاءَهُمْ قُرْبَىٰ لِلتَّقْوَىٰ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ترجمہ مسلمانو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تمکو اس (جرم کے ارتکاب) کی باعث نہو کہ معاملت میں انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں) انصاف کرو کہ پرہیزگاری کو انصاف لازم ہے۔ اور اسد کی نافرمانی سے ڈرتے رہو (کیونکہ) جو کچھ تم کرتے ہو اسد اس سے باخبر ہے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے اسکا ان سے وعدہ ہے کہ (آخرت) میں ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

ان آیات میں بھی احکام امی کی اتباع و انقیاد کا حکم ہے اگرچہ احکام بہتے ہیں لیکن حصر کے طور پر مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ ایک تو خدا کے حکم کی تعظیم پیش نظر رکھو۔ دوسرے مخلوق کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آیا کرو۔ کو نو اقوامین اللہ سے امر اول کی طرف او تشہد اء بالقسط سے امر دوم کی جانب اشارہ ہے۔ خدا کی توحید اور عظمت کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اور اخلاق

تیر سے پانسے کے طور پر گوشت اور دیگر اشیاء کی تقسیم ہوتی تھی۔ مثلاً کسی تیر پر ایک حصہ کسی پر دو حصہ کسی پر خالی فرض کر کے ان حصوں کو کسی خالی تھیلی میں ڈال کر نکالتے تھے جو حصہ جسکے نام نکلتا وہ لے لیا کرتا تھا ایسی پانسہ اندازی اور قرعہ میں فرق یہ ہر قرعہ مساوی حصوں پر ڈالا جاتا اگر اس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچتی اور پانسہ اندازی میں جوے کی شکل ہوا سیلے ممنوع قرار دیا گیا ہے ذلکو فسق سے اس طریقہ کی مذمت بیان ہوئی کیونکہ ان شرکین کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ حصے بتوں کے ارشاد اور اعانت کے موافق ملتے ہیں ایسا اعتقاد فسق میں داخل ہے الیوم یئس الذین کفرو امن دینکم فلا تخشوہم واخشون سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ ابتداءً مخالفین اسلام کے تعرضات سے شرعی احکام پر عمل کرنے میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا تھا مگر اب احکام اسلام کی اشاعت ایسی ہو گئی ہے کہ مخالفین کی رخنہ اندازی کا احتمال نہیں ہے پس اب اہل اسلام کو کسی کا خوف نہ کرنا چاہیے صرف خدا کا خوف پیش نظر ہے اور پھر ارشاد ہوا کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی خدائے دین اسلام کو کامل کر دیا یہ بڑی نعمت ہے اسکی قدر کرو اور پھر رضیت لکم الاسلام دینا سے دین اسلام کا مقبول ہونا ظاہر کیا گیا ہے جسکی تائید ایک دوسری آیت ومن ینبع غیر الاسلام دینا فلن یقبلہ منہ سے بھی ہوتی ہے فمن اضطر فی مخصۃ غیر متجانف لا شعوف ان اللہ غفور رحیم تک یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن جانوروں کا کھانا حرام کیا گیا ہے اگر وہ جانور حالت اضطراب و مخصۃ میں صرف بھوک سے جان بچانے یا دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے استعمال میں آجائیں تو خدا معاف کرو گی کیونکہ مواخذہ نیت سے متعلق ہے۔

ان آیات سے اچھے کاموں کو اختیار کرنے اور ایک دوسرے کی معاونت کرنے

تا برا روز مال و جانس و مار | ظلم اور ابطلم سازد کار

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ترجمہ مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (نیز) اُس تک (پہنچنے کے) ذریعے کی جستجو کرتے رہو اور اُس کے راستے میں جان لڑا دو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس سے پہلے اُن یہود کا ذکر ہوا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درمیان تھے لیکن خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان بدخواہوں کے مکرو شید سے آپ کو اور آپ کی امت کو محفوظ رکھا چونکہ یہ قوم شدت سے انبیاء علیہم السلام کو تکلیف پہنچانے کی خواہاں رہتی تھی اسیلے ان کے فریبوں سے غافل نہ رہنے کے لحاظ سے بفرط عنایت حکم ہوا کہ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیکم الوسیلۃ مسلمانوں کو قوم یہود کی جسارت کا حال اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے طبائع گناہوں کی طرف مائل اور وہ خدا کی اطاعت سے پھرے ہوئے ہیں تم ان باتوں سے بچے رہو جن امور کو خدا نے حرام کیا ہے ان سے محفوظ رہو اور طاعت الہی کو اپنی مغفرت کا وسیلہ قرار دو سب سے بڑا وسیلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اسکو نہ چھوڑو اور جیسا کہ یہود کی عادت تھی کہ اپنے اسلاف کے اعمال پر فخر و مباہات کرتے تھے تم اس جد فروشی کے بد طریقہ کو اختیار نہ کرو بلکہ محاسن ذاتی پیدا کرو۔ چونکہ اعمال حسنہ کا اختیار کرنا معمولی کام نہیں ہے اسیلے ارشاد ہوا وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون انسان کو دوزخ بردست حکومتوں میں اپنی زندگی کاٹنی پڑتی ہے ایک تو نفس کی حکومت ہے جو لذات و نیوی اور شہوات طبعی کی طرف انسان کو کھینچتی ہے اور دوسری عقل کی حکومت ہے جو اطاعت الہی کی رہنمائی کرتی ہے اس کشمکش میں سنبھل کر راہِ راست

حسنت کی تعلیم کے لیے مسلمانوں کو ہر وقت آمادہ رہنا چاہیے کہ اس سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے اور پھر  
 ولا یجھ منکم سے ہوا قرب للتعوی تک عدل انصاف ترک کرنے کی ہدایت ہوئی ہے کیونکہ کیا  
 اوقات فریق مخالف کی بجا کہد کاوش سے انسان انصاف سے گزر جاتا ہے مگر اسلام یہ ہدایت کرتا ہے  
 کہ ایسے مشکل وقت میں بھی مخلوق خدا کے ساتھ رحم و کرم کا پہلو اختیار کیا جائے اور ظلم و تعدی سے  
 کام نہ لیا جائے۔ بلکہ عموماً ہر موافق و مخالف سے عدل انصاف کا برتاؤ کیا جائے چنانچہ تاکید اکلم ہو ہے  
 کہ اعداوا قرب للتعوی کہ انصاف کرنا پرہیزگاری کے لیے لازمی ہے۔ انصاف انسان کو معاصی  
 سے بچاتا ہے۔ اسلام میں کفار کے ساتھ بھی ترک انصاف جائز نہیں ہے۔ اور پھر وعدہ طبعین دروعید  
 مذہبین کے طور پر ارشاد ہوا کہ واتقوا اللہ ان اللہ خیر بما تعلمون خدا کو تمام معلومات کا علم حاصل ہے  
 کوئی بات اُس پر پوشیدہ نہیں ایسے خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہنا چاہیے اسکے بعد خاص طور پر مومنین  
 کی تحریص کے لیے حکم ہوا کہ وعدا للذین امنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة واجر کریم  
 یعنی نیک کار مومنین کو دو باتیں میسر ہوں گی ایک تو ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے دوسرے یہ  
 کہ خدا نے تعالیٰ ان کے ساتھ امید سے زیادہ کرم و عنایت فرمائے گا یہ دونوں وعدے ایسے ہیں کہ  
 انسان پر موت کی تکلیف کو آسان کر دیتے ہیں اور اندھیری قبر میں چین سے سونے دیتے ہیں۔  
 ان آیات میں انصاف کو پیش نظر رکھنے اور اچھے کام اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی ہے  
 جو تہذیب نفس کے بہترین اسباب ہیں۔

دود و یوند و آدمی رویند

ظالمے را خداے بگمارد

ہر کہ اندر جہان ستم جویند

ہر کہ او عدل خویش بگذارد



آزمائش کا موقع باقی نہ رہتا اور پچھلے لوگوں کو پہلی امت کے احکام کی پابندی میں کچھ نہ کچھ عذر ہوتا  
 اسیلے ہر زمانے میں مناسب وقت احکام عطا فرمائے گئے ہیں باوجود اس سہولت کے جن لوگوں  
 نے ان احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کی وہی تصور وارہین آیات زیر بیان میں اسی کا ذکر ہو کہ  
 یہود ہمیشہ دین اسلام میں رخنہ اندازی اور تحریف کی کوشش کرتے تھے اسیلے خود جناب  
 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ وان احکم بدینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم۔  
 یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی کتاب کے موافق حکم دو۔ مخالفین اسلام کی خواہشات کا خیال  
 مت کرو اور پھر تاکید ہوئی کہ واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک  
 یہی نہیں بلکہ انکے داؤ گھات سے ڈرتے رہو کہ جو کتاب خدا نے تیرا تاری ہو مباد اسکے کسی حکم سے  
 یہ لوگ ٹکھو ہکا دین۔ اسیلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے اعوذ بک من  
 فتنۃ الحیاء اسی آیت سے علمائے اس مسئلہ کا بھی استنباط کیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام  
 سہو و نسیان سے مبرا نہیں ہیں۔ اسکے بعد اس راز کو بھی ظاہر فرمادیا کہ اگر وہ لوگ خدا کے  
 حکم کے موافق عمل نہیں کرتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہو کہ انکے بعض گناہوں کی وجہ سے خدا  
 ان پر کوئی مصیبت نازل کرنا چاہتا ہو فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یرسلہم  
 ببعض ذنوبھم میں یہی بیان ہو۔ غرض کہ جو کچھ ہوتا ہو وہ سب مشیت ایزدی کا اقتضا ہو الخیر  
 والشر من اللہ تعالیٰ اور پھر مخالفین اسلام کے حالات کا ذکر یوں فرمایا گیا ہو وان  
 کثیرا من الناس لفسقون کہ اکثر لوگ کفر میں مبتلا ہیں اور انکی رگ و پڑ میں خدا کے احکام  
 کی نافرمانی جم گئی ہو فاحکم الجاہلیۃ یرغوب ایسا معلوم ہوتا ہو کہ وہ آپ کے مبارک نام میں بھی

چلنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ عبادت اسی پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اسکے بھی بہت اقسام ہیں بعض کی عبادت تو صرف نام و نمود کے لیے ہوتی ہے اور بعض کی خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے، بہر حال ان امتیازات کو پیش نظر رکھ کر افعال حسنہ کا اختیار کرنا بہت دشوار کام ہے لہذا کوشش کے ساتھ اچھے کام کرنے کی ہدایت ہوتی ہے اور اسی کوشش کو نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ان مختصر لفاظ میں تک اخلاق ذمہ حصول اخلاق فاضلہ کی ہدایت جس صراحت فرمائی گئی وہ محض اعجاز قرآن ہے اور بس۔

قَوْلَهُ تَعَالَى وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ يَأْتِزِلَ اللَّهُ وَلَآتِيَّحْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا مَا يَبْرِدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بَعْضُ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ . اَفْحَكُمُ الْجَاهِلِيَّةَ يَبْنُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُؤْفِقُونَ۔ ترجمہ (غرض اے پیغمبر تم تو اپنی شریعت پر قائم رہو) اور جو کتاب خدا نے (تم پر) اتاری ہے اسی کے مطابق ان لوگوں میں حکم دو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان (کے داؤ گھات) سے ڈرتے رہو کہ جو کتاب خدا نے تمہاری طرف اتاری ہے (مبادا) اس کے کسی حکم سے یہ لوگ کو بھٹکاؤ پھر اگر یہ لوگ تمہارا کہا، نہ مانیں تو جانے رہو کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت لا نازل کرے اور بیشک بہتے لوگ البتہ نافرمان ہیں۔ کیا (اس وقت میں نہ) جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ سے بہتر حکم دینے والا اور کون ہو سکتا ہے، اس کے قبل قرآن مجید میں کتب سابقہ کا ذکر ہوا ہے چونکہ اصولاً انبیاء علیہم السلام کا مذہب ایک ہے اسلئے یکے بعد دیگرے تین کتابیں نازل ہوئیں، توریت، انجیل، قرآن، مگر مصاحح وقت کے لحاظ سے احکام بدلتے رہے ہیں۔ اگر خدا چاہتا تو سب کے لیے ایک ہی دستور عمل بنا دیا جاتا، مگر خدا کی

رسم و رواج جاہلیت کا ترک کرنا بھی تہذیب اخلاق کا جز ہے۔

قَوْلُهُ تَعَالَى وَإِذْ أَسْمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ الرَّسُولَ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُمْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ فَأَنشَأَهُمُ اللهُ مِمَّا قَالُوا أَجَنَّةٍ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ اور جب قرآن کو سنتے ہیں (جو ہمارے اس) رسول پر نازل ہوا ہے تو اے مخاطب تو انکی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ ان سے آنسو جاری ہیں اسلئے کہ انھوں نے حق بات کو پہچان لیا ہے (قرآن کو سنکر) دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اے پروردگار ہم تو ایمان لے آئے تو دین حق کو تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہوں بھی لکھ رکھ اور ہلکویا (جنوں ہو گیا) ہے کہ اس پر اور جو حق بات ہمارے پاس آئی ہے اس پر ایمان لائیں نہیں اور توقع یہ رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہلکونیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں لیجا) دخل کریگا تو ان کے اس کہنے کے صلہ میں خدا نے ان کو (بہشت کے) ایسے باغ عطا فرمائے جن کے تلے نہرں پڑی برہمی ہیں۔ کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور خلوص دل سے نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔

ان آیات کے اسباب نزول میں اس قدر لکھنا ضرور ہے کہ جب مکہ معظمہ میں مشرکوں کے ہاتھ سے اہل اسلام پر نہایت سختی پہنچنی شروع ہوئی کہ کوئی تو دھوپ میں کوڑون سے پٹا جاتا ہے اور کسی کو قتل کیا جاتا ہے کسی کو زخم لگائے جاتے ہیں کسی کا گوشت کاٹا جاتا ہے یہاں تک کہ عمار بن یاسر اور ان کے والدین کو جب باپ بیٹے ہی تھے تو اتنے میں ابو جہل بھی آگیا اُس بد بخت نے سمیتہ والدہ عمار کی پیشاب گاہ میں نیزہ اس جرحی سے چلایا کہ وہ شہید ہو گئیں العیاذ باللہ ایسی حالت میں (۸۰) مسلمان

جو ہدایت کا زمانہ ہر ایام جاہلیت کے احکام کے آرزو مند ہیں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب  
مقابل نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے قبل سے قبیلہ بنی قریظہ  
اور بنی نضیر میں مخالفت تھی اور ہمیشہ آپس میں جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بنی قریظہ کے  
چند لوگ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم سے اور بنی نضیر سے ایک جہی  
برادری ہو ہم دونوں کالیش و مذہب بھی ایک ہے اور ایک ہی کتاب کے تابع ہیں۔ مگر بنی نضیر  
ہم میں سے کسی کو قتل کرتے ہیں تو ستر و سق کھجور بطور دیت کے ہکودیا کرتے ہیں (وسق ایک وزن  
ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے) اگر ہم ان کے کسی آدمی کو قتل کر دیتے ہیں تو سو و سق خیرا دیت  
میں دینا ہوتا ہے۔ اس طرح زخمی کی دیت بھی ہکود نصف دیا کرتے ہیں اور ہم سے المضاعف لیتے  
لیتے ہیں۔ اسکا تصفیہ فرما دیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق مساوات عمل کرنے کا  
حکم فرمایا اس پر بنی نضیر نے کہا کہ ہم آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہیں کہ آپ ہمارے مخالف ہیں  
تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غرض کہ اس زمانے میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کمزور لوگ تو برابر اٹائے  
تاوان اور ایفا سے عہد پر مجبور کیے جاتے تھے اور زبردست لوگوں کو کوئی پوچھتا ہی نہ تھا  
خدا نے تعالیٰ نے ایسی بے انصافی کو منع کر دیا۔ اگر قوم یہود سے اسکو متعلق کیا جائے تو بغی  
ہوں گے کہ ان کو یہ جتلیا گیا ہے کہ تم پر تو کتاب الہی نازل ہوئی ہے اور تم اہل علم بھی ہو با انہمہ طریقہ  
جہل کی آرزو کرنا حیرتناک ہے۔ ایسی فضول باتوں کو چھوڑ دو اور راہ راست پر آ جاؤ۔ اور پھر ارشاد ہوا  
کہ ومن احسن من اللہ حکما القوم یوقنون ذرا عقل و فراست سے تو کام لو کہ خدا سے بڑھ کر  
کون عاقل ہو اس کے تمام احکام مصالح عباد پر مبنی ہوتے ہیں اس سے بہتر کون حکم دے سکتا ہے۔ غرض کہ

بعض آیات و مضامین حقہ کے سننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ زار زار روتے تھے و یقولون کَآئِنَا مَنَای پروردگار  
یہ تیرا کلام سچا ہوا اور اسکی ہم تصدیق کرتے ہیں خاکتہ نامع الشاہدین امت محمدی کے ساتھ  
ہمارا نام بھی لکھ دے و مالک الانومن باللہ و ما جاءنا من الحق و نطع ان یدخلنا ربنا مع  
القوم الصالحین کیا ہم دیوانہ ہو گئے ہیں کہ بغیر خدا پر اور اسکی سچی کتاب پر رجوا آخرت صلی اللہ  
علیہ وسلم پر نازل ہوئی ایمان لانے کے صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی آرزو کریں۔  
فَاَنَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا اجْنَاتِجِیْ مِنْ تَحْتِهَا اَلَا نَهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذَلٰکَ جَزَا  
الْمُحْسِنِیْنَ چونکہ خلوص نیت ان لوگوں نے ایمان لایا تھا خدائے تعالیٰ نے انکو بہشت کی ایسے  
باغ عطا فرمائے کہ جنمیں نہریں و انہیں خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ  
خدا سے ملتا ہے اخلاق فاضلہ کا جزو عظیم خلوص نیت ہے

چہ کشت و چہ صومعہ بدراو	چہ مسلمان چہ کبیر بردراو
ہمگان طالب اندوا و مطلوب	گبر و ترسا و نیکو و معیوب
گر تو باشی و گر نہ اورا چہ	بردربے نیاز می از کہ و مہ
ورنہ آنجا کہ محض جان و دل ست	این ہمہ طمراق آب و گل ست

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَاللِّبْسُ الْأَثْمَابُ وَالْكَافُورُ حَبِيبٌ مِّنْ  
عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ترجمہ مسلمانو! شراب و رجوا اور بت اور پائے تو  
بس ناپاک شیطانی کام ہیں تو ایسے ہر ایک کام سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

کلام مجید میں اسکے ما قبل اشیاء حلال و حرام کا ذکر ہوا ہے اور یہاں شراب و رجوع کی

جنین (۱۳) عورتیں اور باقی مرد تھے جنین حضرت عمر بن الخطابؓ وجعفر بن ابی طالبؓ وغیرہ شریک تھے ملک حبش کو ہجرت کر گئے جہاں کا بادشاہ اصحنام نجاشی لقب عیسائی مذہب تھا وہ مدت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا منتظر تھا کیونکہ کتب سابقہ میں اس بشارت کو دیکھ چکا تھا جب یہ صحابہ کی جماعت اسکے خاص شہر میں داخل ہوئی تو کفار قریش نے نجاشی کے لیے تحفہ دہایا اور ایک مراسلہ دیکر عبدالمد بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ یہ نئے مذہب کے لوگ ہیں مسیح علیہ السلام کو خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ کہتے ہیں ان کو مقید کر کے ہمارے پاس واپس بھیج دیا جائے تاکہ آپ کے ملک میں یہ شور و شغب نہ پیدا کریں۔ نجاشی نے علما اور اعیان سلطنت کی ایک مجلس منعقد کی ان دونوں ایلیٹیوں کے روبرو جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بھی طلب کیا اور پوچھا کہ تم میں سے اپنے نبی کا زیادہ قرابت دار کون ہے اس وقت حضرت جعفر طیار نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ نجاشی نے آپ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا اور ان واقعات ظلم و ستم کو بھی سنا جو مہاجرین پر ہو رہے تھے۔ اسکے بعد پوچھا کہ کیا تمھارے نبی پر کوئی کتاب آسمان سے بھی نازل ہوتی ہے تو آپ نے کہا کہ ہاں ہوتی ہے تو نجاشی نے کہا کہ کچھ پڑھ کر سناؤ۔ چونکہ وہ عربی جانتا تھا جعفر طیار نے سورہ مریم پڑھنا شروع کیا یہ پڑھتے جاتے تھے نجاشی اور اسکے علما و ارکان دولت ہلکا ہوتے جاتے تھے واذّا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعیینہم تفیض من الدمع میں انھیں واقعات کا ذکر ہر غرض کہ نجاشی مسلمان ہو گیا اور آنحضرت کے پاس تحفہ دہایا بھیجے صحابہ کی بڑی خاطر و تواضع کی۔ ممّا عرفوا من الحقّ من لفظ من تبعیض کے لیے ہے جسکے معنی یوں ہوتے ہیں کہ قرآن مجید کے

ثُمَّ اتَّقُوا وَاٰمِنُوا ثُمَّ اتَّقُوا وَاٰحْسِنُوا وَاَللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ترجمہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے تو جو کچھ (مناسی) سے پہلے کھاپی چکے اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انھوں نے (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا (جیسا کرنے کا حق ہے) اور اسد خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

جب حرمت شراب کا حکم صریح نازل ہوا تو صحابہ کو خیال نہ ہوا کہ ہمارے بعض بھائی بڑے نے تو جنگ احدین شراب کا استعمال کیا تھا اور پھر وہ قتل بھی ہو گئے تو آخر انکا حشر کیا ہو گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ انھوں نے شراب کا استعمال حرمت کے قبل کیا ہے۔ اس آیت کا حکم آیت نسخ تحویل قبلہ کے مائل ہے۔ اس آیت میں تقویٰ کا لفظ میں مبتعل ہوا ہے دو مرتبہ تو لفظ ایمان کے ساتھ اور ایک بار لفظ احسان کے ساتھ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاٰمِنُوا میں جو تقویٰ کا ذکر ہوا ہے اس سے حصول تقویٰ مراد ہے۔ ثُمَّ اتَّقُوا وَاٰمِنُوا میں لفظ تقویٰ کے تکرار سے تقویٰ کا دو اقامت رکھنا مقصود ہے۔ ثُمَّ اتَّقُوا وَاٰحْسِنُوا میں لفظ تقویٰ سے کر لانے کی یہ غرض ہے کہ ظلم ہاتھ روکا جائے اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان کے ساتھ پیش آئیں۔ اور بعضوں نے کفر و گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے محفوظ رہنے کے معنی بالترتیب تکرار لفظ تقویٰ سے لیے ہیں۔ اور اصم نے یون تصدیح کی ہے کہ پہلے بار اتقوا کا لفظ مبتعل ہوا ہے اُس سے مقصود یہ ہے کہ ان تمام گناہوں سے پرہیز اختیار کیا جائے جو اس آیت کے نازل ہونے کے قبل قرآن مجید میں مذکور ہوئے ہیں۔ اور دوسری مرتبہ کے استعمال سے شراب بخونے وغیرہ سے بچنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ اور تیسری مرتبہ کے استعمال کا یہ منشا ہے کہ اس آیت کے بعد منجانب اسد جو امور ناجائز قرار پائیں ان سے بھی انسان کو محفوظ رہنا چاہیے۔

حرمت کا ذکر ہوا ہے کیونکہ ایام جاہلیت میں یہ چیزیں بہت مرغوب تھیں بات یہ ہے کہ شراب مسلمانوں میں دفعۃً حرام نہیں ہوئی مگر اسکی مذمت کی آیتیں وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہتی تھیں جو صحابی یا وہ سمجھدار تھے وہ تو شروع ہی سے کھٹکے تھے جبے جیسی شراب کی کوئی آیت نازل ہوئی احتیاط کرتے جاتے متواتر مذمتوں سے بعض نے سمجھ لیا تھا کہ شراب آخر کار حرام ہو کر رہے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حلیل القدر صحابی کو بھی ایک مدت تک خندشہ رہا اور وہ دعا کرتے تھے کہ اے خدا شراب کے باب میں میں صاف حکم ملے تو اس آیت سے شراب بالکل حرام ہو گئی حرمت شراب کی وجہ یہ ہے کہ اسکے استعمال سے عقل میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان نہ دنیا کا اچھا کام کرنے کے قابل رہتا ہے اور نہ آخرت کا کوئی کام بہتر کر سکتا ہے اسید طح جو ابھی باعث بربادی خانانِ ہریت پرستی اور پانسنہ کا ذکر پہلے اس کتاب میں ہو چکا ہے مگر لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی بہر کیف چار چیزیں ناپاک اور عملِ شیطانی سے ہیں انکی بُرائیاں روزِ روشن کی طرح ظاہر ہیں اور ستراسر مغربِ اخلاق خدا سے محفوظ رکھے

نہ زپے خمر و زمر و قمر آمد

نہ زپے لاہی و ملاہی راست

آنکہ نشنیدہ اولوالامراست

گوشہ کشتت کسند ہچو کمان

عقل دین جوہی و پس و ارباش

برہمہ پتھر پتھر کند

خرد از بہر امن امر آمد

عقل فرمان پاوشاہی راست

زاجر زمر و ناہی خمر دست

دہش تیر و بخشش کیوان

درگذر زین کیا ست او باش

عقل دین مہر اچو تیر کند

قوله تعالیٰ لَیْسَ عَلَی الدِّیْنِ اَمْلٌ وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اَنْقَضَ وَاَمِنُوا وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو برس پیشتر عرب میں بھی خزاہی مکہ کا بادشاہ تھا اس نے بہت سی بد رسمن کو اپنی طرف سے ایجاد کر لیا تھا۔ مکہ میں بت بھی اسی نے قائم کیے تھے منجملہ ان بد رسمنوں کے بھیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ اور حاتم کا بت رواج تھا جسکا اثر اب تک ہندوستان میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ ایام باہلیت میں جب کوئی اونٹنی یا بچہ دیتی اور آخر کا بچہ نرموتا تھا تو اسکے کان حیر کر بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ ذبح کرتا تھا۔ اسکو نہ کوئی پانی سے روکتا تھا نہ کسی کھیت سے۔ ایسی اونٹنی کو بھیرہ کہتے ہیں۔ اور جب شرکین سفر سے سلامت آتے یا بیماری سے تندرست ہوتے تو ایک اونٹنی کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اسی کو سائبہ کہتے ہیں جب کوئی اونٹنی مادہ بچہ دیتی تو اس مادہ کو اپنے لیے رکھتے اور جو بچہ دیتی تو اسکو بتوں کی نذر کرتے۔ اگر دو بچہ نرموادہ ایک ساتھ ہوتے تو کہتے کہ اسنے اسکو اسکے بھائی سے ملا دیا ہر سیلے ایسا بچہ بتوں کے لیے ذبح نہ کیا جاتا۔ اس طریقہ کو وصیلہ کہتے ہیں۔ جب کسی نر اونٹ کے بچہ کا بچہ بوجھ لادنے کے قابل ہوتا تھا تو اسکو چھوڑ دیتے تھے گویا اسنے اپنے پیٹ کو بچا لیا ایسے اونٹ کا نام حام رکھا گیا تھا۔ ان بد رواجات کی کثرت تھی ایسے آیت زیر بیان میں خدا تعالیٰ نے نفرت کی سادگی کو بجال رکھنے کے لیے ان جہلوں کے ایجاد کردہ مراسم کو ترک کرنے اور احکام قرآن کے اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ بھی جہل وادیا کے بعد الموت اُنسی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔ اگر اسکے احکام کی تعمیل کر کے آبائی رسم و رواج میں نہمک ہو گے تو بہت بُرا نتیجہ ظاہر ہو گا خدا کے کس کس احسان کا شکر ادا ہو سکتا ہے کہ ان ذلالتوں کو کھول کھول کر بیان فرمایا گیا ہے تاکہ لوگ راہ راست پر چلیں دنیا اور آخرت دونوں میں بامداد رہیں۔ اس سے بہتر تہذیب نفس کی کیا تعلیم ہو سکتی ہے۔

واللہ یحییٰ المحسنین سے مسلمانوں کو ارشاد باری ہو تا ہے کہ دیکھو خلوص دل سے نیک کام کرو اور اللہ کو ہم دوست رکھتے ہیں تم اسی طریقہ کو اختیار کرو سمیع وریا کو چھوڑ دو کہ وہ ہماری بارگاہ میں مقبول نہیں ہے۔  
اس ہدایت قرآنی سے نفس کی جیسی کچھ تعلیم ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا تَبْذُرُوا كُفْرَكُمْ مِنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ فَرَجَحَكُمْ يُجِيعًا فَيَنْتَبِذَكُمْ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ترجمہ مسلمانو تم اپنی خبر رکھو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہو اگرے (اسکا گمراہ ہونا) تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم سب کو اس کی نظر لوٹ کر جانا ہے۔ جب اس کے پاس جاؤ گے (جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ہو۔) اسکا نیک بختی ہو تا دیکھا۔  
اس آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے جزیہ کو قبول فرمایا اور دوسرے اہل عرب کو حکم دیا کہ یا تو اسلام لائیں یا آمادہ پیکار ہو جائیں تو منافقوں نے اس حکم کی نسبت عیب چینی شروع کی کہ بعض کافروں سے تو جزیہ لیا جاتا ہے اور بعضوں سے جزیہ لینے میں انکار کیا جاتا ہے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی جس سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اے مسلمانو جب تم ہدایت پر ہو تو لوم لاؤ تم کا خیال مت کرو تم اپنے نفوس کی حفاظت کرو جو احکام منجانب اللہ نازل ہوتے ہیں انکی اتباع میں سرگرم رہو۔ منافقین کی فضول گوئی پر کان نہ لگاؤ۔  
اس آیت کے قبل یوں ذکر ہوا ہے وَاذْأَقِيلْ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَالِی الرُّسُولُ قَالُوا

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَلَوْ كَانُوا آيَاءَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْشُدُونَ -

اور جب ان لوگوں نے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن، اللہ نے آمارہ اس کے اور رسول خدا کی طرف چلو (اور جو وہ حکم میں سومانو) اس کے جواب میں کہتے کیا ہیں، کہ جس (طریقہ) پر ہم نے باپ دادوں کو پایا ہے (وہی طریقہ) ہمارے لیے بس کرتا ہے یہ لوگ ایسی پرانی لکیر کے فقیر ہیں گے، اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ جانتے اور نہ راہ راست پر رہے ہوں ۱۲

مرغِ خانگی میں جلّاع کی قوت بہت زیادہ ہے۔ بہترے میں شر و فساد کا مادہ بڑھا ہوا ہے۔ بچھو میں ایذا رسانی کی قوت بڑھی ہوئی ہے مگر یہ سب عادی صفت محمودہ میں داخل نہیں ہیں اس لیے انسان کو ہمیں صفات سے پرہیز کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ پس دنیا کی لذتوں کی بے ثباتی اور آخرت کی نعمتوں کا بقا ضرور انسان کو اچھے کام کرنے کی طرف رغبت دلاتا ہے اور یہی تہذیب نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔

سرد و گرم زمانہ ناخوردہ	نرسی بردر سراپردہ
تونداری خبر ز عالم غیب	باز شناسی از ہنر با عیب
خفته اند آدمی ز حرص و غلو	مرگ چون رخ نمود فانتہو
خلق عالم ہر پنجاب درند	ہمہ در عالم حشر اب درند
لب چو برستان دین باشد	عیسے مریم استین باشد
خویشتر ادرین طلب بگداز	در رہ صدق جان و دل و باز
جد کن تا ز نیست ہست شوی	دز شراب خدے مست شوی
نیک بختان کسے کہ بندہ اوست	در ہمہ کار ہا پسندہ اوست
چون ازین شاخا شدی بی برگ	دست را در مرکز دی با مرگ
نشوی مرگ را دگر مسکر	یا بی از عالم حیات خبر

قوله تعالیٰ فَلَمَّا سَوَّاهُ وَدَّرُوْا اَبْوَابَہِ فَفَتَحْنَا عَلَیْہِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی اِذَا فِیْہِمْ جُحُوْمًا اَوْ تَوَّارِحًا وَنَاہُمْ بِغَتَّہِ فَاِذَا ہُمْ مُبْسُوْنَ۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ پھر جس (مصیبت کے ذریعے) سے انکو آگاہ کیا گیا تھا جب (اسکو بھول رہے)

قوله تعالى وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ  
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ ترجمہ دنیا کی زندگی تو زاکھیل و تماشہی اور کچھ شک نہیں کہ جو لوگ پرہیزگار ہیں  
 اُنکے لیے آخرت کا گھر کمین بہتر ہو کیا تم لوگ (اسی بات بھی) نہیں سمجھتے۔

جن قوموں کو لعبت و نشور میں کلام ہو اور اُنکا اعتقاد یہ ہو کہ جو کچھ ہو ہی دنیا ہو اور بس اور  
 آخرت کا نام ہی نام ہو وہ دنیا کی لذتوں میں منہمک ہیں اور آخرت کے کاموں سے بخیر اسلئے خدا تعالیٰ  
 نے انکی خساست طبع اور خفیف انخیالی کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے کہ اگرچہ نفس دنیا لائقِ مدحت  
 نہیں ہو کیونکہ وہ سعادتِ آخرت حاصل کرنے کی جگہ ہو اور جلوہ گاہِ عجائب و غرائبِ حکمت الہی ہو لکن استیوا  
 الدهر وانا الدهر مگر جب دنیا میں انسان اچھے کام کرے اور محض لذتِ طعام و شہوتِ فرج میں  
 مبتلا ہے تو ایسی دنیا وبالِ جان ہو۔ اکثر اعاقتِ اندیش خواہشاتِ نفس کی تکمیل میں بلا امتیازِ خیر  
 و شر کے دنیا کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں ایسے بخیرون کی زندگی کو لعب و لعب میں داخل ہو۔ دیکھو  
 انسان جب کھیل بازی میں مشغول رہتا ہے بہت ہی خوش خرم نظر آتا ہے انھیں بے خبرانہ زندگی بسر  
 کرنے والوں کی زندگی کو لہو و لعب کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔ جب ایسی حیات کا پیمانہ لبریز ہو جاتا  
 ہے تو سولے حسرت و ندامت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں میں مستغرق  
 رہنا طفلانہ اور جاہلانہ زندگی ہے۔ محققین و کاملین کی حیاتِ حقایق امور پر غور و فکر کرنا ہے۔ اور احکامِ الہی  
 کی پابندی اُنکا شیوہ ہے۔ انکی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی محمود ہے۔ جو لوگ شہوتِ بطن اور فرج کے دلدازہ  
 میں اگر وہ ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہائی اور اونٹ سب زیادہ کھانے والے ہیں چڑیا اور

۱۲ حدیث قدسی میں ہے کہ اسے جل شانہ فرماتا ہے کہ زمانہ کو بڑا نہ کہو کہ میں خود زمانہ ہوں ۱۲

کہ مصالح الہی کو ادراک کا مادہ ہی باقی نہ تھا۔ اسلئے وہ خدا کے عتاب میں آگئے اور ہلاک ہو گئے اگر دنیا کی رفتار پر غور کرو تو یہی ثابت ہوگا کہ خدا کی نافرمانیوں کا یہی نتیجہ ہوتا رہتا ہے۔ آج کل جو حوادث زلزلہ اور طغیانی باران کے ہو رہے ہیں وہ بھی انھیں واقعات کے مائل ہیں خدا اپنے بندوں کی رحمت اور نیک تعین عنایت فرمائے۔ حقیقت میں ایسی قوموں کی ہلاکت بھی رحمت الہی ہے کیونکہ کفر و نافرمانی سے جب دل سیاہ ہو جاتے ہیں تو اس قوم کو بقا کی جھڑت زیادہ ہوگی اُسی قدر ان کے گناہوں میں بھی زیادتی ہوگی جو باعث مزید عقاب و عذاب ہو تو ان کا فنا ہو جانا ہی خود اُس کے اور دوسروں کے حق میں موجب رحمت ہے ایسی قوموں کے مٹ جانے سے خدا کی زمین شرف و فساد سے پاک ہو جاتی ہے واللہ العظیم سے اسی احسان کی جانب اشارہ ہوا ہے۔ گذشتہ واقعات کا یاد دلانا انتباہ قلوب کا قومی ذریعہ بشرطیکہ نفس میں قبولیت کا مادہ ہو اور عاودۃ الاسد یوں ہی جاری رہے تاکہ ہر وقت خیر و شر کا امتیاز باقی رہے۔

بندہ لطن ولذت وشہوات	بتر از بندہ عزے و منات
ای ز شہوت طعن آلودہ	زیر دست چہار زن بودہ
چشم شہوت بزیر پلے درآر	آرزو را و آرز را بگذار
ای شدہ شاہ برہمہ حیوان	تا کے اندوہ جامہ و غم نان
غافل از کردار و از کارش	کردہ اختیار از ارش
آن چہ گفتہ مکن بکرودہ ہمہ	واںچہ گفتہ مخور بخور وہمہ
تو بگو ہر خلیفہ ز خداے	بسگی و خری فرو دمیایے

نیٹھے تو ہنسنے (بھی انکو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے) اُن پر ہر طرح کی (دنیاوی) نعمتوں کے دروانے کھول دیے۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں انکو دی گئیں تھیں جب انکو پاکر خوش ہوئے۔ یکایک ہنسنے انکو (عذاب میں) دھر پکڑا اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے۔ اور ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور خدا کا شکر ہو جو سائے جہان کا مالک ہو (کہ قصہ پاک ہوا)۔

اسکے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ امم سابقہ اپنی بد اعتقادی و اعمال فاسدہ کی وجہ سے غربت کی تنگی اور امراض کی سختی میں مبتلا رہتے تھے جس میں مصلحت آئی یہ تھی کہ وہ عاجزی اور انکساری اختیار کریں اور بارگاہ ایزدی میں تضرع و زاری سے پیش آئیں۔ عادات فاسدہ کو ترک کر کے راہ راست پر آجائیں۔ تو پھر انکی مصیبت بھی دور کر دی جائے۔ عرب کے بعض بت پرست اسد و سُلکی قدرت کاملہ کے قائل تھے مگر بتوں کو وسیلہ قربت الٰہی خیال کر کے پرستش بھی کرتے تھے اور بعضوں کی حالت اس سے گزر گئی تھی انکے قلوب میں نافرمانی کا ایسا قوی اثر پیدا ہو گیا تھا کہ اُن کا دل سنگ خارا بن گیا تھا انہیں اتنی حس بھی باقی نہ تھی کہ وہ سختیوں کو اپنی بد کرداری کی سزا سمجھتے اور راہ راست پر آجاتے تو خدا نے ان ناعاقبت اندیشوں کے ساتھ یہ مکر کیا کہ ان پر نعمت کے دروازہ کھول دیے **قال صلی اللہ علیہ وسلم**۔ اِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ يُعْطِي عَلَى الْمَعَاصِي فَاِنَّ ذَلِكَ اسْتَدْرَاجٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی مَكْرًا سَمِيحًا يُّغَايِثُ كَرَمَ وَعَنَائِتٍ سَمِيحًا يُّصْلِحُ مَضْرُوبَ تَحِيٍّ كَيْفَ يَخْلُصُ خَيْرُهُ حَالَتِ سُرُورٍ وَرَاحَتٍ مِّنْ خُذَاكُمِ طَرَفَ رَجُوعِ كَرِيْمٍ مَّكَرًا نَّكَالًا يُّسَيِّئُ سَيِّئًا هُوَ كُنْتُمْ تَحِيُّوْنَ

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ خدا باوجود بد کاری میں مستغرق رہنے کے اپنی بخشش د

عطا سے پیش آتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ مکر الٰہی ہے ۱۲

جلدی سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ دنیاوی عروج انکو مانع قبول حق نہیں ہوتا کہ فران بچارون کی ظاہری حالت دیکھ کر ان سے نفرت کرتے تھے اور پیغمبر صاحب کے اصرار تھا کہ انکو اپنا پاس نہ بیٹھنے دو تو ہم آئیں۔ یہ لوگ روٹھوں کے لالچ سے تمھارے پاس جمع ہوتے ہیں۔ کیا یہ اور کیا انکا دین۔ خدا نے اسکے جواب میں پیغمبر صاحب کو تو یہ سمجھا یا کہ یہ لوگ جیسے ظاہر میں ہیں ایسے ہی دل سے بھی خدا کی خوشنودی کے طالب ہیں تم انکے ظاہر حال پر انکے باطن کو قیاس کرو اگر فی الحقیقت ان میں کوئی ضعیف الایمان ہو بھی تو وہ جانے اور اُسکا کام جانے۔ اور کافروں کا اعتراض اس طرح بر اُٹھا دیا کہ دنیاوی جاہ و شمت تو چند ان وقعت کی چیز نہیں ہر اسلام بڑی دولت ہو تو جو اُسکی قدر کرتے ہیں انکو یہ نعمت دیجانی ہو۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہو کہ ایک بار مکہ میں چند معزز قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اُسوقت صہیب۔ بلال۔ عمار۔ خطاب وغیرہ خدمت عالی میں حاضر تھے یہ لوگ دنیوی مال و متاع نہیں رکھتے تھے۔ انکو دیکھ کر قریش نے کہا کہ کیا آپ نے انھیں لوگوں کو پسند فرمایا ہے اب ہم بھی انھیں کے مطیع بنے رہیں۔ اگر آپ اپنے پاس سے انکو علیحدہ کر دیں تو البتہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کیا۔ تو پھر قریشیوں نے کہا کہ خیر جب ہم آئیں تو آپ انکو اٹھا دیا کیجیے۔ تو اُسوقت صرف اہل قریش کے ایمان لانے کی آرزو میں آپ نے اقبال فرمایا۔ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور آپ کو آگاہ کر دیا گیا کہ ایسا نہو چاہیے۔ ایسا ہی واقعہ نوح علیہ السلام سے بھی پیش آیا تھا۔ احکام الہی کی اتباع رسول مقبول اس مسرت سے فرماتے تھے کہ جبوقت صہیب وغیرہ آپ کی خدمت فیضِ رحمت میں حاضر ہوتے تھے

**قوله تعالى** وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهًا مَعَكُمْ  
 مِنْ حَسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابٍ عَلَيْكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَطَرَدْتُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ كَذَلِكَ  
 فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا۔ اَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ۔ وَ  
 إِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيِنِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنْ تَقُولَ  
 مِنْكُمْ سَوْءٌ جِبَالٌ تَدُورُ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّكَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ترجمہ اور جو لوگ صبح و شام  
 اپنے پروردگار ہی کا منہ کر کے اُس سے دعائیں مانگتے ہیں انکو (اپنے پاس سے) مت نکالو۔ نہ تو ان  
 (کے اعمال) کی جواب دہی کسی طرح تمہارے ذمہ ہے۔ اور نہ تمہارے اعمال کی جواب دہی کسی طرح  
 اُنکے ذمہ ہے۔ کہ جواب دہی کے ڈر سے لگو انکو دھکے دینے (ایسا کرو گے) تو تم ظالموں میں شمار  
 کیے جاؤ گے اور اسی طرح (اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزایا تھا تاکہ (مقتدر  
 والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی (سڑیل) لوگ ہیں جن پر اس نے ہم میں سے (دین اسلام  
 کی توفیق دیکر) اپنا فضل کیا ہے؟ (انکو اتنا سمجھنا چاہیے تھا کہ) کیا اللہ شکر گزار بندوں (کے حال)  
 سے بخوبی واقف نہیں۔ اور اے پیغمبر جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تمہارے پاس آیا کریں  
 تو (تم انکی دل دہی کرو اور) کہو کہ (خدا کی طرف سے) تمکو سلامتی (کی خوشخبری) ہو (اور) تمہارے پروردگار  
 نے (بندوں پر) مہربانی کرنا (از خود) اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جو کوئی تم میں سے ناواستہ کوئی گناہ  
 کر بیٹھے (اور) پھر کیے پیچھے توبہ اور (اپنی حالت کی) اصلاح کر لے تو (خدا) اسکو بخش دیگا کیونکہ  
 وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شروع شروع میں اکثر غریب لوگ اسلام لائے تھے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ حق بات کو غریب ہی



صفات جمال و جلال کو ظاہر کرتی ہیں مگر وہ غیر متنہا ہی ہیں انکا حد و انحصار مجال ہر جب انسان کو صرف بعض آثار قدرت کا علم ہوتا ہے تو توحید باری کا قائل ہو جاتا ہے اور اس علم اجمالی کے توسل سے بقیہ آثار و علامات قدرت کو مانتا ہے انہیں امور کی معرفت حاصل کرنے میں انسان کو مدت عمر سرگزشتی رہتی ہے کیونکہ مدارج ترقی کی کوئی حد معین نہیں ہے جو لوگ اس فکر و تلاش میں مصروف و مشغول رہتے ہیں وہی امن و سلامتی کے دائرہ میں ہیں اور انہیں کو خدا کی طرف سے اس آیت میں سلامتی کی خوشخبری پہنچانے کا حکم ہے۔ اور کتب ربّ کہ علیٰ نفسہ الرحمۃ سے اس بشارت کا اظہار ہوا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اتباع شریعت سلامتی کے دائرہ میں آجاتے ہیں وہ آخرت میں بھی رحمت الہی کے مستحق ہیں کیونکہ یہ لوگ تعلقات جسمانی کی ظلمت سے پاک اور انوار باقیات اصالحات میں مستغرق رہتے ہیں من عمل صلوٰۃً و صیاماً و حجاً و صدقاً و اصابہ فانه غفور رحیم سے مزید فضل و کرم الہی کا ذکر ہوا ہے کہ اگر کوئی مسلمان گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ کرے تو خدا تعالیٰ اسکے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے کرم سے اسکو مستحق ثواب بھی بنا دیتا ہے۔

تو رسانی امید ماہر یقین	اسی نہان دان آتش کارا بن
جان و روزی ہمہ ز نعمت تست	ہمہ امید من بہ رحمت تست
چون تو ہستی بہشت را چہ کنم	برد رت خوب و زشت را چہ کنم
میروم نے پائے بر سر خویش	گر بد و زخ فرستی از در خویش
سبقت رحمتی نیکو خوردہ	عفو تو برگزیدہ سبق بردہ
پاک کردہ صحائفش ز گناہ	تائب و توبہ را بدادہ پناہ

تو کہتے تھے مرحبا عاتبنی ہابی فیہم اور پھر ان غربا کی پاک بازی کا اظہار یدعونہم بالغدوۃ  
والعنتی سے کیا گیا کہ یہ لوگ صبح وشام خدا کے ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یریدون وجہہ  
نیک اعمال میں محض خدا کی خوشنودی اور محبت میں مشغول و مستغرق ہیں اور پھر قریش کا وہ اعتراض  
کہ یہ لوگ محض کھانے پکڑنے کے لالچ میں بغیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اسطرح اٹھا دیا گیا  
کہ ما علیہم من حسابہ من شیء وما من حسابک علیہم من شیء ای محمد تم ظاہری اعمال کو  
دیکھو باطنی معاملات کو خدا پر چھوڑ دو کہ اسکا محاسبہ خدا پر ہے۔ ولا تزدوا زرة و نرد احسری  
انکے رزق کی ذمہ داری تمہارے سر نہیں ہے و رزاق مطلق خدا ہے قریش کی فضول گوئی کا خیال نہ کرو۔  
فتکون من الظالمین سے مزید تاکید مقصود ہے کہ کافروں کے متکبرانہ گفتگو کا خیال کر کے ان  
غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے ہٹا دینا ہرگز مناسب نہیں ہے و کذلک فتنا بعضهم ببعض  
سے من بیننا تمک اس امر کا ذکر ہوا ہے کہ کفار قریش کو تو ان غریب مسلمانوں سے یہ رشک ہے کہ  
انھوں نے ایمان میں سبقت کی اگر اب ہم ایمان لائیں بھی تو انکے مرتبہ اولیت کو نہیں پہنچ سکتے  
اور ادھر ان غریب مسلمانوں کے دل میں یہ یخچان ہے کہ باوجود کفر و طغیان کے کفار قریش راحت و آرام  
میں کیسے بسر کرتے ہیں اور ہم باوصف ایمان لانے کے ایسی عسرت میں کیوں مبتلا ہیں تو اسد تقا  
نے ان امور کا ذکر فرما دیا کہ یہ سب آزمائشی معاملات ہیں اور حکمت الہی پر مبنی ہیں۔ جو لوگ ان باتوں  
کو سمجھتے ہیں وہ اپنے مقدرات پر شاکر رہتے ہیں۔ انکو کچھ بھی شکوہ و شکایت نہیں ہوتی اللیس اللہ  
باعلم بالشاکوین سے اس بات کی طعن اشارہ کیا گیا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ و اذا جاء الذین  
یؤمنون بالآینا فقل سلام علیکم اسوای اسد سب چیزیں وجود باری کی دلیل ہیں اور اس کے

انکے یہودہ افعال کی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی۔ و لکن کوی لعلم یتقون ہاں جب قابو ملے گا تو انکو نصیحت بھی کر دینی چاہیے تاکہ وہ بھی نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوں۔ اور کفر و بت پرستی سے باز آئیں۔ ان احکام سے ظاہر ہو گا کہ اسلام میں شرانگیز جلسوں کی شرکت منع ہے۔ اور حتی الامکان اچھی باتوں کی ہدایت کرنے کی تعلیم ہوئی ہے جب تک نفس پر قابو نہ لے سکیں تو اعدا پر عمل کرنا آسان کام نہیں ہو جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ ہدایت قرآنی کا منشا بالکل یہ تہذیب نفس انسانی ہے اور بس۔

قوله تعالى الذين آمنوا ولم يلبسوا ایمانهم بظلم ولا لئلا لھم الامن وہم مھتدون ترجمہ جو لوگ خدا پر ایمان لائے۔ اور انھوں نے اپنے ایمان میں بے انصافی (شرک) کی آمیزش نہیں کی یہی لوگ ہیں جو امن (و اطمینان خاطر) کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہِ راست پر (بھی) ہیں۔

وہ مشرکین جو اسلام اور مسئلہ توحید پر ہنسنا کرتے تھے اور خود پرستی میں مبتلا تھے انکے اعتقادات کا ذکر آیاتِ ماقبل میں بالتفصیل ہوا ہے جس سے واضح ہو سکتا ہو کہ خود انکے اعتقادات کیسے فاسد اور قابلِ مضحکہ ہیں۔ بہر حال عبادت و پرستاری دو وجہ سے ہوتی ہے یا بامیدِ منفعت یا خونِ مضرت۔ اللہ جل شانہ کے سوا کسی میں ایسی قدرت نہیں ہے کہ وہ کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکے۔ اپنے ہاتھوں سے بتوں کو تراشنا اور پھر بخیاں نفع و دفعِ ضرر انکی پرستش کرنی محض یہود و خیالی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست اور ستارہ پرستوں کو بہت خوبی کے ساتھ تفہیم فرمائی ہے۔ اس زمانے میں کافروں کی سست اعتقادی کا یہ حال تھا کہ وہ ذری بات بات میں بتوں سے خون کرتے تھے اور انکی تعظیم کو واجب سمجھتے تھے جیسا کہ اب تک ہنود کی اعتقادات ان واقعات کی

عفو اور قبول بہر خطاست | کرش را نزول بہر عطاست

قوله تعالى - وَادْرَأْتِ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ - وَأَمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَنْقَعَهُ بَعْدَ الَّذِي دُرِيَ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذَكَرُوا لَهُمْ بَيِّنَاتٍ تَرْتَجِمُهُمْ وَارْجَبِ أَيْسَهُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (نظر پڑ جائیں جنہوں نے ہماری آیتوں کا مشغلہ بنا رکھا ہو تو تم ان (کے پاس) سے ٹل جاؤ یہاں تک کہ ہماری آیتوں کے سوا (دوسری) باتوں میں لگ جائیں اور اگر شیطان تمکو (ہماری نصیحت کے نئی قوت) بھلا دے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا اور (اگرچہ) پرہیزگار لوگوں (ایسے) (واہی تباہی) لوگوں کے حساب (اعمال) کی کسی طرح کی ذمہ داری نہیں لیکن (ماہم انکو) نصیحت کرنی (توضو رہی) تاکہ (کنے سننے سے) یہ بھی پرہیزگاری اختیار کر لیں۔

مشرکین مکہ کی عادت تھی کہ تکذیب دین کے سوا قرآن مجید اور ارکان اسلام پر تسخر بھی کیا کرتے تھے ان ہیودہ حرکات سے مسلمانوں کو جو اتفاقاً انکی مجلسوں میں شریک ہو جاتے تھے بہت ہی بے خیاں ہوتا تھا اسلئے حکم ہوا کہ ایسی صحبتوں میں نہ بیٹھا کریں انکے ساتھ بیٹھنے میں فسادات کا احتمال ہے۔ اگر پھوڑے سے یک جائی ہو جائے تو یاد آتے ہی انکے پاس سے اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔ جب مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ شریک ہونے کا حکم ہو گیا تو اب مسلمانوں کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ آخر ان بیدینوں کی ہدایت کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے اگر یوں ہی انکی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا تو عدم تبلیغ اسلام کی وجہ سے ہم بھی مواخذہ میں مبتلا ہوں گے اسلئے اس خلیجان کو یوں رفع فرمایا گیا کہ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ مَثَرِ مَن مِّنْهُمْ لَمَّا سَأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ قَالُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَبَاسُ الْأَعْيُنِ وَمَن يَشَاءُ اللَّهُ يَفْعَلْ مَا يَشَاءُ (نظر پڑ جائیں جنہوں نے ہماری آیتوں کا مشغلہ بنا رکھا ہو تو تم ان (کے پاس) سے ٹل جاؤ یہاں تک کہ ہماری آیتوں کے سوا (دوسری) باتوں میں لگ جائیں اور اگر شیطان تمکو (ہماری نصیحت کے نئی قوت) بھلا دے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا اور (اگرچہ) پرہیزگار لوگوں (ایسے) (واہی تباہی) لوگوں کے حساب (اعمال) کی کسی طرح کی ذمہ داری نہیں لیکن (ماہم انکو) نصیحت کرنی (توضو رہی) تاکہ (کنے سننے سے) یہ بھی پرہیزگاری اختیار کر لیں۔

کھانے پینے سے دل پر تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے بطور قاعدہ کلیہ کے حکم دیا گیا جو تمام شریعتوں کا اصل اصول ہے۔ یعنی وزر و اطامہ لا تشرب و باطنہ کہ ظاہر و باطن کے گناہ سب چھوڑ دو۔ گناہ ظاہری میں علامتہ زنا کاری و موار خوری وغیرہ شامل ہیں۔ اور باطنی گناہ میں خفیہ طور پر زنا کرنا۔ دل پر بُرے خطرات کو جبکہ دنیا حسد و کبر وغیرہ شریک ہیں بعض مفسرین نے گناہ ظاہری سے ناجائز فعال جو ارج اور گناہ باطنی سے نا ملائم افعال قلوب تعبیر کیا ہے اور جو لوگ اس حکم کے خلاف کریں انکی سزا ان الذین یکسبون سے آخر آیت تک بتلائی گئی ہے کہ وہ اپنے کړوتوں کا خمیازہ جلد اٹھائیں گے۔ تہذیب نفس کے بہترین اصول قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں جو شخص اسکا پابند ہوگا وہی پورا اخلاق حسنہ سے آراستہ اور جو خلاف کرے اُسکو نفس و شیطان و وزخ کا سیر رہا راستہ بتلا دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے ہر ایک حکم کا نتیجہ ہو کر رہے گا۔ رکنے والا نہیں ہے۔

زوشوز انکو خود ہمو داند	سرترا آن حسدا نیکو داند
خلق درے بسان سمرستان	ہست دنیا بسان تابستان
مرگ همچون شبان و خلق رمہ	در بیا بان غفلتند ہمہ
ریگ گرم است همچو آب دوان	واندین باد یہ ہوا و ہوان
تو چو ماصی شستہ در عصات	ہست قرآن چو آب سرد فرات
ذوق او سر سر نکو داند	عقل کوشج و بسط او داند
عقل را پیش نطق او قربان	بکن از بہر حرمت سرترا آن

قوله تعالى فمن يرد الله أن يهديه يشرح صدره للإسلام ومن يرد أن يضله

زندہ دلیل موجود ہیں طرہ بران خود براہیم علیہ السلام سے بھی اس امر کی خواہش کیجاتی تھی کہ بتوں کی عظمت پیش نظر رکھیں تو آپ نے کیا خوب جواب دیا کہ کیف اخاف ما انکرتم ولا تتماخون انکم انکرتم باللہ الخ یعنی جن بتوں کو تم نے خدے عزوجل کا شریک بنا لیا ہو اُن سے میں کیوں ڈرنے لگا حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ انکو شریک کیا ہو اور جو از شرکت کے متعلق تم کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکتے پھر دونوں فریق میں کون زیادہ امن کا مستحق ہو اور راہِ رست پر کون ہو ذرا خیال کرو۔ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے اور شرک سے محفوظ رہیں وہی مستحق امن ہیں اور انھیں کا دل نور ہدایت سے منور ہو۔

طعم توحید ہر کسے نہ چشد	بار توحید ہر کسے نہ کشد
نہست معبود در مکان محدود	مہست در ہر مکان خدا معبود
آفت از ضعف چشم خفاش ست	نور خورشید در جہان فاش ست

قوله تعالى وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاَشْيَاءِ وَباطِنُهَا الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاَلْبَسَ سَجَرَوْنَ يَمَآكُنَا وَيَفْتَرِ قُوْنَ۔ ترجمہ اور ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ (سب ہی) سے کنارہ کش رہو جو لوگ گناہ سیٹھتے ہیں انکو اپنی کرتوت کا جلد بدل مل جائے گا۔

اسکے قبل قرآن مجید میں ان ہدایتوں کا ذکر ہے کہ جنکو مشرکین نے خلاف احکام الہی اپنی طرف سے قرار دے رکھا تھا اور آباؤی طریقوں کے لحاظ سے پابندی لازمی سمجھتے تھے اور خدا ایتعالیٰ کے مقرر کردہ ارکان سے انحراف کرتے تھے۔ خود ہی گمراہی میں مبتلا تھے دوسروں کو بھی مبتلا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے جیسے حرام چیزوں کا کھانا پینا۔ چونکہ ناپاک اشیاء کے

جب آیت زیر بیان کا نزول ہوا تو صحابہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سینہ کس طرح کھول دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا یَقْدَفُ فِیْهِ نَفْرٌ حَتّٰی یَنْفِیْخُ وَیَنْشِیْخُ تُوْبَہُمْ صحابہ نے عرض کیا کہ اسکی کوئی علامت بیان فرمائی جائے تاکہ ہم آسانی سے سمجھ جائیں تو آنحضرت نے فرمایا اَلَا نَبَاۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَاۤءِ الْغُرُوْرِ وَالاِسْتِعْدَادُ لِمَوْتٍ قَبْلَ نَزْوِلِ الْمَوْتِ تَرْجُمَہُ یعنی خیال باز گشت آخرت ہو۔ اور دنیا سے کنارہ۔ موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیار رہیں۔

عبید بن عمر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک وقت آپ نے آیت وَمِنْ بَرَدٍ اَنْ یُّضْلِحَ یَجْعَلَ صَدْرَہٗ ضِیْقًا حَرِجًا پڑھی۔ اور پوچھا کہ کیا یہاں قبیلہ بنی بکر کا کوئی شخص موجود ہے تو ایک شخص نے کہا کہ ہاں میں موجود ہوں تو آپ نے اس سے پوچھا کہ حرجۃ کسکو کہتے ہیں۔ اُس نے کہا گھنے جنگل کو جس میں چلنے پھرنے کی راہ نہ ہو۔ تو ابن عباس نے فرمایا واقعی کافر کے دل کی یہی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی تعبیر کی ہے مگر آپ نے بنی کنانہ سے حرجۃ کے معنی دریافت کیے تھے۔ باقی قصہ واحد ہے کہ نما ۱ یصعد فی السماء ۲ اُن کافروں کے دل کی مثال ہے۔ یعنی جس طرح آسمان پر چڑھنا ایک شواہد گزار اور محال کام معلوم دیتا ہے کافروں کا دل ایمان کے قبول کرنے کو بھی ایسا ہی مشکل کام جانتا ہے۔ یا یہ کہ اسلام کے قبول کرنے سے انکا دل اس قدر دور ہے جیسا کہ آسمان ہماری نظروں سے دور ہے۔ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرَّجِیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر خدا کی ایسی ہی پھٹکا رہوتی ہے۔

۱۔ اس قدر سینے میں نور بھرا جاتا ہے کہ جس سے وہ کشادہ ہو جاتا ہے ۱۲

يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَمَا تَمَّا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْزَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ - وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَكُونُ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُمْ وَلِيٌّ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ترجمہ تو جو شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے۔ اس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے۔ اس کے سینے کو تنگ (اور) بھیجا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر اسی طرح اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے۔ اور اسی (پیغمبریہ) (دین اسلام ہی) تمھارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جو لوگ غور (اور فکر) کرتے ہیں ان کے لیے تو ہم (اپنی) آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں ان کے پروردگار کے یہاں ان کے لیے امن (جہن) کا گھر (یعنی بہشت تیار) ہے اور (دنیا میں) جو عمل نیک کرتے ہے اس کے صلہ میں وہی انکا (ہر طرح) خبر گیران ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھ کر ابو جہل وغیرہ رشک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کوئی بات کیون میسر نہیں ہوئی انہیں کیا فریت ہے۔ مگر وہ اس سے غافل تھے کہ کلاہ خسروی و تاج شاہی | بہر سر کرد حاشا و کلا

نبوت کے لیے تو ازل میں نفوس قدسیہ کا قرار داد ہوتا ہے چنانچہ اس کے قبل کی آیت وَاِذَا حَاءَ تَهُمْ اٰیةٌ قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ بِحَقِّ نُوْقٰی مِثْلِ مَا وُتِّیَ رَسُلَ اللّٰهِ مِنْ اٰسَافَا بیاں ہوا ہے یہاں اس امر کی صراحت ہوئی ہے کہ ایمان لانا یا کفر میں مبتلا رہنا یہ سب باتیں تضاد کے بس میں ہیں جس کسی کو دولت اسلام عطا فرانا مقصود ہوتا ہے تو اس کا سینہ کشادہ کر دیا جاتا ہے



مال کے پاس (بھی) نہ جانا اگر ایسے طرز پر کہ (اس کے حق میں) بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچے۔ اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو اور (پوری پوری) قول۔ ہم کسی شخص پر اس کی سوائی سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب بات کہو تو گود اپنا (قرابت مند ہی (کیون) نہوا انصاف (کا پاس) کرو اور اس کے (ساتھ جو) عہد (کر چکے ہو اس) کو پورا کرو یہی وہ باتیں جن کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور (اُس نے) یہ (بھی ارشاد فرمایا ہے) کہ یہی ہمارا سیدھا رستہ ہے تم اسی پر چلے جاؤ۔ اور (دوسرے) رستوں پر نہ پڑ لینا کہ یہ تم کو خدا کے رستے سے (بھٹکا کر تیرے تیرے) (غرض) یہ (سب وہ) باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔ تاکہ تم پر ہر گز گناہ نہ ہو

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مشرکین عرب عادتاً علانیہ زنا کاری کو عیب سمجھتے تھے۔ مگر خفیہ طور پر اس فعل شنیع کا ارتکاب ہوتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وَلَا تَفْرَحُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطُنَ سے دونوں قسم کو زنا کو حرام کر دیا۔ اور لفظ فواحش سے تمام افعال قبیحہ کی مانعت ہو گئی۔ چونکہ مشرکین کا کھلم کھلا زنا کاری سے احتراز کرنا کچھ خوش خدا سے نہ تھا بلکہ ننگ اور صرغ ابناے حبش کے طعن و ملامت سے بچنے کے لیے تھا۔ اس کو بھی منع کر دیا گیا کہ ایسے لغو خیالات سے بہتر نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا تھا اور اس بات کی ہدایت ہوئی کہ انسان کو صدق دل کے ساتھ نیک افعال اختیار کرنا چاہیے تاکہ خدا کے عذاب سے نجات ملے اور خالص عبادت کی رغبت پیدا ہو۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْآبَاءَ الْحَيُّونَ سے خون ناحق کی مانعت ہوئی ہے۔ اگرچہ کسی کا ناحق خون کرونا فواحش میں داخل ہے مگر خون ناحق کی بُرائی کو خاص طور پر ظاہر کرنے کے لیے علیحدہ بھی اسکا ذکر ہوا ہے۔ ذلکو و صا کو یہ

وہذا صراط ربك مستقيماً قد فصلنا الايت لقوم يذكرون اور پھر نبی کریم کو حکم ہوتا ہے کہ اسلام ہی خدا کا سیدھا رستہ ہے مگر اسپر چلنا ہر ایک کی تقدیر میں نہیں ہے ہر سمجھ والوں کے لیے ہنسنے ہر ایک بات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جو لوگ ہمارے سیدھے رستہ (اسلام) کو اختیار کریں گے ان کے لیے امن کا گھر (جنت) موجود ہے۔ لھذا السلام عند ربھما اور جو لوگ قبول اسلام کے بعد دنیا میں نیک کام کرتے ہیں انکی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار سطح فاما ہے وہو ولیہم مما کانوا یعملون یعنی جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں ہم ان کے مدد و معاون بھی ہیں۔ ان آیات کے معانی پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام ہی حقیقت میں تہذیب نفس کا سیدھا رستہ ہے۔ اگر اسلام سے متنفر ہے اور پھر دعویٰ تہذیب کا ہے تو عکین رہ کہ تہذیبی برکستان ست ۴ کا مضمون صادق آتا ہے۔

قوله تعالى وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْأَبْلَحَ ۚ ذَٰلِكُمْ وَضَعُكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ - وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَقًّا يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ بِالْقِسْطِ لَأَنكُم نَفْسًا أَلَا وَسَعَهَا وَإِذْ قُلْتُمْ فَأَعِدُوا لَوَ كُؤُورًا قَرْنِي يَعْبُدُ اللَّهُ أَوْ قُورًا ذَٰلِكُمْ وَضَعُكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَضَعُكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ترجمہ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں ان میں کسی کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اور جان جس (کے ماننے) کو اللہ نے حرام کر دیا ہے (اسکو ہارنا ڈالنا) مگر حق پر یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم خدا نے ٹکودیا ہے تاکہ تم (دنیا میں رہنے کا طریقہ) سمجھو اور ایم کے

ذَکُوْرٌ مَّسْکُوْمٌ بِعِلْمِکُمْ ذَنْکُوْرٌ کَا مَفْهُوْمِ یہ ہے کہ یہ مذکورہ چار باتیں افعال خفی سے متعلق ہیں ان کا پیش نظر رکھنا خدا کی رضامندی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے وان ہذا صراطی مستقیم الخ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں اسکے قبل چند خاص خاص احکام مذکور تھے ہیں مگر مذہب اسلام کے تمام احکام کی تعمیل کرنا اور اُن کے پابند رہنا ضرور ہے کہ وہ نجات کا سیدھا راستہ ہے۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْهُ خَطَّاهُ قَالَ هَذَا سَبِيلُ الرَّشِدِ ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ خَطَّوْطًا ثُمَّ قَالَ هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو اِلَيْهِ تَرْجُمَهُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سَے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ راہ نجات ہے۔ اور پھر اُسکے دائیں بائیں بازو خطوط کھینچے اور ارشاد فرمایا کہ اس ہر ایک اہ پر شیطان کھڑا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور ساتھ ہی آیت مذکورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام میں زنا کاری۔ خون ناحق کا ارتکاب۔ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھانا۔ ناپ تول میں کمی وبیشی کرنا حرام ہے سچی شہادت کا ادا کرنا۔ ایفا عہد خدا یعنی قسم کا پورا کرنا ضرور ہے کیونکہ اخلاق حسنہ کے یہ اصول ہیں۔

قَوْلُهُ تَعَالٰی مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُمْسِكُهَا وَلَا يَمْلِكُ وَهُوَ لَا يَظْلُمُ مَنْ وَ تَرْجُمَهُ جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لیکر آئے گا اُس کا دس گنا اُسکو (ثواب) ملیگا اور جو بدی لیکر آئے گا تو بس اتنی ہی سزا بھگتے گا۔ اور لوگوں پر (کسی طرح کا) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ایک نیکی کا بدل دس گونہ عطا کرنا فضل الہی میں داخل ہے اور ایک بدی کا معاوضہ

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ سے یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر انسان اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی چاہتا ہے تو امور ممنوعہ سے اُسکو محترز رہنا چاہیے یہاں تک تو ظاہری احکام بیان ہوئے اب تکالیف مخفیہ بیان کیے جاتے ہیں ولا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ اَشَدُّ یتیم کے مال کی حفاظت لازمی ہے۔ اولیائے یتیمی کا فرض ہے کہ انکے مال کو احتیاط کے ساتھ یتیم کے کاموں میں لگائیں اگر ولی مفلس ہو تو مال یتیم سے واجب حق بقدر خدمت لے سکتا ہے اور اگر غنی ہے تو خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ یتیم کا لفظ سن رشد کو پہنچنے تک صادق آتا ہے چونکہ بلوغ کے بعد وہ اپنا کاروبار خود چلا سکتا ہے اسلئے یتیم کا لفظ صادق نہیں آتا۔ یتیموں کا مال کھانا گویا اپنے شکم میں آگ بھر لینا ہے واَوْفُوا الْكَيْلَ الْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ سے ناپ اور تول میں کم وزیادتی کرنے سے ممانعت ہوئی ہے۔ یہ تجارت کا اصل اصول ہے۔ غلہ وغیرہ لینے کے وقت ٹہی ناپ یا تول سے لینا اور دینے کے وقت اسکے برعکس عمل کرنا بالکل ناجائز ہے ایسے بیوپاری جلد گھاٹے میں آجاتے ہیں۔ چونکہ ناپ تول میں کما حقہ میزان عدل کو پیش نظر رکھنا از قبیل محالات تھا لہذا تکلف نفساً الا وسعہا سے اس قدر رعایت ہوئی ہے کہ بقدر امکان ناپ تول میں کم وزیادتی نہ ہو۔ بہر حال نیک نیتی کے ساتھ معاملت کرنا چاہیے واِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا ولو کان ذا قُرْبٰی اِدا سے شہادت وغیرہ کے وقت گو قریب داری بھی ہو انصاف کا پاس ملحوظ رکھنا چاہیے۔ رعایت سے خلاف واقعہ بیان کر دینا سخت منع ہے۔ وبعہد اللہ او فواجو عہد خدا کے ساتھ کیا جائے اسکا پورا کرنا بھی واجب ہے۔ مثلاً کسی شخص نے مخفی طور پر حلف کیا گو اس سے کوئی اور شخص واقف نہ ہو مگر خدائے تعالیٰ تو جانتا ہے اسلئے ایفائے حلف واجب ہے

نماز کے وقت (تم سب خدا کی طرف) متوجہ ہو جایا کرو اور خالص اُسی کی تابعداری مد نظر رکھ کر اُس کو  
 بکار و جس طرح تم کو پہلے (سید) کیا تھا (اسی طرح تم) دوبارہ بھی (سید) ہو گے (اسی نے) ایک فریق  
 کو ہدایت دی اور ایک فریق ہو کر گمراہی ان (کے سر پر سوار ہوا) لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں  
 کو (اپنا) دوست بنایا اور (باہنیمہ) سمجھتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔ اے بنی آدم ہر ایک نماز  
 کے وقت (لباس وغیرہ سے) اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچہ بیان  
 نہ کیا کرو (کیونکہ) خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کے قبل قرآن مجید میں چند بخصائل کفار کا ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان کے پیروں کے  
 بے حیائی اور جبر و زیادتی کے کام کرتے تھے اور ان افعال کو رسم و رواج آبادی سمجھ کر تکرار نہیں  
 کرتے تھے اور خداے تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں تقاعد کرتے تھے اسلئے امر ربی القسط  
 سے عدل انصاف اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی عموماً قسط عدل اور نیک کام کو کہتے ہیں  
 غرض کہ آیت زیر بیان میں تین باتوں کا ذکر ہے۔

ایک تو لفظ قسط سے اس کی وحدانیت بیان ہوئی ہے کیونکہ بقول ابن عباس  
 رضی اللہ عنہ قسط سے کلمہ توحید کہنا مراد ہے۔

**دو** نماز پڑھنے کی ہدایت واقیموا وجہکم عند کل مسجد وادعوا  
 مخلصین لہ الدین سے ہوئی ہے۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے اور نیز خلوص  
 دل سے ارکان عبادت کا ادا کرنا بھی ضرور ہے۔

تفسیر ان دونوں امور کا نتیجہ کما بعد آگہ تہودون سے بیان کیا گیا ہے کہ جواز میں

اتنا ہی دینا عدل ہے و قال صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ اذا همّ عبیدی بحسنۃ فلا تکتبواھا وان علمھا حسنۃ وان لم یعلمھا فان عملھا فاعمل مثلھا وان هم بسیئۃ فلا تکتبواھا وان علمھا فسیئۃ واحداً ترجمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداے تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر میرا بندہ ایک نیک کام کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس نیکی کو لکھ دو گو اس نے وہ نیکی کی ہے اگر اس نے نیک ارادے کو پورا کیا تو دس گونہ لکھو اگر ایک گنہ کا ارادہ کیا تو اسکو مت لکھو اگر اس گناہ کو اس نے پورا کیا تو صرف اتنی ہی سزا لکھو۔

اگرچہ مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک کام کی سزا اتنی ہی دینا عدل ہے اور ایک نیکی کی جزا دس گونہ دینا افضل الہی میں داخل ہے مگر محققین نے ہر دو حالت میں عدل الہی کو ہی ثابت کیا ہے کیونکہ نیک کام کرنے کے لیے انسان کو بہت کچھ طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے نفس و شیطان نیکی کی بجائے انسان کی طبیعت کو مائل ہونے نہیں دیتے اس لیے ایک نیکی کا معاوضہ دس گونہ رکھا گیا ہے اور ایک بدی کی سزا اتنی ہے۔ اس لوگوں کو اپنے اچھے کاموں کی طرف رغبت دلائی ہے جو جزو عظم اصلاح نفس ہے۔

قوله تعالى قُلْ اَمْرٌ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَاَقِمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ - فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ اِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُم مُّهْتَدُونَ - يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ترجمہ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ میرے پروردگار نے تواضعان کرنے کا حکم دیا ہے اور (فرمایا ہے کہ) ہر ایک

اور اپنی طرف سے زائد قیود مت لگاؤ کہ وہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے جو فضول میں داخل ہے اور پھر  
 انہ لایحیث المسرفین سے یہ بات جتنائی لگئی کہ جو لوگ احکام الہی کی پابندی نہیں کرتے وہ خدا  
 کی محبت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ جو باعث حرمانِ ثواب ہے۔ یہی نہیں بلکہ موجب عقاب بھی ہے کیونکہ  
 اجماع امت سے یہ مسئلہ طر ہو چکا ہے انہ لیس فی الوجود مکلف لایثاب ولا یعاقب کہ کوئی  
 مکلف ایسا نہیں ہے جو ثواب و عقاب سے محفوظ و مصون ہو۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے حلال اور حرام  
 اشیاء کو اپنے اوپر حرام گردانا خدا کے دائرہ محبت سے خارج ہو جانا ہے جو سبب عذاب الہی ہے  
 احکام کی اطاعت احاطہ محبت الہی میں داخل کر لیتی ہے جو موجب ثواب ہے۔ الغرض انصاف کو  
 ہر کام میں مد نظر رکھنا۔ نماز کے وقت اچھے کپڑے ستر عورت کے لحاظ سے پہنا حلال و حرام اشیاء  
 کا استعمال کرنا فضول خرچی سے بچنا اخلاق اسلام کے اصول ہیں کوئی مذہب ملت ان اصول کی  
 ترویج نہیں کر سکتا۔

وقوله تعالى وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَلَا دَرَجٍ  
 وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ترجمہ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (خدا پر)  
 ایمان لاتے اور پرہیزگاری (کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتوں (کے دروازوں)  
 کو ان پر کھول دیتے مگر ان لوگوں نے (ہم سے) پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کے ان کرتوتوں کی  
 سزا میں کہ وہ کرتے تھے ہم نے ان کو (عذاب میں دھر) پکڑا۔

اسکے ماقبل کی آیات میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ایسی کوئی آبادی نہیں کہ جہاں خدا نے کوئی  
 نبی نہ بھیجا ہو اور لوگوں کو راحت و تکلیف کے ساتھ نہ آزمایا ہو۔ تاکہ وہ ان امور کو منجانب اللہ

کافر ہوا اسکا خاتمہ بھی کفر پر ہوگا اور جو مومن ہوا اسکا انجام ایمان پر ہوگا۔ ترتیب بیان سے واضح ہو کہ اولاً توحید باری کی تعلیم ہوئی اور پھر اعمال صالحہ اختیار کرنے کی اور پھر ان دونوں باتوں کا انجام جو آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے بیان کر دیا گیا ہے۔ باوجود ایسی صاف ہدایت کے بعض لوگ رہتے ہیں کہ ان کو اختیار کیا اور بعض گمراہی میں مبتلا ہو گئے فریقہ اہدی و فریقہ حق علیہم الضلالة جو لوگ گمراہ ہو گئے انھوں نے خدا کی پاک ہدایت کو چھوڑ کر شیطان کی بیروسی اختیار کی۔ اور حق و باطل میں کچھ امتیاز نہ کیا جیسا کہ انھم اتخذوا الشیطان اولیاء من دین اللہ میں بیان ہوا ہے۔ اور لطف تو یہ ہے کہ باوجود اس کج روی کے نادانی سے خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں و محسبون انھم مھتدون جب ایمان اور اعمال سنہ کے اختیار کرنے کا حکم ہوا تو ساتھ ہی خذوا زینتکم عند کل مسجد سے اچھا کپڑا پہننے کی ہدایت بھی ہوئی کیونکہ اولے نماز کے لیے ستر عورت شرط ہے۔ ایام جاہلیت میں قبائل عرب کی عادت تھی کہ وہ طواف کعبہ اور مسجد منیٰ میں داخل ہونے کے وقت برہنہ ہو جاتے تھے یہ عمل مختلف خیالات سے تھا بعض تو یہ خیال کرتے تھے کہ جن کپڑوں کو پہنکر پہننے گناہ کیا ہے انھیں کپڑوں سے نیک کام نہ کرنا چاہیے اور بعض برہنگی کو تفاؤل سمجھتے تھے کہ جس طرح وہ کپڑے نکال دیے اس طرح وہ گناہ سے بھی پاک ہو گئے۔ اور نیز وہ حج کے زمانے میں کم کھایا کرتے تھے۔ چکنے کھانے سے بھی پرہیز کرتے تھے ایسے باطل طریقہ کے ترک کرنے کے لیے حکم ہوا کہ کلو و استروا یعنی جن چیزوں کو اللہ نے حلال و مباح کیا ہے ان کو کھاؤ اور پیو مگر بشرط ولا تسرفوا یعنی ایسی فضول خرچی مت کرو کہ جو حرام کے درجہ تک پہنچ جائے یا اس قدر زیادہ نہ کھا یا کرو کہ جس کا تحمل معدہ نہ کر سکے۔



کہ ہر تو ایسا ہی مگر ہم تو منع کیے دیتے ہیں تاکہ ہم بری الذمہ ہو جائیں آخر جب انھوں نے سلائیہ سرکشی اور نافرمانی اختیار کی اور کیسے کہنے سننے کو نہ مانا تو ان کے چہروں پر ایسا ورم پیدا ہوا جس سے بندروں کی شکل معلوم ہونے لگی اسی حالت میں تین روز کے بعد مر گئے اور جن لوگوں نے انکو متنبہ کیا تھا وہ بچ گئے فلما نسوا ما ذکر و ابہ سے اسی قصہ کی طرف اشارہ ہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو بے اختیار رویا کرتے تھے۔ اور اس قوم کے ساتھ وہ لوگ بھی ہلاک ہو گئے جنھوں نے نصیحت کرنے سے سکوت کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک علما نہی منکر اور امر معروف اختیار نہ کریں گے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے جسے افعال دیکھ کر سکوت اختیار کرنا اسلام میں جائز نہیں ہر غرضکہ پند و نصائح بھی اخلاق اسلام کا ایک جزو ہے اور حقیقت میں یہ بڑا کام ہر تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتا افعال خیر کے لیے ہی ہوئی تھی جو علما اس فرض کو ادا کرتے ہیں وہ دراصل انبیاء علیہم السلام کی سنت کو ادا کرتے ہیں اور جو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور دنیا داری کے لحاظ سے چشم پوشی کرتے ہیں وہ مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے۔ قوم کے تمام افراد تعلیم یافتہ نہیں ہوتے ایسے علما کا فرض ہے کہ قومی ہدایت کے کام کو اپنے دوش بہت پر لیں۔

سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ ہدایت میں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوا تھا لیکن آپ خدا کے احکام کی اشاعت میں ہرگز دیر نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ اس فرض کی ادائیگی میں دمان مبارک کو صدمہ پہنچا مگر آپ یہ دعا فرماتے تھے کہ اللھم اھدِ قومی اھم لا یعلمون

خدا یا میری قوم کو ہدایت نصیب فرما کہ وہ ناواقف ہیں ۱۲

خیال کر کے خدا کی طرف متوجہ ہوں اور عاجزی اختیار کریں۔ اور آیت زیر بیان میں مسلمانوں کو یہ جتلیا گیا ہے کہ اگر وہ لوگ جن پر ان کے گناہوں کی نحوست نازل ہوئی ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دی جاتیں یعنی وقت پر پانی برستا اور نباتات اُگتے۔ کھیتی اور درختوں میں عمدہ پھول و پھل آتا مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے ان امور کو ناپائیدار سمجھا اور خیال کیا کہ دنیا میں ہمیشہ یوں ہی ہوا کرتا ہوا سیلے بے باکی سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا تو آخر وہ اپنے اعمال کی سزا میں مبتلا ہو گئے۔

اس بیان کا یہ مقصد ہے کہ جس طرح مطیعین اس کے فضل و انعام سے کامگار ہیں اس طرح عاصی و ناشکر اس کے انتقام سے بچ نہیں سکتے پس خدا کا خوف ہر وقت پیش نظر رکھنا اخلاق حسنہ کا جزو ہے۔  
 قَوْلُهُ تَعَالَى فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ انْجَبَيْنَا الَّذِينَ يَهْجَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَآخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ لِّمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ترجمہ جب ان نافرمان لوگوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ ان سے منع کرتے تھے ان کو تہمتیں بچا لیا اور جو لوگ شرارت پر اصرار کرتے رہے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہم نے ان کو عذاب سخت میں مبتلا کیا۔ یہودیوں پر ہفتہ کے روز شکار کرنے اور دنیاوی کاروبار کی سخت ممانعت تھی اہل الیہ سمندر کے کنارے بستے تھے۔ انھوں نے پانی کی نالیان مچھلیاں آنے کے لیے کھدو رکھی تھیں ان نالیوں میں ہفتہ کے روز مچھلیاں آتیں دوسرے دنوں میں نہ آتی تھیں۔ تو انھوں نے ہفتہ کے روز باوجود ممانعت کے شکار کرنا شروع کر دیا۔ بعض لوگوں نے منع کیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں پر کوئی بلا نازل ہونے کو منع کرنے سے یہ نہ مانیں گے مگر منع کرنے والوں نے کہا



رحمت العالمین طیب توبیس  
خرد مصطفاشش دایہ بود  
گرنہ داری سرعاعتبتش  
وانچہ او کرد و کردہ حق دان  
در شفاعت از ان کریم ترست  
ہست او پاک پاک راجوید  
از حرام و سفاح دست بردار  
شرم دار از حرام دست بشوی  
در رے محمدی آویز

چون توبیاری از ہوا و ہوس  
ہر کہ را از کمال مایہ بود  
جان فد اکن تو در مطاعتش  
ہر چہ او گفت امر مطلق دان  
بر تو از نفس تو رحیم ترست  
سوے جان پلید کمر پوید  
گر تو خواہی کہ گردی اورایار  
در حریم دے لے سلامت جوی  
سنت اور و است ہین بر خیز

قوله تعالى وَإِذْ أَخَرْنَا نَقْمَ بَايَةِ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْنَاهَا قُلْ إِنَّمَا اتَّبَعْتُ مَا يُؤْتِي إِلَهِي مِنَ  
رَبِّي هَذَا بَصَافًا لِّمَنْ رَّبُّكُمْ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ وَإِذْ أَوْفَى الْقُرْآنَ تَاسْتَعْوَالَهُ  
وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ وَإِذْ كَرَّرْنَا فِي نَفْسِكَ نَضْرَعًا وَجِيعَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ  
بِالْعُدُوِّ وَالْأَصْحَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ  
عَنِ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ترجمہ اور اسے بغیر جب تم ان لوگوں کے پاس  
کوئی (خاص قسم کی) آیت نہیں لاتے ہو تو (اپنے خیال کے مطابق) کہتے ہیں کہ تم نے اسکو بھی اپنی  
طرف سے کیوں نہیں بنالیا تم (ان سے) کہو کہ میں تو اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں بتاتا بلکہ جو کچھ میرے  
پروردگار کے یہاں سے میری طرف وحی کی جاتی ہے، اُسی پر چلتا ہوں یہ (قرآن) سوچو سمجھو کہ میں

اس آیت سے اُسکی ممانعت ہو گئی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک احکام الہی کو ادب کے ساتھ نہ سنیں ان احکام کے غرض کا معلوم کرنا محال ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جب دنیا کے بادشاہوں کا فرمان پڑھا جاتا ہے تو حاضرین و بار بار پر سکوت واجب ہوا سوقت سرگوشی کی بھی مجال نہیں ہے تو پھر جب احکام الہی کا فرمان پڑھا جائے تو اسکو نہایت ادب و سکوت کے ساتھ سننا واجب ہے اس آیت میں اس بات کا حکم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے کہ جب قرآن عام ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے تو اسکو بلند آوازی کے ساتھ سنایا جائے تاکہ تبلیغ وحی کا مقصود پورا ہو جائے۔ اور ہر شخص کلام الہی کے برکات سے مستفید ہو سکے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ **وَإِذْ كُنَّا رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدِّ وَالْأَصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْخَافِينَ** ترجمہ ہے یہ پیغمبر اپنے ہی جی میں گڑ گڑا کر اور ڈر ڈر کر دھیمی آواز سے صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرتے رہو اور اُسکی یاد سے غافل نہ رہو۔

گویا ذکر جلی اور خفی دونوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے ذکر کے لیے چند قید بھی لگائے گئے ہیں (۱) **وَإِذْ كُنَّا رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ** یعنی جن الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہو اُسکی طرف دل سے بھی متوجہ رہو جس سے ذکر قلبی مراد ہو۔ اسم رب کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لفظ رب کا ذکر خدائے تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو یاد دلانا ہے جس سے انسان کے دل میں خیر کی امید پیدا ہوتی ہے۔ جب خدا نے تعالیٰ اقسام کی نعمتوں سے بندوں کو پرورش فرماتا ہے تو آخر کار وہ بندوں کے ساتھ اچھا ہی سلوک کریگا تو اس سے ایمان کے دو اجزاء سے جو خوف ورجا ہیں ایک جز کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ (الایمان بین الخوف والرجاء)

ہوتا ہے وہی سنا ہوں۔

اس آیت میں قرآن مجید کے وصف میں تین لفظ بیان ہوئے ہیں۔

(۱) ہذا بصائر من دیکھو یہ قرآن سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو پروردگار کی طرف سے اُتری ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو دلائل توحید مرقوم ہیں اُسکے سمجھنے کے لیے آیات قرآنی سے ہی عقل میں بصیرت پیدا ہوتی ہے جسکا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۲) وہدی اور اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے۔ علمائے توحید کی تقسیم دو طرح پر ہے ایک وہ گروہ کہ جنکی معرفت درجہ کمال کو پہنچ گئی انھوں نے توحید کا مشاہدہ بھی کر لیا۔ اس گروہ کا نام اصحاب عین الیقین ہے اور انھیں کے لیے قرآن بمنزلہ بصائر کے ہے اور دوسرا طبقہ صرف دلائل توحید پر اکتفا کرتا ہے انکا نام اصحاب علم الیقین ہے اور انھیں کے لیے قرآن مجید مشعل ہدایت ہے

(۳) درجہ عامہ مومنین ان دونوں درجوں سے گھٹے ہوئے ہیں ان کے حق میں قرآن مجید بمنزلہ رحمت ہے۔

اسکے بعد واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون سے آداب سماعت قرآن کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو غل نہ مچاؤ بلکہ اسکو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو عجب نہیں کہ اسکی برکت سے تپیر رحم کیا جائے۔

وہ شان نزول آیت مختلف بیان ہوئے ہیں جن کا بالاستیعاب بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ اسلئے صرف اسقدر لکھا جاتا ہے کہ ابتداء اسلام میں عین نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے۔

برعکس کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے خداے تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ظہور ہوتا ہے تو اس وقت بھی ذکر الہی ضرور ہے اور نیز صبح و شام ذکر میں مشغول ہونے سے ذکر دوام مقصود ہے۔

(۶) ولا تکن من الغافلین سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بقدر طاقت بشری ذکر قلبی سے غفلت نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ روح کو جسم سے عجیب تعلق ہے جب روح میں کسی بات کا اثر ہوتا ہے تو اس سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے علیٰ ہذا جسم کے اثرات سے روح بھی اثر پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے جب انسان اعمال خیر کی موافقت کرتا ہے تو جو ہر نفس میں ایک قوتِ اسخہ پیدا ہوتی ہے جب انسان فی کمالی میں مشغول ہوتا ہے کہ جسکو اس کا نفس سنتا ہے تو ایسے ذکر کا اثر خیال پر بھی ہوتا ہے تو پھر اس اثر خیالی سے انوار الہی کا پر توجہ ہر روح پر پڑتا ہے۔ اور پھر کیفیت انعکاسی پیدا ہوتی ہے جس سے اثرات روحانی کا اثر زبان و خیال تک پہنچتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کیفیت ثانی سے عقل نور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان انوار کا انعکاس یکے با دیگر ہوتا رہتا ہے۔ اور بالیکہ گیر قوی کی تقویت و تکمیل ہوتی ہے۔ اس لیے مازنین ان اشغال میں مصروف رہتے ہیں اور یہی ان کا سفر ہے۔ ہر ایک انسان کو بقدر استعداد نفس ناطقہ کے یک ایک جہ عنایت ہوا ہے جیسا کہ ملائکہ کی تعریف میں ارشاد ہوا ہے وَمَا مِّنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ اسی طرح موافقت ذکر کی تعلیم کے بعد ان الذین عند ربک سے اخیر تک یون غیبِ دلاوی گئی ہے کہ ملائکہ باوجود تقدس ذاتی کے مرموعبادات الہی سے سزا بی نہیں کرتے تو انسان کو اپنی آلائش شہوت اور ظلمت جسمانیّت سے پاک صاف ہونے کے لیے عبادات الہی میں زیادہ مشغول ہونا ضرور ہے **قَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاصْنِ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتَ حَيًّا**

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ازلے ناز و زکوٰۃ کی وصیت کی ہے کہ جب تک زندہ رہوں ترک نہ کر دے ۱۲

(۲) تضرعاً یعنی ذکر عجز و نیاز کے ساتھ گڑگڑا کر کیا جائے اس سے جزوقامی ایمان یعنی خوف کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ قال علیہ السلام لو وزن خوف المؤمن ورجاءہ لا اعتدلا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کے خوف ورجا کو تو لا جائے تو دونوں پہلے برابر ہوں گے۔ خوف کے بہت سے اقسام ہیں مثلاً خوف عذاب یہ مبتدیوں کا مقصد تمام ہے۔ خوف جلال یہ محققین کا حصہ ہے۔

(۳) خیفۃً یعنی ذکر کے ساتھ قصور عمل کا خوف بھی ہے کہ اس سے عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ بعضوں نے اس لفظ سے ذکر خفی کا معنی بھی لیا ہے۔ حالت ابتدائی میں ذکر خفی سے یہ مراد ہو کہ سمع دریا سے پاک ہو۔ اور جب محبت الہی کی تکمیل ہو جاتی ہے تو انسان میں غیبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ذکر خفی میں مستغرق رہتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم عرف اللہ کل لسانہ

(۴) دون الجہر اس سے یہ مراد ہو کہ ذکر متوسط درجہ میں ہو۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایکبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چنچ چنچ کر تکبیر و تہلیل کیا کرتے تھے۔ تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب بہرہ اور تم سے غائب نہیں ہے۔ اس قدر مت پکارا کرو جس سے مقصود یہ ہو کہ ذکر بین بین ہو کہ متوسط درجہ بہتر ہے ع نعرہ کمتر زن کہ نزدیک ست یار \*

(۵) بالغد ووالاصال ذکر صبح و شام کیا کریں صبح کے وقت اسوجہ سے کہ انسان نیند سے جہ مثل موت کے ہے بیدار ہوتا ہے اور نور صبح سے ظلمت شب دور ہو جاتی ہے جو ایک تغیر عظیم ہے ایسے وقت میں پروردگار عالم کی یاد باعث انجلا اقلوب ہے۔ اور شام کے وقت اسکے

لے جسے خدا کو پہچانا اسکی زبان بند ہو گئی ۱۲



انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اسکو کہتے ہیں جو اصل پر زاد ہونا نفل کو بھی ایسے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد ہے۔ سورہ انفال جنگ رین نازل ہوئی۔ جنگ رین جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین کا مال اسلام کے قبضہ میں آیا تو اسکی تقسیم میں جھگڑا پیدا ہوا۔ جو انون نے کہا کہ ہمارا حق زائد ہے رین نے زور بازو سے شکست دی ہے۔ بڑھون نے کہا کہ ہم تمہاری پشت پر تھے۔ ایسے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تب یہ سورہ نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ جو فتح نصیب ہوئی وہ تمہاری کوشش کا نتیجہ نہیں ہے محض ہمارا فضل ہے غنیمت کا کل مال خدا اور رسول کا ہے جسکو جتنا دیا جائے خوشدلی سے لیلو۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو برابر تقسیم کر دیا۔ یسئلونک عن الانفال سے والہ رسول تک اسی کا بیان ہے اور فاتحوا اللہ واصلحوا ذات بینکم سے اللہ سے ڈرنے اور آپس میں نیک سلوک کرنے اور مال غنیمت پر جھگڑا نہ کرنے کی ہدایت ہوئی ہے اور پھر مومنین کو اطیعوا اللہ ورسول ان کنتم مومنین سے خدا اور رسول کے حکم کی اطاعت کرنے کی تاکید ہوئی۔ اسکے بعد ایمان داروں کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

(۱) اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم جبکہ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو محبت اور خوف کے مائے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ خوف دو قسم کا ہے۔ ایک خوف عذاب۔ اور دوسرا خوف عظمت و جلال الہی اور یہاں خوف عقاب مراد ہے کیونکہ صحابہ بدر پر تقسیم مال غنیمت میں حکم خدا کی پابندی لازم گروانی گئی۔ اگر وہ ترک ہو جائے تو بوجہ نافرمانی کے عذاب کا خوف تھا۔

(۲) واذا نلت علیہم آیتہ زادتهم ایمانا اور جب قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ  
غرض کہ ہدایت قرآنی کو ادب کے ساتھ سننا اور خدا سے تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں تامل  
مشغول رہنا تہذیب نفس کے لیے ضرور ہے۔

قوله تعالى سَيَلُونَا عَنْ أَلْفَيْ أَلْفٍ لَا نَقُولُ اللَّهُ وَالرَّسُولُ فَإِنَّمَا أَتَىٰ الْكِبَارُ  
أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحِلَّتِ  
قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلَمَّتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ - الَّذِينَ يُقِيمُونَ  
الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ - أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ  
رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ترجمہ (اے پیغمبر مسلمان سپاہی، تم سے مال غنیمت  
کا حکم دریافت کرتے ہیں تو ان سے) کہدو کہ مال غنیمت تو اسد اور رسول کا ہر تم لوگ مال غنیمت  
میں جھگڑا نہ کرو اور خدا (کے غضب) سے ڈرو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک رکھو اور اگر تم (سچے)  
مسلمان ہو تو اسد اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جائے  
ہر تو ان کے دل ہل جاتے ہیں اور جب آیات الہی ان کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو وہ ان کے  
ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ اور (ہر حال میں) اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں جو نسا  
پڑھتے اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہو۔ اس میں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں یہی ہیں  
سچے ایمان والے اور ان کے لیے پروردگار کے یہاں دے ہیں اور (گناہوں کی) معافی اور عزت  
(و آبرو) کی روزی۔

اپنے پروردگار کی عبادت کرو جب تک کہ موت آئے ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ يَحْصِلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَاِنَّهٗ اَلَيْسَ فِتْنٰشُرُوْنَ - وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِيْنَ  
 ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ - وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مِّنْ مُّسْتَضِعِفُوْنَ  
 فِي الْاَرْضِ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّخَطَّفَكُمْ الْاِنْسَ فَاُولٰٓئِكَ كُوْنِيْضِرَّهٗ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ  
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخَوْنُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ - وَتَخَوْنُوْا اِمَّا نَا نَكْمُ وَاَنْتُمْ  
 تَعْلَمُوْنَ - وَاَعْلَمُوْا اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَ اَجْرٍ عَظِيْمٍ - ترجمہ مسلمانو!

جب رسول تم کو ایسے دین کی طرف بلاتا ہے جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے تو تم اسد اور رسول کا حکم
 گوش دل سنو۔ اور جانے رہو کہ اسد کو ایسی قدرت ہے کہ وہ آدمی اور اُس کے دل (کے ارادے)
 میں اڑے آجاتا ہے اور یہ (بھی جانے رہو) کہ (آخر کار) تم (سب) اُنسی کے حضور میں حاضر کیے
 جاؤ گے۔ اور اس بلا سے ڈرتے رہو جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنھوں نے
 تم میں سے کسی طرح کا ظلم کیا ہے (بلکہ سب کی دین آجاؤ گے) اور جانے رہو کہ اسد کی مار بڑی
 سخت ہے۔ اور (وہ وقت) یاد کرو جب تم (مسلمان) سرزمین (مکہ) میں تھوڑے سے تھے (اور) کم و
 سمجھے جاتے تھے (اور) اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو زبردستی کپڑے کر (کمین) کو (اڑا) لیں
 پھر خدانے تم کو (مدینے میں) جگہ دی اور اپنی مدد سے تمھاری تائید کی اور اچھی اچھی جینوز بن تمھیں کھانے کو
 دین (یہ سب حسانات) اسلئے کہ تم شکر کرو۔ مسلمانو! اسد اور رسول کی (امانت میں خیانت) نہ کرو اور
 نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم تو (خیانت کے وبال سے) واقف ہو۔ اور جانے رہو کہ
 تمھارے مال اور تمھاری اولاد بس (دنیا کے) کبھیرے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ وہ ذات پاک ہے کہ
 اس کے یہاں (نیکو کاروں کے لیے) بڑا اجر (موجود) ہے۔

تو اُنکا ایمان اور بھی مستحکم ہو جاتا ہے۔ ایمان کی کمی و زیادتی میں علما کو اختلاف ہے بعض علما کا یہ قول ہے کہ ایمان تین جز کے مجموعہ کا نام ہے یعنی اعتقاد۔ اقرار باللسان۔ اور عمل بالجوارح۔ جو فرقہ زیادتی ایمان کا قائل ہے اس آیت کو حجت قرار دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب قدر زائد دلائل توحید کو سنا جائے اُسی قدر ایمان میں تقویت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو وُزن ایمان ابی بکر ایمان اہل الارض لرسخ جس سے مقصود یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معرفت الہی بڑھی ہوئی تھی۔

(۳) وَعَلَىٰ بَعْضِهِمْ ثَمَلَاتٌ وَهُوَ هَرَامٌ مِّنَ السَّيْرِ بِهَرَسَةٍ كَتَبَتْ بَيْنَ - تو کل کا تہائی رُجُو  
یہی ہے کہ کسی کام میں غیر خدا کے جانب رخ نہ کیا جائے۔ یہ تینوں صفت قوت نظریہ سے متعلق ہیں۔  
(۴) بَقِيَمُونَ الصَّلَاةَ وَهَذَا زَيْطٌ يُّهْتَمُّ بِهِ -

(۵) هَذَا رِزْقُهُمْ يَنْفَقُونَ اور وہ اللہ کے دیے میں سے لے دیتے۔ اور یہ دونوں  
باتیں قوت عملی سے متعلق ہیں اولئک ہم المؤمنون حقاً جنہیں یہ پانچ صفتیں ہوں درحقیقت  
وہی مومنین ہیں۔ اور پھر لہم درجات عند ربهم ومغفرة و رزق کریم سے یہ بات  
ظاہر کی گئی ہے کہ بعض کے مراتب بعض سے اعلیٰ ہیں یعنی جہنم خوف الہی اخلاص اور توکل زائد  
ہوگا اُسی قدر اُس کا مرتبہ زیادہ ہوگا۔ یہی معیار فضیلت ہے۔ احاصل ان احکام کا پیش نظر رکھنا  
موجب تہذیب نفس ہے۔

تَوَلَّهِ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا

اے اگر ابوبکر کے ایمان کا اندازہ تمام اہل زمین کے ایمان کے مقابلہ میں کیا جائے تو انھیں ایمان کا پلہ بھاری ہے گا ۱۲

اور ہاتھ مل کر رہ جاؤ گے قبول ایمان کی طرف جلدی کرو وائے الیہ تمہارے اور آخر کار سب  
 اسی کے حضور میں حاضر کیے جائیں گے۔ طول بقا کا خیال کر کے آخر کے اختیار کرنے میں  
 تامل کرنا دشمنی سے بعید ہے۔ اور پھر واقفیت لائے تصیبت الذین ظلموا سے  
 شدید العقاب تک مکررتا گیا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہو کہ وہ ایک عام فتنہ پیدا کر دیتا ہے  
 جس میں نیک بے سب مبتلا ہو جاتے ہیں یعنی خدا کی نافرمانی سے دنیا میں مصائب نازل ہوتے ہیں  
 جن میں نیک بے سب ہی آجاتے ہیں۔ جیسا کہ وہا۔ قحط۔ غیر قوموں کا محکوم ہونا۔ یہ سب خدا کی  
 نافرمانی کے نتائج ہیں۔ جب عام طور پر احکام قرآنی کی اطاعت و انقیاد کا ذکر ہو چکا تو اب خاص  
 طور پر مسلمانوں کو معصیت سے بچنے کے خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ واذکروا انکم قلیل  
 مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاؤلکم واولادکم نبصرہ وورثکم  
 من الطیبات لعلکم تشکرون کہ افسانہ کو یاد کرو کہ رسول مقبول کی بعثت کے قبل  
 تمہاری تعداد بہت ہی کم تھی اور ذلت کی حالت میں بسر کرتے تھے اور جب مشرق باسلام ہو گئے  
 تو خدا کی عنایت سے تمہاری حالت سے بدل گئی اور ایسی نعمت نصیب ہوئی کہ تمہارے دلوں  
 میں مشرکین عرب کا خوف باقی نہ رہا نہ وہ اب تمہاری نظر میں مائے ہین۔ جب مکہ میں سخت پریشانی  
 میں بسر ہوئی تو مدینہ طیبہ کو ہجرت کے بعد تمہارے لیے ماویٰ و لجا بنا دیا گیا اور اچھے کھانے  
 تم کو عنایت ہوئے تو تم پر لازم ہے کہ بد کاموں سے پرہیز کرو اور باہمی خصمت کو ترک کر وغنیت  
 کے مال پر مت جھگڑو۔ جب نعمات کا ذکر ہو چکا تو خیانت سے احتراز کرنے کے لیے یوں حکم ہوا  
 یا ایہا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول و تخونوا اماناتکم و انتم تعلمون و جنزول آیت

ان آیات کے قبل آیت وَلَوْ عَلَّمَ اللَّهُ الْقَوْمَ خَيْرًا لَّامْتَعَمَّهُمْ وَلَوْ اسْمَعْتُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مَصْرُوعُونَ

مذکور ہر جس کا مفہم یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام الہی فرماتے تو کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ قصی بن کلاب وغیرہ سیکڑوں برس کے مردوں کو زندہ کر دیں وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دین گے تو ہم بھی آپ کی نبوت کو مانیں گے کیونکہ وہ قوم عرب کے بزرگ ہیں۔ اسکے جواب میں اللہ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہیں قابلیت ہوتی تو خدا اٹکوائے گا وہی سنوارے گا مگر انہیں قابلیت نہیں ہوا اگر وہ سیکڑوں برس کے مرنے زندہ بھی ہوں اور یہ انکی گواہی سن بھی لین تب بھی نہیں مانیں گے۔ اسکے بعد یوں فرمایا کہ یا ایہا الذین امنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اللہ اور رسول کا کہا مانو کہ وہ ایسے دین کی طرف رہبری کر رہے ہیں جس سے حیات جاودانی نصیب ہوگی۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو یہ ہے کہ وہ خدا کے احکام کی بجا آوری کی ہدایت کرتے ہیں اور احکام الہی کا یہ حال ہے کہ وہ سب انسان کی بہتری پر مبنی ہیں تو ایسے احکام کی اطاعت واجب ہے۔ یا یوں سمجھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان اسلام لانے کی ترغیب دلاتے ہیں جو باعث حیات قلب ہیں کیونکہ کفر سے دل مردہ ہو جاتا ہے یا یوں سمجھو کہ احکام قرآنی سب علم ہیں اور علم حیات قلب کا سبب ہے۔ اور پھر اُسی اطاعت کی تاکید میں ارشاد ہوا کہ واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلوبہ اور جانے رہو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے اراکے میں آٹے آجاتا ہے۔ یعنی جب خدا کی طرف سے موت آجائے گی تو پھر کچھ بن پرکھا

اور اگر اللہ انہیں (کچھ بھی) بہتری یا اتوائے سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرمائے لیکن یہ ایسے کج شرت ہیں کہ اگر ان کو خدا

سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ مٹھ پھر پھر کراٹے بھاگتے ۱۲

کہ (اسمیں کچھ) رد و بدل کرے اور (نیز) اسوجہ سے کہ اس (سب کی) سنتا (اور سب کو جانتا ہے) اور وہ اُس کے نزدیک اس عذاب کے مستحق تھے۔

یہاں کافروں کے گرفتار عذاب ہونے کے دو سبب بیان ہوئے ہیں۔  
ایک یہ کہ خود ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔

دوسرا یہ کہ خدا سب کے حال سے واقف ہے۔ کفار کے دلوں کی خرابیوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس سبب سے ان کو مستحق عذاب سمجھ کر عذاب نازل کیا گیا۔ جیسا کہ فرعونؑ اور ان سے پہلوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ بدر کے واقعہ کے سبب منافقین مدینہ مسلمانوں کو یہ کہتے تھے کہ یہ دین کے بھروسہ پر مغرور ہو گئے ہیں۔ محمدؐ کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہزار جنگ جو اور بہادر قریش سے لڑنے چلے ہیں۔ اس کا جواب آیات زیر بیان کے قبل خداے تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ یہ مغرور نہیں ہیں بلکہ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں جو کوئی خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو اُس کے لیے اس کی حمایت کافی ہے۔ جبکہ خداے تعالیٰ نے ان قوموں کو عمدہ نعمتیں عطا کر دی ہیں۔ حکومت سب کچھ عنایت فرمایا تھا تو اس کرم کا تقاضی یہ تھا کہ شکر و عبادت الہی میں مشغول رہتے۔ کفر سے باز آتے مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اپنی تمام اوقات کو فسق و فجور میں صرف کر دیا۔ حالت کفر پر آٹے رہے۔ گویا ان عقل کے معذوروں نے خدا کی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ پس وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ انکی اچھی حالت کو بُری حالت سے بدل دیا جائے۔ انسان کے لیے یہ بڑی عبرت کی بات ہے۔ عادت الہی تو یوں جاری ہے کہ وہ کسی قوم کی اچھی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اخلاقِ رزویہ اختیار کر کے خود اپنی نساہی کا سامان فراہم

جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ ایک بار ابوسفیان مکہ سے بقیعہ جنگ میں نہ ہوئے۔ اس بات کا علم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو گیا۔ اور آپ نے بھی اُن پر تاخت کا قصد فرمایا۔ ایک منافق نے ابوسفیان کو اس واقعہ کی خبر کر دی تاکہ وہ اپنے لیے کمین گاہ تلاش کرین اُس وقت آیت نازل ہوئی۔ اور بعضوں نے یہ وجہ لکھی ہے کہ غنیمت کے مال میں بعض لوگ خیانت کرتے تھے اس آیت سے اسکی ممانعت ہو گئی۔ بہر حال مفہوم آیت عام ہے خیانت خلافتِ امانت ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ خیانت سے بچیں خیانت سے محبت و اتفاق میں خلل پیدا ہوتا ہے و انتم تعلمون اسکے بڑے نتائج کو ہر شخص جانتا ہے۔ چونکہ اکثر خیانت کا وقوع مال و اولاد کی محبت سے ہوتا ہے و اعلموا انما هو الاكل واولادكم فنتة سے بیان کرو یا گیا ہے کہ مال و اولاد کی محبت میں خیانت اختیار کر کے مفت میں اپنی گردن کو عذاب الہی میں نہ پھنساؤ۔ سلاوہ اسکے اکثر و بیشتر ایسے قبیح افعال کا ارتکاب دنیوی نام و نمود کے خیال سے ہوتا ہے اسیلئے ارشاد ہوا وان الله عندہ اجر عظیم کہ اگر ممنوعات سے محترز رہو گے تو آخرت میں خداے تعالیٰ اسکا عمدہ معاوضہ عطا فرمائے گا۔ دنیا گذشتنی اور گزشتنی ہے عقیبی کی خوبیاں دائمی ہیں اس سے محروم رہنا خلافت عقل ہے غرض کہ خیانت سے بچنا حسن اخلاق کا جزو اعظم ہے۔ خائن خدا اور مخلوق خدا کی نظر سے گرجاتا ہے۔

قوله تعالى ذَلِكْ يَٰ اَنَّا اللّٰهُ لَكَ مَغِيْرٌ اَنْعَمَ اَلَمْ هَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْهُمَا  
 يَٰ اَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ترجمہ: (مزا ان لوگوں کو) اس وجہ سے (دی گئی) کہ جو نعمت خدا  
 نے کسی قوم کو دی ہو جب تک وہ لوگ آپ ہی اپنی صلاحیت کو نہ بد لیں خدا (کی عادت) نہیں



ہو گئی ہیں۔ غرض کہ اسلامی خدمتوں کا ادا کرنا واجب ہے۔ وہی لوگ مہذب کھلانے کے مستحق ہیں جو قومی خدمات کی انجام دہی میں مکرہت کو حجت بنا رہے ہیں۔

قوله تعالى قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَرْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ أُفْتِرَتْ تُمَوُّهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْغَضُونََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ترجمہ (اے پیغمبر! تم لوگوں کو) سمجھا دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے اکنبہ دار اور مال جو تم نے کمایا ہے اور سوداگری جس کے منہ اپڑنے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن (میں رہنے کو) تمہارا جی چاہتا ہے (اگر یہ چیزیں) اسد اور اُس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ (تمہارے سامنے) لا موجود کرے اور اسد ان لوگوں کو جو (اُس کے حکم سے) سترابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

مفہوم آیت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے مسلمانوں کے حق میں بڑی سختی رہی ہے ایک حساب سے ان کو بالکل علاق دنیا کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا جاتا تو دین حق کی جماعت قائم نہ ہوتی اور آخر یہی ہوا کہ مسلمان حکم خدا پر ثابت قدم رہے اور کفار گروہ کے گروہ مسلمان ہوتے گئے اور مسلمانوں کو بہت عرصہ تک ترک علاق کی مصیبت نہ اٹھانی پڑی۔ یہ آیت سورہ براءت کی ہے اس سورہ کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ فتح ہوا تو بہت سی قومیں اسلام لائیں اور بعضوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد پیمان لیا

نہ کر لے ایسے ہمیشہ اخلاق فاضلہ کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے۔ ازناست کہ براست  
کا معاملہ ہے۔

خصوصاً فی زمانہ مسلمانوں کے ادبار کی وجہ یہی ہے کہ ان سے اسلام کی خوبیاں  
دور ہو گئیں بڑے عادات میں پھنس گئے ہیں سب بڑی غلطی یہ کر رہے ہیں کہ دینی تعلیم کی طرف  
توجہ نہیں جب تک مسلمان قرآن و حدیث سے بہرہ ور نہ ہوں گے راہ سعادت سے بھٹکتے رہیں گے  
خداے تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔

قوله تعالى اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ  
وَاَتٰى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَلِمَ اَنَّ اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّسْكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝  
ترجمہ (حقیقت میں تو) اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد رکھتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا  
اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا تو ایسے لوگوں کی نسبت توقع کی جاسکتی  
ہے کہ (آخر کار) ان لوگوں میں (جاشامل) ہوں گے جو منزل مقصود پر پہنچے۔

مکہ کے بت پرست قدیم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے ایام حج میں لوگوں کو پانی بھی بلایا  
کرتے تھے ایسے وہ اپنی نیکیوں پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مجاور بیت اللہ اور اُسکے خادم  
ہیں ہم سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کس کا رتبہ ہو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس نعوے کی تردید  
کی ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنا یا اُسکی رونق بڑھانا اور وہاں رہ کر عبادت کرنا یہ سب باتیں خلوص اور  
توحید پر مبنی ہیں سو یہ بات شرکین کو کہاں میسر ہو سکتی ہے بلحاظ حکم اِنَّمَا الْمَشْرُكُوْنَ خَجَسٌ اَب تَوَكْفَارِ  
مرمت مساجد بھی نہیں کر سکتے کہ شیوع الاسلام کے بعد تو یہ سب نعمتیں مسلمانوں کے لیے ہی مختص

اس آیت میں ان چاروں امور کو اچھی طرح بیان کر دیا گیا ہے اور جتلا دیا گیا ہے کہ دین کی محبت کے آگے یہ سب چیزیں ہیج ہیں الحاصل اخلاق کی درستی کے لیے دین پر قائم رہنا بھی ضروری ہے اگر دین ہی کو پس پشت ڈال دیا گیا تو حسن اخلاق کا حال معلوم

قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَعَّلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قَلَّمُ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْنَا لَكُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنْهَا خَيْرٌ وَمِنْهَا شَرٌّ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِيهَا خَيْرٌ وَالْآخِرَةُ أَفْضَلُ لَكُمْ تَرَجُمہ مسلمانو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں لڑنے کے لیے، نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہو۔ کیا آخرت کے بے دنیا کی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو۔ (اگر یہ بات ہے) تو یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے (فائدوں کے) مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔

ہجرت کے نوین سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ طائف سے واپس ہوتے ہی جنگ تبوک کا اعلان فرما دیا تھا۔ کیونکہ شام سے ایک قافلہ والوں نے آپ کو خبر دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو اسکے خوشامدیوں نے یہ سمجھایا ہے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے ملک میں قحط ہو لوگ پریشان حال بیسوسا من میں ملک آسانی سے مفتوح ہو سکتا ہے اسلئے اسنے ایک کثیر فوج کا اہتمام کیا ہے۔ قباد کو چالیس ہزار فوج کا حاکم مقرر کر کے عرب کے نصرانی۔ قبائل غم۔ جذام۔ عامہ۔ غسان۔ وغیرہ کو مدد کے لیے متعین کیا گیا ہے۔ یہ خبر پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کے لیے آمادہ کیا، واقعی اس سال قحط تھا۔ گرمی کے دن تھے کھجوروں کا موسم تھا۔ سفر بھی دور کا تھا۔ شاہ روم سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ مسلمانوں میں نہایت

جب نوین سال ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کی طرف غزوہ تبوک کو تشریف لے گئے تو بہت سی قوموں نے بعد ہمدی کی منافقوں نے بہت افواہیں اڑائیں غرضکہ وہاں سے لوٹنے کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال حاجیوں کا قافلہ سالار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیا۔ اور بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ناقہ پر سوار کر کے بھیجا کہ مجمع عام میں سورۃ برات کی آیات لوگوں کو سنا دیں جبکہ مفہوم یہ ہو کہ آئندہ سے کسی مشرک کا عہد باقی نہ رہا۔ لوگوں نے کہا اے علی اپنے بھائی سے کہہ دیجو کہ ہم نے خود عہد کو توڑ دیا اب تلوار ہر تیر۔ اور خاص کر آیت زیر بیان کے نزول کی وجہ یہ ہو کہ بعض مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اپنے عزیزہ و اقارب سے کیسے بالکلیہ قطع تعلق کر سکتے ہیں جس میں سہائے مان باپ بھائی بند سے تعلق چھوڑنا پڑتا ہو تجارت کی کساد بازاری ہوتی ہو نقصان مال اور بربادی ملک کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حکم صادر ہوا کہ اگر دین کی سلامتی چاہتے ہو تو ان سب نقصانات کا برداشت کرنا لازمی ہے۔ اس آیت میں ان چار باتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنکی وجہ سے قرابتداروں کے ساتھ خلط ملط رکھنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

- (۱) ایک تو ان باپ بھائی بند وغیرہ کا تعلق۔
- (۲) دوسرا کمائی کے مال کو محفوظ رکھنے کی تمنا۔
- (۳) تیسرا تجارت سے نفع حاصل کرنے کی توقع۔
- (۴) چوتھا قدیم مکانوں کا انس اور وطن کی محبت۔

بیان ہوئی ہیں۔

(۱) یا مومن بالمعروف مسلمانوں کا فرض ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت ہمیشہ دوسرے لوگوں کو نیک کام کی ہدایت کرتے رہیں۔

(۲) وَيُضَوِّنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بُرائی سے بچنے کے لیے ٹوکتے رہیں۔

(۳) يَتَّقُونَ الصَّلَاةَ نماز کے پابند رہیں۔

(۴) وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازمی سمجھیں۔

(۵) وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ خدا اور اُس کے رسول کے احکام کی اطاعت کریں۔

انہیں پانچ چیزوں سے مومن اور منافق میں امتیاز قائم کیا گیا ہے سیوچہم اللہ سے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ حسبِ طرح منافقین کی بدکرداری کی سزا جہنم ہے مومنین کے اعمال خیر کی جزا جنت ہے۔ اور پھر ان اللہ عنین حکیمہ مبالغہ تر غیبی تر ہدیب کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ چونکہ عزیز وہی ہے کہ جب وہ اپنے بندوں پر رحمت یا عقوبت کرا چاہے تو اُس کو کوئی روک نہیں سکتا اور حکیم وہ ہے جس کا ہر کام مصالح (عباد) پر مبنی ہوتا ہے۔ غرض کہ ایک دوسرے کی اعانت کرا چاہے تو می بہر دی کہتے ہیں۔ مسلمانوں کا شیوہ ہے جو تہذیب اخلاق کا جزو اعظم ہے۔

قوله تعالى وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ترجمہ اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (اسلام کے قبول کرنے میں) سبقت کی (اور) سب سے پہلے (ایمان لائے) اور نیز وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے

تنگ سستی تھی۔ رستہ میں پانی کی قلت تھی۔ ان وجہ سے لوگ خصوص منافقین پھلنے سے ڈر کر  
 کرتے تھے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حسین مسلمانوں پر تہدید و تاکید شدید ہو اور یہ ظاہر کیا گیا  
 ہو کہ جہاد سے دل چرانے کی اصلی وجہ چند روزہ زندگی کی محبت ہو جو نہایت خسیس اور حقیر شے ہو  
 آخرت کی خوبیوں کے مقابلہ میں اسکی کوئی ہستی نہیں ہو۔ خدا و رسول کی فرمان برداری میں  
 دنیا کی ناپائیدار زندگی ہیچ اور لاشیٰ سمجھنا شعار اسلام ہو جب نفس سطح محکوم ہو جائے تو اور بڑا خلافت  
 میں بھیس نہیں سکتا۔ اور ایسے ہی نفوس مہذب کھلاے جاسکتے ہیں۔

قوله تعالى وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
 وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
 أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ترجمہ اور مسلمان مرد اور  
 مسلمان عورتیں ایک کی رفیق ایک کہ (لوگوں کو) نیک کام کرنے کی ہدایت کرنے اور بُرے  
 کام (کرنے) سے روکتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے۔ اور اللہ اور رسول کے حکم پر چلتے ہیں  
 لوگ ہیں جن (کے حال) پر اللہ عنقریب رحم کریگا۔ بیشک اللہ زبردست (اور) صاحب تدبیر ہو۔  
 اس آیت کے ماقبل قرآن مجید میں منافقین کے افعال قبیحہ کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ  
 ہوا ہے اور یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جیسے انکے مرد خبیث بیدین ہیں ویسی ہی عورتوں کی حالت  
 بھی ہے۔ اسلام کی تحقیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کا استعمال ان کا  
 شیوہ ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ سے یہ بیان کیا گیا کہ مسلمان  
 مرد و عورت ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں آیت زیر بیان میں مومنین کی پانچ خصوصیتیں

هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ - وَسَتُرَدُّونَ  
إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيَذَرُكُمْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - ترجمہ کیا ان لوگوں کو خبر نہیں  
کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور وہی خیرات کا مال لیتا اور اللہ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا  
مہربان ہے۔ اور (اے پیغمبر ان کو) سمجھا دو کہ تم (اپنی جگہ) عمل کرتے رہو سوا بھی تو اللہ تمہارے عملوں  
کو دیکھے گا اور اللہ کا رسول اور مسلمان (بھی دیکھیں گے) اور عنقریب (مر نیکی پیچھے) تم اس (کا طریق)  
کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غائب اور حاضر (سب کچھ) جانتا ہے۔ پھر جو کچھ تم (دنیا میں کرتے رہے ہو  
وہ تم کو اس (کی حقیقت) سے آگاہ کر دیگا۔

جنگ تبوک میں بعض لوگ سبستی اور کاہلی سے بیٹھے تھے آخر وہ نادام اور تائب  
ہوئے۔ یہاں تک انھوں نے کہا کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب آہو پئے تو  
مائے ندامت کے انھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے یہ اکھریا زہد دیا کہ جب  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کھولیں گے تو کھلیں گے آپ نے مسجد میں آکر یہ حال دیکھا اور دریافت  
کیا تو فرمایا کہ میں بھی جب ہی کھولوں گا جب اللہ حکم دیگا چنانچہ یہ لوگ کئی روز تک بندھے رہے  
اور روئے۔ تھے آخر شریعت الہیہ قبول اللہ توبہ نازل ہوئی دیکھا ان لوگوں کو خبر  
نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے ان لوگوں کی تعداد میں اختلاف ہے بعض مفسرین  
دس کہتے ہیں اور بعض سات انہیں ابی لبابہؓ بھی شریک تھے آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اسکے شکر کرنے میں کہ خدا نے توبہ قبول کی اپنا گھربار سدینا چاہتا ہوں آپ نے  
فرمایا ملت بہت ہے۔ اسکے بعد ان عذر کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں اور دیگر بندگان کے لیے

داخل ایمان ہوئے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش اور خدا نے ان کے لیے بہشت میں (ایسے) باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہرین پڑی بہ رہی ہیں اور یانین سدا (اور ہمیشہ) ہمیشہ رہیں گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کے ماقبل قرآن مجید میں اُن جگہ قبائل عرب کا ذکر ہوا ہے جنکو بدی کہتے ہیں۔ اسمین دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو شوکت اسلام سے دکر مسلمانوں کا ساتھ دیتے اور اسلام ظاہر کرتے تھے صدقہ و زکوٰۃ کو ایک تاوان خیال کرتے تھے اور دلمین مسلمانوں کے لیے مجھے وقت کا انتظار کرتے تھے الاعراب اشد کفرًا و نفاقا کے الفاظ انھیں کے لینے نازل ہوئے ہیں۔ اور بعض اسد اور قیامت پر ایمان رکھتے تھے صدقہ اور خیرات کو باعث ثواب جانتے تھے اس گروہ کا ذکر ومن الاعراب من یؤمن کے ساتھ ہوا ہے اسکے بعد آیت زیر بیان میں مہاجرین و انصار کے فضائل کا ذکر کیا گیا ہے اسمین بھی دو طبقہ ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے ایمان لانے میں سبقت کی یا عموماً ہر نیک کام میں سبقت کرتے تھے والسابقون الاولون میں انھیں کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے وہ جو نیک کام میں گزراول کی اتباع کرتے تھے اتبعوہم یا احسان سے وہی طبقہ مراد ہے۔ اور دونوں گروہ کو اسد تعالیٰ کی طرف سے دو بشارتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اسد سے اور اسد ان سے راضی ہے حقیقت میں یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے دوم یہ کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے یہ اسد جل شانہ کی عنایت و کرم بخشی ہے غرض نیک کام کے کرنے میں سبقت کرنا یا نیک کاموں کی پیروی کرنا شیوہ پسندیدہ اسلام ہے۔

قوله تعالى اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَاَنَّ اللّٰهَ



(خدا کی حمد) دُعا کرنے والے (خدا کی راہ میں) سفر کرنے والے۔ رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے (لوگوں کو) نیک کام کی صلاح دینے والے اور بُرے کام سے منع کرنے والے۔ اور اللہ نے جو حدیں باندھ دی ہیں اُن کی نگاہ کھٹنے والے اور (اپنے پیغمبر) ایسے مسلمانوں کو خوشخبریاں سنا دو۔ اس آیت کے ماقبل اُن منافقین کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے جنگ تبوک میں کنارہ کشی اختیار کی تھی اور ان کا کیا حشر ہوگا اور آیت نے یہ بیان میں جہاد کی فضیلت اور اسکی حقیقت بیان ہوئی ہے قرطبی نے نزول آیت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مکہ میں لیلۃ القبہ میں ستر انصاریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تب عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے لیے اور اپنے لیے جو شرط منظور ہوں کر لے لیجیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے لیے تو یہ شرط کرو کہ ایسی عبادت کریں گے اور کسی کو اسکا شریک نہ بنائیں گے اور میرے لیے یہ شرط کرو کہ جو بات تم اپنے نفس اور مال کے لیے پسند نہ کرو میرے لیے بھی وہ پسند نہ کرو۔ یعنی اپنے بڑے دین پسندی پر دیگران پسند نہ کرنا۔ تو انصار نے کہا کہ اس معاہدے سے ہم کو کیا حاصل ہوگا تو آپ نے فرمایا جنت۔ انصائے نے کہا کہ یہ تو بہت ہی فائدہ مند معاملہ ہے اسکو ہم ہرگز ترک نہ کریں گے۔ اُسوقت آیت ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة نازل ہوئی۔ حقیقت جب کوئی مومن جہاد میں اپنی جان دیتا ہے یا اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اسکا معاوضہ جنت ہے و قال الصادق علیہ الصلوٰۃ والسلام لیس لابن انکم ثمن الا الجنة فلا تتبعوها الا بها

۱۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں تمھارے جسم کی کوئی قیمت نہیں ہے مگر جنت اسکو فروخت

نکر و مگر جنت سے ۱۲

ترغیباً و ترہیباً ایک ایسی بات کہی گئی ہے کہ اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو معاصی سے بچنے اور طاعت  
 اسی کے اختیار کرنے میں ہمیشہ انسان سرگرم رہ سکتا ہے۔ قل عملوا سے آخر آیت تک اسی بات کا  
 ذکر ہے یعنی تم اپنا کام کیے جاؤ۔ اسد اور رسول اور مومنین تمہارا کام دیکھ لین گے اور قریب کہ  
 مرنے کے بعد اس فادر طلق کی طرت لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتیں ب جانتا ہے اور معلوم  
 ہو جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اس سے صحت ایچھے کام کرنے کی ہدایت مقصود ہے تاکہ  
 اعمال حسنہ سے اخلاق فاضلہ حاصل ہوں۔

قوله تعالى إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي  
 سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي النُّورِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْآنِ مَنْ أَوْفَى بَعْدِهِ  
 مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبِشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ النَّارُوتُ الْعَالِدُونَ  
 الْحَامِلُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
 وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ترجمہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے  
 مال (اس معدے پر) خرید لیے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان کو جنت (دیگیا یہ لوگ جان و مال کی پروا  
 نہ کر کے) اللہ کے ستمین لڑتے ہیں (اور لڑتے ہیں) تو دشمنوں کو) مائے اور آپ بھی) مائے جاتے  
 ہیں یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے (اور وہ) تورات اور انجیل  
 اور قرآن میں موجود ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے تو (مسلمانو) اپنے (اس)  
 سوئے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ۔ اور یہ (معاملہ جو تم نے خدا سے کیا ہے) حسین  
 تمہاری، بڑی کامیابی ہے (یہی لوگ ہیں جن میں اتنی صفتیں ہیں) تو یہ کرنے والے عبادت گزار۔



جبکہ مومنین کے نفس مال کا مشتری الہی تو پھر کوئی بائع بھی ہونا چاہیے یہاں بائع بھی  
خدا ہے اور مشتری بھی خدا ہے۔ اور ایسی بیع صرف اُس ولی کے لیے جائز ہے جو کسی ایسے طفل کے فائسے  
کے لیے کرے۔ جو مصالح بیع و شرا سے ناواقف ہو تو آیت کا معنی یوں ہوگا کہ مومنین ایسے اطفال  
کے مانند ہیں جو اپنے نفوس و اموال کے صرف کے فوائد سے ناواقف ہیں۔ خداے تعالیٰ انکا ولی  
جائز ہے ایسے وہ انکی جان و مال کو ایسے سود مند کاموں میں صرف کرنے کی ہدایت فرماتا ہے جس سے  
سعادت کے درجات عالیہ حاصل ہو سکتے ہیں یعنی جہاد۔ اور مال کا نیک کام میں صرف کرنا آخر  
آیت میں فاستبشروا ببعکم الذی با یعتم بہ سے اسی سعادت کی خوشخبری کا اظہار ہوا ہے اور پھر  
اس بیع و شرا کی تفسیر یوں فرمائی گئی ہے کہ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔ سلمان  
خدا کی خوشنودی کے لیے آمادہ جہاد ہو جاتے ہیں کافروں کو قتل کرتے ہیں اور جنگ سے نکلے نہیں  
موڑتے حتیٰ کہ خود بھی شہید ہو جاتے ہیں۔ لفظ جہاد عام ہے جس میں ہر قسم کا جہاد داخل ہے دلائل  
توحید کو بیان کر کے مشرکین کو قبول اسلام کی طرف مائل کرنا بہترین جہاد ہے وعداً علیہ فی التودۃ  
والانجیل والقرآن سے یہ بیان ہوا ہے کہ ایسے مومنین کے لیے جسکا ذکر اور پڑھا ہے جنت کا  
میسر ہونا تورات۔ انجیل اور قرآن سے ثابت ہے ان مقدس کتابوں میں خداے تعالیٰ عطا  
جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔ یا یہ کہ جہاد کا حکم تمام شریعتوں میں موجود ہے اور پھر ارشاد ہوا ومن اوفی  
بعہدہ من اللہ خداے بہتر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے کیونکہ عہد کا توڑنا مکرو و کید  
میں داخل ہے جس سے خدا منزہ ہے اور پھر ارشاد ہوا کہ ذلک الفوز العظیم خدا کے احکام کی  
تعیل اگر خلوص کے ساتھ ہو تو اسکا نتیجہ دخول جنت ہے حقیقت میں یہ بڑی کامیابی ہے اگر اس

تشریف فرما ہوتے تھے تو بجز منافقین اور معذوریں کے سب آپ کے ساتھ ہو جایا کرتے تھے مگر غزوہ تبوک میں کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ اور وہ عتاب الہی میں آگئے تو پھر یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب کبھی جہاد میں جاکے ضرورت پیش آتی تو سب کے سب چلے جانے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ جاتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ چند لوگ جہاد میں جایا کریں اور چند آنحضرت کے پاس رہ کر مسائل دینیہ وحی نازل شدہ سیکھا کریں جب جہاد والے واپس ہوں تو یہ لوگ انکو تعلیم دیا کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب طح جہاد فرض ہوا طح مسائل دین کا سیکھنا بھی اس آیت سے فرض ہوا۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں کو مدینہ آنے کی ضرورت ہوتی تھی وقت احدین لوگوں کا آنا و شوار تھا اسلئے حکم ہوا کہ ایک گروہ جا کر تعلیم پائیں۔ اور بقیہ لوگوں کو اگر تعلیم دین۔ علم دین کے حاصل کرنے کا قوی مقصد یہی ہے کہ علم دین کی اشاعت کی جائے اور نا واقف لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر علم دین کا حصول محض دنیا طلبی کے لیے ہوا تو پھر اس آیت کے مصداق بناتے ہیں اللہ دین ضلّ سَعِیْہُمْ فِی الْحَیْوۃِ الدُّنْیَا وَہُمْ یَحْشَوْنَ اَنْہُمْ یَحْشَوْنَ صِنَعِ الْغُرُضِ قومی تعلیم میں سعی و کوشش کرنا بھی تہذیب اخلاق کا جزو اعظم ہے۔

قوله تعالى لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَیْہِ مَا عَمِلْتُمْ خَفِیٌّ عَلَیْہِ الْغُیُوبُ رُؤُوفٌ رَّحِیْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاَقْلَحْ حَسْبِیْ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ترجمہ (لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر

لے (ان تو یہ) وہ لوگ (ہیں) جنکی دنیاوی زندگی کی کوشش (سب گئی) گزری ہوئی اور وہ اپنی غلط فہمی سے)

اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ۱۲

(۲) العابدون الساجدون کی عبادت کرتے ہیں۔

(۳) المحامدون ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں یعنی جو کچھ اُس نے غایت کیا ہر اُس سے خوش ہیں۔

(۴) السائحون خدا کی راہ میں سفر کرتے ہیں طلب علم کے لیے یا جہاد کے لیے۔

(۵-۶) الراکعون الساجدون رکوع اور سجدہ کرنیوالے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔

(۷) الامرون بالمعروف ایچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں۔

(۸) والناہون عن المنکر بُری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

(۹) والمحافظون لحدود الله احکام الہی کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اور آیت کی تئیم بشر المؤمنین کے ساتھ ہوئی ہے۔ یعنی اسلامی اخلاق کے یہ نو ارکان ہیں اگر انکی پوری پوری پابندی ہو جائے تو پھر کیا ہر نفس کی تہذیب درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔

قوله تعالى وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا

فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ترجمہ اور (یہ بھی) مناسب

انہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں) نکل کھڑے ہوں (اور دینے میں آٹھسین)

ایسا کیوں نہ کیا کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے کچھ لوگ (اپنے گھروں سے) نکلے ہوتے کہ وہ

انکی سمجھ پیدا کرتے اور جب (سیکھ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو ان کو دنا فرمانی خدائے دہا سے ڈرتے

شاید وہ لوگ بھی بُرے کاموں سے بچیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں

فان توتلوا اسی محمد اگر باوجود ایسے رحم و کرم کے بھی مشرکین تمہاری باتوں کو نہ مانیں تو کہہ دو کہ  
حسبی اللہ الخ خدائے تعالیٰ کی عنایت کافی ہے اس پر میرا بھروسہ ہے وہ ایسا پروردگار ہے کہ  
کہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

غرض کہ جس طرح تخلیق و اخلاق اللہ کا حکم ہے اسی طرح اخلاق محمدی سے مستفیض ہونے کی  
تعلیم ہوئی ہے خلق محمدی یہی ہے کہ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں اور ہر ایک کی  
بہتری کے آرزو مند رہیں۔

قوله تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوْا  
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آٰتِنَا غَافِلُوْنَ اُولٰٓئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ  
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهُمْ رَبُّهُمْ بِآٰمَاتِهِمْ خَجَرٍ مِّنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ  
فِيْ جَنَّٰتٍ النَّعِيْمِ دَعُوْهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّاتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ  
اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ترجمہ جن لوگوں کو (مے پیچھے) ہم سے ملنے کا کھنکھایا  
نہیں اور وہ دنیا کی زندگی سے خوش رہیں اور اس کی وجہ سے ان کی خاطر جمع ہے۔ اور جو لوگ ہماری  
(قدرت کی) نشانیوں سے غافل ہیں یہی لوگ ہیں جن کی کمر تو ت کا بدلہ یہ ہوگا کہ ان کا (آخری)  
ٹھکانا دوزخ ہے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل (بھی) نیک کیے۔ ان کے ایمان کی برکت  
سے ان کو ان کا پروردگار درجات کا) رستہ دکھائے گا۔ کہ (مے پیچھے) آسائش کے باغوں  
میں (رہیں گے اور) ان کے تلے نہرین پڑی رہی ہوں گی۔ ان (باغوں) میں (داخل ہوتے ہی)  
پکارا اٹھیں گے کہ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ (یعنی بار خدا یا تیری ذات پاک ہے) اور ان (باغوں) میں

شاق گذرتی ہے (اور) ان کو تمھاری بہبود کا ہنؤ کا ہے (اور) مسلمانوں پر نہایت درجے شفیق (اور) مہربان ہیں۔ اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں تو (مے پیغمبران سے صاف) کہہ دو کہ مجھ کو خدا بس کرتا ہے انکی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں میں انھی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اس کا بھی وہی مالک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے نازک زمانے میں ہوئی تھی کہ مے زمین پر کفر و بدکاری کی گھٹا چھائی ہوئی تھی طبعی و کئی سختی اور نفاق حد درجہ بڑھ گیا تھا۔ باوجود معجزات دیکھنے کے لوگ آپ کی نبوت اور وحی میں شک کرتے تھے ایسے سورہ توبہ کے خاتمہ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ شکوں اُل ہو جائیں۔

(۱) لقد جاءكم رسول من انفسكم یعنی تمھیں میں کا رسول تمھارے پاس بھیجا گیا ہے۔ جس کے سچے حالات و امانت داری کو ابتدائے عمر سے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ کوئی غیر نہیں کہ جس سے واقف نہوں۔ اگر تمھارے رسول جنس ملائکہ سے ہوتے تو البتہ تم کو ان کے حالات کے معلوم کرنے میں وقت پیش آتی۔

(۲) عزیز علیہ ما عنتم یہ رسول تمھارے دلی دردمند اور ہی خواہ ہیں۔

(۳) حریص علیکم حد سے زیادہ تمھاری بہتری کے خواہشمند ہیں۔ انکی دلی تمنا یہ ہے کہ دنیا اور دین کی خوبیاں تمھیں مل جائیں۔

(۴) بال مؤمنین رؤوف رحیم۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت نرمی اور

مہربانی سے پیش آتے ہیں۔



آخر کار دوزخ میں جگہ پائیں گے۔

ساتھ ہی اہل سعادت کے چند اوصاف یوں ذکر ہوئے ہیں۔

(۱-۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّ اَلسَّامٰنَ لَیَّسَ لَہُمْ فِیْہِٗٓ اٰیٰتٌ مِّنْ دٰلِیٰتٍ ہِیَۃٌ

ایک نظری اور دوسری عملی۔ قوت نظری کی تکمیل ایمان سے ہوتی ہے اور قوت عملی کی تکمیل نیک اعمال سے توجہ لوگ ایمان بھی لائے اور نیک عمل بھی کیے تو گویا انھوں نے سعادت کا پورا سامان جمع کر لیا۔ یہی لوگ ہریت سے بہرہ مند ہوں گے یٰھٰدِیْھُمْ رَبِّھُمْ اِیْمَانُھُمْ

(۳) تَجْرِیْ مِّنْ تَحْتِہُمْ اَلْاَنْھٰرُ فِیْ جَنَّٰتٍ لِّلنَّعِیْمِ اِیْسَۃٌ نِّیْکٍ اَوْ رَیْمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ اٰخِرَتٌ

میں ایسے خوش فزا باغوں میں رہا کریں گے جنکے نیچے معارف و اعمال صالحہ کی نہریں جاری ہیں گی

(۴) دَعُوْہُمْ فِیْہَا سُبْحٰنَکَ اللّٰہُمَّ وَرَجَبٌ لِّہُمْ اٰیٰتٌ مِّنْ دٰلِیٰتٍ ہِیَۃٌ

و طیفہ جاری ہوگا کہ سبحان اللہ یعنی بار خدا یا تیری ذات پاک ہے۔

(۵) تَحِیَّتِہُمْ فِیْہَا سَلَامٌ اَوْ رَوْقٌ مِّنْ اَنْۢبَاطٍ اَوْ اَنْۢبَاطٌ مِّنْ اَنْۢبَاطٍ اَوْ اَنْۢبَاطٌ مِّنْ اَنْۢبَاطٍ اَوْ اَنْۢبَاطٌ مِّنْ اَنْۢبَاطٍ

(۶) اٰخِرُ دَعْوٰہُمْ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوْ رَجَبٌ لِّہُمْ اٰیٰتٌ مِّنْ دٰلِیٰتٍ ہِیَۃٌ

سے بیٹھ لین گے تو انکا آخری و طیفہ الحمد للہ رب العالمین ہوگا۔

اس مختصر بیان سے نفس کو راہ راست پر لانے کے لیے سعادت و شقاوت کی کیفیت

جس خوبی کے ساتھ بیان ہوئی ہے وہ مزید صراحت کی محتاج نہیں ہے۔

قَوْلُ تَعَالٰی ہُوَ الَّذِیْ یُسَبِّحُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلَکِ جَزِیْنَ بِہُمْ بِحِجْرِ طَیِّبَةٍ

۱۲ راہ نیک بتلاتا ہے اور کمپور و درکاران کے ایمان کی وجہ سے ۱۲

ان کی (باہمی) دعاے خیر سلام (علیک) ہوگی اور (جب جنت میں اطمینان سے بیٹھ لیں گے تو انکی آخر بات ہوگی الحمد للہ رب العالمین) یعنی ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو نثار اور ہر جو دوزنوں جہان کا پروردگار ہے۔

یہ چند آیات سورہ یونس کے ہیں جسکا نزول ہجرت سے پیشتر مکہ میں ہوا ہے۔ جبکہ تمام عرب بلکہ تمام دنیا میں گمراہی اور بدکاری پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف بت پرستی اور اوہام باطلہ کا زور تھا بعض دھرم تھے کہ خدا کے وجود کے ہی قائل نہ تھے۔ بعض خدا کے تو قائل تھے مگر حشر اجساد اور سلسلہ نبوت کے منکر تھے اسوقت بھی ان فرقوں کا وجود دنیا میں باقی ہے۔ غرض کہ ان آیات میں انھیں لوگوں کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) ان الذین لا یرجون لقاءنا بعض تو دنیا کی فانی لذتوں میں ایسے منہمک ہیں

کہ ان کے دل میں خدا سے ملنے کا خیال ہی نہیں۔

(۲) دضوا بالحویۃ الدنیا شب و روز دنیا ہی کے حاصل کرنے میں سرگردان ہیں

لذا یدجسبانہ پر غمش ہیں سعادت روحانیہ اور معارف بانیہ کے حصول کا شوق انکے دلیں نہیں ہے

(۳) اطمأنوا ہما انکو حیات دنیا پر پورا بھروسہ و اطمینان ہے برخلاف اہل سعادت کے

کہ جنگ و ذکر الہی سے تسلی ہوتی ہے۔

(۴) والذین ہم عن آیاتنا غافلون۔ وہ خدا کی قدرت کی نشانیوں سے غافل

ہیں۔ یہاں تک کہ موت کے نام سے بھی گھبراتے ہیں۔

اولئک ما وہم بالدار بما کانوا یکسبون ایسے لوگ اپنے افعال کی سزا میں

آخر کار تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو (اسوقت) جو کچھ بھی تم (دنیا میں) کرتے رہے تم کو (اس کا) جزا بھلا، بتا دیں گے۔ دنیا کی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برساتا پھر زمین کی روئیدگی جسکو آدمی اور چار پائے کھاتے ہیں پانی کے ساتھ مل گئی۔ (اس طرح پر) کہ پانی کو جذب کر لیا اور وہ پھلے پھولے، یہاں تک کہ جب زمین نے (فصل سے) اپنا سنگھار کر لیا اور خوشنما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ وہ اُس پر قابو پا گئے (ناگاہ) رات کے وقت یا دن کے وقت ہمارا حکم (یعنی عذاب) اس پر نازل ہوا پھر ہم نے اس کا ایسا ستر اوکریا کہ گویا کل (کھیت میں) اس کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ جو لوگ (بات کو) سوچتے سمجھتے ہیں ان (کی ہدایت) کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) دلیلین اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ اور اللہ (لوگوں کو) سلامتی کے گھر (یعنی بہشت) کی طرف بلاتا ہے۔ اور جسکو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف پہنچائی کر دیتا ہے۔ جن لوگوں نے (دنیا میں) بھلائی کی ان کے لیے (آخرت میں بھی) ویسی ہی بھلائی ہے اور کچھ بڑھکر بھی۔ اور (گنہگاروں کی طرح) اس کے مونہوں پر نہ ٹلونس چھائی ہوگی اور نہ قلت یہی ہیں جنتی کہ وہ جنت میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔

ان آیات کے ماقبل یہ ارشاد ہوا ہے کہ **وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَسْمَعُونَ دَعْوَةَ مَنْ بَعْدَ خُرُوءِ الْمُتَكِبِّ** اِیَاتِنَا یعنی جب لوگوں کو تکلیف پہونچنے کے بعد ہم اپنی مہربانی کا ذائقہ چکھائے تے ہیں تو بس ہماری آیتوں کی مخالفت میں کارسازیاں کر سکتے ہیں اسکی مثال یوں بیان ہوئی ہے **هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلَکِ وَجَرْتُمْ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَفَرِحْتُمْ بِهَا** واقعی جب کوئی انسان کشتی میں سوار ہوتا ہے۔ اور

وَفَرِحُوا بِهَاجَتِهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْوُحُوشُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ  
دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - لَئِنْ أَجَبْتُنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ  
إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ - يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَعَثْنَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
ثُمَّ لِيُنْزِلَنَّكُمْ فَتَبْتَغُوا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ  
فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا  
وَزِدَّتْ وَظَنَ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا - أَتَاهَا أَمْرٌ نَالٍ وَأَنفَعُ لَهَا فَجَعَلْنَاهَا  
حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنِ بِالْأَمْسِ - كَذَلِكَ نَقُصُّ الْأَيَّاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ - وَاللَّهُ  
يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى  
وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْكُفُ وَجُوهُهُمْ قَبْرٌ وَلَا دَلَّةٌ - أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

ترجمہ وہی (خدا تو) ہر جو تم کو خشکی اور تری میں لیے لیے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات تم  
کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ سواران کشتی کو بادموافق کی مدد سے لیکر چلتی ہیں اور وہ لوگ  
ان کی رفتار سے خوش ہوتے ہیں (ناگاہ) کشتی کو ہوا کا جھونکا آگتا ہے اور لہریں (ہیں کہ) ہر طرف  
سے اُن پر (چڑھتی چلی) آرہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (جسے) آگھرے تو بس خالص خدا ہی کو مان  
اُس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں کہ (بارخدا یا) اگر (اپنے فضل سے) تو ہم کو اس مصیبت سے  
بچانے تو ہم ضرور (تیرے بٹے ہی شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب وہ انکو (اس بلا سے) نجات  
دیدیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی تمہاری ہی  
جان کا وبال ہے۔ (یہ بھی) دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے، (ہیں سو خیر انکے مزے اٹالو)

اقام مثل الحیوة الدنیا کما انزلناہ من السماء دنیا کی زندگی کی مثال تو پانی کی سی ہے جو آسمان سے خد نے برسایا ہے فاختلط به نبات الارض مما یاکل الناس والا نعام یعنی پانی جب زمین میں پیوست ہوتا ہے تو اس امتزاج سے نباتات پیدا ہوتے ہیں جن کو انسان اور بہائم کھاتے ہیں نباتات کی روئیدگی انسانی توالد سے مشابہ ہے جس طرح رنگ برگ اور قسم قسم کے نباتات چند روز لہلہلاتے اور بہا پر آتے ہیں اسی طرح انسان بھی جوانی اور بالیدگی کے ایام میں خوش و خرم رہتا ہے۔ پھر جس طرح اُس چند روزہ بہار کے بعد اُس روئیدگی پر خزان کے آثار نمودار ہوتے ہیں اسی طرح انسان پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں عیش و زندگی اور اسباب کامرانی کا کہیں تپا بھی نہیں ملتا۔ ایسی بے ثبات زندگی پر کشری اور نافرمانی زیبا نہیں ہے حتیٰ اذا اخذت الارض زخرفها سے یتفکرون تک اسی مثال کو بیان فرمایا کیا ہے واللہ یدعوالی دار السلام و یدعی من یشاء الی صراط مستقیم جب مثال بالا کو بیان کر کے غافلین کو لذات و نیروی میں منہمک ہونے سے نفرت دلائی گئی تو ساتھ ہی سعادت اخروی کی رغبت دلائی گئی۔ چنانچہ حدیث میں اس ضمن میں اس طرح بیان کیا گیا۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام مثلی ومثلکم تشید بنی دارا و وضع صائدة وارسل اعیاف من اجاب الداعی خل الدار و اکل من المائدة و رضی عنه السید و من لم یجب لم یدخل ولم یاکل ولم یرض عنه السید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ نے ایک مکان بنایا۔ اور اُس میں نعمتوں کا دسترخوان بچھا دیا۔ اور ایک سول کو دعوت دینے کے لیے بھیجا یا

وہ کشتی ہولے موافق کی مدد سے اس کو لیکر منزل مقصود کی طرف چلتی ہو تو اس کی طبیعت  
 میں عجب فرحت اور سرست پیدا ہوتی ہو لیکن جاء تھار یح عاصف و جاء هم للوجہ من کل  
 مکان جب دفعۂ کشتی کو باد مخالف کا ایک جھوٹا آگلتا ہو کہ پانی کی لہریں ہر طرف سے  
 چلی آتی ہیں تو وہ سمجھتا ہو کہ اب تو میری طرح پھنسے دعوا اللہ مخلصین لہ الدین اس وقت  
 خوف ہلاکت سے خدا ہی کو مان کر دعا مانگی جاتی ہو کہ اے اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت  
 سے نجات دے۔ کیونکہ جب انسان کی امید بالکل منقطع ہو جاتی ہو تو اس کی نظر خدا ہی کی طرف  
 ہو جاتی ہو اور وہ خشیت قلب کے ساتھ پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہو اور کہنے لگتا ہو  
 لئن انجیتنا من ہذا لنكونن من الشاکرین اگر تو ہکو اس آفت سے بچا دیکتا تو ہم  
 ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے فلما انجاہم اذا هم یبغون فی الارض بغیر الحق پھر  
 جب خدا اس بلا سے نجات عنایت فرماتا ہو تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق کی کشری کرنے لگتے  
 ہیں اور حضرت قوسی سے خلاصی نصیب ہوتے ہی فی الفور بلاؤں میں پڑ جاتے ہیں اور اخلاق  
 باطلہ اور اخلاق ذمیہ اختیار کر لیتے ہیں یعنی احکام الہی کی مخالفت میں کارستانی شروع  
 ہو جاتی ہیں۔ اس غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ارشاد ہوا ہو کہ یا ایہا الناس انما یغیکم  
 علی انفسکم متاع الحیوة الدنیا یعنی اس طرح جلد خدا کی ہربانیوں کو بھول کر کشری میں  
 مبتلا ہو جانا تمہارے ہی لیے وبال جان ہو اور یہ سب کچھ دنیا کی چند روزہ لذتوں کے لیے  
 کیا جاتا ہو جو حقیقت میں ناپائدار ہو تم الدینا مرجعکم فیتبککم بعد انکم تعملون پھر آخر کار خدا ہی  
 کے پاس لوٹ کر جانا ہو گا تب وہ تمکو تمہارے کاموں کی بُرائی صاف طور پر دکھلا دے گا

(۳) اگر کسی نے عمر بھی پائی اور مال و دولت و دنیوی سے خط بھی حاصل کیا لیکن ممکن ہو کہ اس خط میں مضر توں کا بھی شمول ہو تو ایسی حالت میں منافع دنیوی آقا سے خالی نہیں ہو سکتے۔  
برخلاف سعادت آخرت کے کہ وہ ہر طرح کے ہمووم و غمووم سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

(۴) یا کسی نے منافع دنیوی کو اپنے کسب ریاضت سے یا بخت و اتفاق سے اس طرح حاصل کیا کہ اس میں غم و ہم کا شائبہ نہ تھا ہم وہ دائمی نہیں ہیں برخلاف سعادت عقبی کے کہ وہ لازوال ہے ہر حال خدا کی ہدایت پر کار بند ہو کر راہ مستقیم کا اختیار کرنا اسکی مشیت و ارادے پر موقوف ہے گو ہدایت کی تبلیغ انبیاء علیہم السلام نے کی ہے اور کتب آسمانی اس سے مملو ہیں۔  
این سعادت بزر و بارز نیست تانہ بخش خداے بخشندہ

اور پھر ارشاد ہوا للذین احسنوا الحسنی و زیادة ولا یرھق وجوهہم حدتہ و لا ذلہ اولئک اصحاب الجنة ہم فیہا خالدون یعنی جب اسلام کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت ہوئی تو اس کے حصول کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے کہ نیک کام اختیار کریں نیک کام کرنے والوں کو بدل ملتا ہے بلکہ کچھ زائد بھی دیا جاتا ہے یعنی جنت میں دیدار آسمی کا بھی شرف حاصل ہو گا نیکو کار ہمیشہ جنت میں سرخرو رہیں گے کوئی رسوائی کا داغ ان کے چہرہ پر نہ پڑے نہ ہوگا۔ بہر کیف دنیا میں انسان کو چند روزہ حیات میں نیک کام کرنے کی رغبت دلانی گئی ہے کہ نفس کے راہ راست پر لانے کا یہی کارآمد طریقہ ہے کہ ہمیشہ اچھے اور مفید کاموں کا عادی رہے۔

قوله تعالى الا ان الله ما في السموات والارض الا ان وعد الله حق ولا كنتم  
الاناس لا تعلمون هو محيي ويميت واليه ترجعون يا ايها الناس قد جاءكم

جس نے اس رسول کی دعوت قبول کی اور اُس مکان میں آیا۔ اور اُن نعمتوں کو کھلایا۔ تو مالک مکان اُس سے خوش ہو گیا۔ جس نے اس رسول کی دعوت سے انکار کیا۔ نہ اُس مکان میں درایا۔ اور نہ نعمتوں سے مستفید ہوا تو ضرور صاحب مکان اس سے ناخوش ہو گا جنت کو کئی وجوہ سے دارالسلام کہتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا نام سلام ہے۔ اور جنت اُسی کا بنایا ہوا گھر ہے اس لیے جنت کو دارالسلام کہتے ہیں۔

(۲) بعضوں نے سلام کو جمع سلامت استعمال کیا ہے اس صورت میں دارالسلام کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہو گیا وہ تمام آفتوں سے بچ گیا نہ وہاں موت کا کھٹکا ہے نہ درد و سنا کا اندیشہ نہ نزغات شیطانی ہیں نہ کفر و بعت اور کد و تعب کا احتمال۔ آخرت کو جہانِ جنت ہے دنیا پر چار وجہ سے فضیلت ہے۔

(۱) یہ کبھی انسان دنیا سے بوجہ قلتِ عمر وغیرہ مستفید نہیں ہوتا مگر موت کے بعد آخرت کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے کہ وہ دوامی مکان ہے اس لیے نسبتِ دنیا کے وہاں کی بہتری کا ہر وقت خیال ہونا چاہیے۔

(۲) بالفرض انسان چند سے دنیا میں رہا اور وہاں کے مال و دولت کو جمع بھی کیا مگر ممکن ہے کہ وہ مال تلف ہو جائے یا بوجہ بیماری کے اُس مال و دولت سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے برخلاف آخرت کے کہ جو کچھ وہاں کے لیے جمع کیا جاتا ہے اُس سے ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔



اور اُسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے جس نے پہلے تم کو پیدا کیا اور پھر اُسکے حکم سے تمہاری موت آگئی اور تم مر گئے تو کیا وہ پھر آخرت میں پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا انھیں باتوں کے نہ سمجھنے اور انکار کرنے سے کفار عذاب الہی سے بچ نہیں سکتے جب آخر کار خداے تعالیٰ کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو وہاں ان بد اعتقاد یوں کا مزہ ضرور چکھنا ہو گا اسیلئے خداے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ ان غافلوں کو جہالت کی نیند سے بیدار کر دین انسان کی تین قسم ہیں ایک ناقص یعنی عوام الناس دوسرے کاملین مگر انکے بھی دو درجہ ہیں ایک تو وہ جو خوش اعتقادی اور عمل صالح سے بہرہ مند ہیں لیکن ناقصین کو درجہ کمال پر نہیں پہنچا سکتے یہی گروہ اولیا ہیں اور جو ناقصین کو کامل بنا سکتے ہیں وہی گروہ انبیاء ہیں قوت نبوت میں بھی انبیاء کے مراتب مختلف ہیں اسی بات کی طرف رسول مقبولؐ نے اشارہ فرمایا ہے علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل اسکے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ عام طور پر سنا دی کر دین یا ایہا الناس قَدْ جَاءَ تَلْکُمْ مَوْعِظَتٌ مِّن رَّبِّکُمْ وَشَفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لَوْ کُفُوا اَتَمَامِ حُجَّتِکُمْ طُورِ پَرِخِدا کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آجکی جو امراض قلبی کی دوا ہے اور ایمان الون کے لیے ہدایت اور رحمت ہے یعنی خداے تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید بھیجا ہے جسکے چار وصف ہیں۔

(۱) ایک تو وہ معظمت حسنہ منجانب اللہ ہے کیونکہ جب روح کا تعلق جسم سے ہوا تو وہ توسط حواس سے مشتمیات عالم میں بھنس گئی۔ اس تعلق سے عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ کے امراض نے روح کو گھیر لیا ان امراض سے صحت حاصل ہونے کے لیے ایک

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ رَبِّكُمْ وَتَقَاءُ لِّمَا فِي صُدُورِهِمْ وَرُوْهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ  
وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ترجمہ یاد رکھو اللہ ہی کا ہے جو کچھ  
آسمان وزمین میں ہے (اور) یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے مگر اکثر لوگ یقین نہیں کرتے وہی جلاتا  
اور مارتا ہے اور اُسی کی طرف تم (سب) کو لوٹ جانا ہی لوگو! (اتمام محبت کے طور پر) تمہارے پروردگار  
کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آپکی اور امراض قلبی (یعنے شرک وغیرہ) کی دوا اور ایمان انون  
کے لیے ہدایت اور رحمت (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ (یہ قرآن اللہ کا فضل اور اُسی رحمت  
ہے اور) لوگوں کو چاہیے کہ خدا کا فضل اور اُسی رحمت (یعنے اس قرآن کو) پاکر خوش ہوں کہ  
جن (دنیاوی فائدوں) کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہین اس سے کہیں بہتر ہے۔

قرآن مجید میں ان آیات کے قبل ظالمون کا یون ذکر ہوا ہے کہ ظالم مواخذہ ظلم سے  
بچنے کے لیے جو کچھ زمین پر ہے اگر اسکی ملک تو دیدینے میں دریغ نہ کریگا۔ اسلئے یہاں بیان  
ہوا ہے کہ کل اشیا تو خدا کی ملک ہین ظالم کو زمین تصرف کا کیا حق ہے الا ان اللہ ما فی السموات  
والارض جو کچھ آسمان وزمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے وہی قادر مطلق ہے اسلئے حکم سے سربانی  
کرنے والے دنیا و آخرت میں اُسکے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اُسکی اطاعت میں سرگرم  
رہنے والے دونوں جہان میں سرفراز رہیں گے الا ان وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا اور یاد رکھو کہ اللہ کا  
وعدہ حق ہے مگر اکثر بے دین دنیوی جاہ و شہرت میں اس قدر مجوہین کہ وہ ان امور کا خیال تک  
نہیں کرتے وکن اکثر ہملا یعلمون کیونکہ وہ اُسکا یقین نہیں کرتے۔ انکی غفلت انکی باتوں کو  
سمجھنے نہیں دیتی پھر تاکیداً ارشاد ہوا کہ ہو یحیی و مییت والیہ ترجعون وہی جلاتا اور مارتا ہے

یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مفہوم آیت **وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْیَّہِ یَرْجِعُ الْاَمْرُ** کُلُّہٗ فاعبده و توکل علیہ و ہمارے بغافل عما تعملون میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہی جہ ہدایت کا ہے۔ (۴) **وَرَحْمَةُ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ** جب نفس مدایح روحانی پر پہنچ جاتا ہے اور منبع ہدایت بجاتا ہے تو ایسے نفس قدسی کے انوائسے ناقصین بھی فیضیاب ہوتے ہیں جیسے جو ہر شمس سے اجرام عالم منور ہو جاتے ہیں اور یہ درجہ رحمت کا ہے اور لفظ رحمت کو مومنین کے ساتھ اسوجہ مختص کیا گیا ہے کہ ہدایت انبیاء علیہم السلام سے وہی لوگ زیادہ بہرہ مند ہوتے ہیں جن کے قلوب میں نور ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ ہو یہ نور نسبتہ مومنین میں زیادہ ہوتا ہے یا یوں سمجھو کہ قرآن مجید کا مغشٹ ہونا بمیزانہ شریعت کے ہے اور شفا ڈیجائے طریقت کے ہے یہی حقیقت ہے اور رحمتہ درجہ نبوت ہے چونکہ قرآن مجید ایک نعمت عظمیٰ ہے اسکی قدر و منزلت کو نگاہ رکھنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ **قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنِّیْ اَنْزَلْتُہٗ فِیْہِ الذِّکْرَ فَذٰلِکَ فَلَیْفَہٗ حَوَالِیْ مُحَمَّدٌ تَامُ لُوْکُوْنٌ سَے کمد و کہ** یہ قرآن اسد کا فضل اور اسکی رحمت ہے لوگوں کو جیسا ہے کہ اسکے فضل اور رحمت (قرآن مجید) کو پا کر خوش ہوں یہ بات یاد ہے کہ نعمت کو صرف نعمت سمجھ کر خوش ہونا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ نعمت کو منجانب اسد ہونا خیال کر کے اولے شکر کرنا کمال سعادت ہے صدیقین کا قول ہے **مِنْ فَرَحٍ بَعَثَہُ اللّٰہُ مِنْ صِیْفِ اَہْلَ اٰلِکَ النَّعْمَۃِ فَہُوَ مِثْلُکَ** قرآن مجید کو فضل و رحمت الہی جان کر اس سے منتفع ہونا عقل و فہم کا کام ہے دنیا کے مال و متاع اور لذات میں منہمک ہونا نفس کا اقتضا ہے اور آسمان زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں انکا علم اسد ہی کو ہے اور ہر ایک کام کا دار و مدار آخر کار اسی پر جا کر ٹھہرتا ہے اور تو ایسے پیغمبر اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں ۱۲

۱۳ جو شخص خدا کی نعمت سے غفلت کرے وہ خدا کی نعمت سے محروم ہوگا ۱۴

طیب حاذق کی ضرورت تھی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود با جوہر اور پھر اُس طبیب کو معالجہ قلوب کے لیے ادویہ مفیدہ کے استعمال کرنے کی ضرورت تھی تو قرآن مجید ان ادویہ کا مجموعہ لیکن جب کوئی حکیم کسی بیمار کا علاج کرتا ہے تو وہ کچھ پرہیز بھی بتلاتا ہے یعنی یہ کہ مریض کو ان اسباب سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو موجبات مرض ہیں اور اشیاء نامالام کے استعمال سے منع کرتا ہے یہی درجہ موعظت حسنہ کا ہے جس سے روحی امراض کی اصلاح ہوتی ہے۔

(۲) دوسری صفت قرآن مجید کی شفاء ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اولیاء ہدایت کرتے ہیں کہ لوگ ممنوعات سے محترز رہیں اور اپنی ظاہری حالت درست رکھیں اسکے بعد بطون کے پاکی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں تاکہ اخلاق ذمیمہ کا ازالہ ہو جائے اور اخلاق حمیدہ حاصل کریں جب قلب کی صفائی اس طرح کر لیتے ہیں تو پھر اس میں عالم ملکوت کے مطالع کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) ہدیٰ جہل خلاق فاسدہ سے نفس کی صفائی ہوتی ہے تو عالم قدس کی روشنی کا پرتو اُس پر پڑتا ہے اور اسی روشنی کو ہدایت کہتے ہیں ہدایت کے مارج میں مرتبہ اولین ہدایت میں نفس کی کیفیت اس آیت کی مصداق ہوتی ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ** اور درجہ اوسط میں **خَفَرٌ** والی اللہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے درجہ آخر میں **قُلِ اللَّهُ تَوَدُّهُمْ** فی خوضہم یلعبون کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جب ان تینوں مراتب کی تکمیل ہو گئی تو نفس کی **لہ** اور جس روح کو خدا کی طرف سے اطمینان و تسلی ہو اُس سے کہا جائے گا کہ اے روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل **۱۲**

**لہ** تو راے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ اسہی کی طرف بھاگو **۱۲**

اسکے دیکھنے سے مطیعین کے قلوب میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور فاسقین کے دل ٹوٹ جاتے ہیں آیات زیر بیان میں محبین صائقین کا ذکر یوں فرمایا ہے **لَعَلَّ الْاٰثَافَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کہ اللہ کے دوستوں پر قیامت میں کچھ خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ولی۔ مقرب بارگاہ قدس کو کہتے ہیں جس کا دل نور معرفت سے منور ہو جاتا ہے اور جسکی نظر دلائل قدرت کے نظارہ میں منہمک رہتی ہے غرض کہ اسکی ہر حرکت اور اسکا ہر خیال بجز اطاعت الہی کے اور کچھ نہیں ہوتا وہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اور اسکی محبت میں مستغرق رہتا ہے تو اسد جل شانہ بھی ایسوں کو دوست رکھتا ہے کیونکہ کشش قرب کا مقتضا جانہیں سے ہوتا ہے اولیاء اللہ آخرت کے خوف و ملال سے پاک ہیں مگر دنیا میں وہ بھی خوف و خشیت سے بری نہیں ہیں کیونکہ دنیا مقام خوف و حزن ہے جو چیز جس کام کے لیے بنائی گئی ہے وہ اپنا ظہور چاہتی ہے بیکار نہیں رہتی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے **الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر** یا یوں سمجھو کہ اگرچہ بوجہ بے تعلقی کے اولیاء اللہ پر بظاہر مکر و ہات دنیا کا کچھ اثر نہیں ہوتا لیکن وہ خوف آخرت سے بے فکر نہیں ہوتے بلکہ عقبی کا ڈر انکے دلیں بہت زیادہ ہوتا ہے جسکی بہترین جزا انکو عقبی میں ملتی ہے کمال مرتبہ ولایت ہی ہے کہ ماسوی اللہ کا خیال دل سے محو ہو جائے اسکا لطف انھیں کو چاہل ہے جو اس مزے کو کچھ چکے ہیں بہر کیف اولیاء اللہ کی تعریف خداے تعالیٰ خود یوں فرماتا ہے **الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ** جو لوگ ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے وہی اولیاء اللہ ہیں **لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ** انکو دنیا کی زندگی میں بھی وقت وفات جنت کی

ہو خیر صابجھون سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس حال خدے تعالیٰ کو فاد مطلق سمجھنا اور اُسکے وعدوں کو حق جانتا اور احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونا تہذیب اخلاق کے اصولِ مسلمہ ہیں۔

صفتِ لطفِ عزتِ قرآن	مہست بحر محیط عالم جان
قرا و پڑ ز در و پڑ ز گھر	ساحلش پر زعود و از عنبر
زوست از بہر باطن و ظاہر	منشعب علم اول و آخر
پاک شوتا معانے مکنون	آید از پنجرہ حروف برون

**قوله تعالیٰ** اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلُ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ لَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ترجمہ یاد رکھو خاصاً خدا (ایسے امن میں ہیں) کہ قیامت کے دن اُن پر نہ (کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ کسی طرح پر آزر دہ خاطر ہوں گے۔ (وہ) ہیں جو ایمان لائے اور (خدائے) ڈرتے رہے اُنکے لیے دنیا کی زندگی میں بھی (عاقبت کی) خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی (نجات کی) خدا کی باتوں میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آتا یہی بڑی کامیابی ہے اور (اے پیغمبر) ان (کافروں کی) چٹھیا کی باتوں سے تم آزر دہ خاطر نہ رہا کرو (کیونکہ عزت ساری اسے ہی کی ہے وہ) (سب کی) سنتا (اور سب کچھ جانتا ہے)۔

ان آیتوں کے قبل قرآن مجید میں یہ ذکر ہوا ہے کہ خدے تعالیٰ پر ذرا ذرا اسی بات ظاہر ہے کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین کی نہ آسمان کی اور یہ مضمون اس شان کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ

یَوْحٰیؑ کبیر ترجمہ اگر یہ قرآن ایسی کتاب ہو کہ حکمت والے باخبر (خدا کی طرف) سے اُس کے مضامین (دلائل و براہین سے بخوبی ثابت) مستحکم کر دیے گئے ہین (اور) پھر (مضامین) خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہین (اور) انکا خلاصہ یہ ہو کہ (لوگو!) خدا کے سوا کسی کی عبادت ن کرو میں اُسکی طرف سے تمکو (اُسکے عذاب سے) ڈراتا ہوں اور (اُسکی خوشنودی کی) خوشخبری سناتا ہوں اور (نیز) یہ کہ اپنے پروردگار سے (پچھلے گناہوں کی) معافی مانگو پھر (اگے کو) اُسکی جناب میں توبہ کرو (ایسا کر کے) تو وہ تم کو ایک وقت مقرر تک (دنیا میں) اچھی طرح رسائے بسائے رکھیگا اور جس نے زیادہ نیکی کی ہو (آخرت میں) اُسکو اُس سے زیادہ نیکی کا ثواب دیگا اور اگر اُس کے ارشاد سے (متنہ موڑو گے تو مجھکو تمھاری نسبت بڑے سخت) دن (یعنی قیامت) کے عذاب کا (بڑا ہی) اندیشہ ہو۔

یہ آیتیں بھی کہ میں اُسی زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ جہالت و بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ ان آیتوں میں قرآن مجید کی ماہیت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا بیان ہو۔ قرآن مجید ایسی کتاب ہو جسکے مضامین دلائل و براہین قاطعہ سے ثابت کیے گئے ہین اَلْکِتَابُ اُحْکَمَتِ آیاتہ سے یہی معنی مراد ہو ثُمَّ قُضِلَتْ مِنْ لَدُنْ حَکِیْمٍ خَیْرِ اِنْ مضامین کو خدا تعالیٰ نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہو وہ تفصیل یہ ہو کہ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کیجائے کیونکہ عبادت اظہار خشوع و خضوع کو کہتے ہین رب الغرہ ہی اسکا مستحق ہو۔ اننی لکم منہ نذیر و بشیر رسول مقبول فرماتے ہین کہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہین اُنکو میں عذاب و دوزخ سے ڈراتا ہوں اور جو لوگ

خوشخبری دیجاتی ہر تَنْزِلُ عَلَیْہِمُ الْمَلَائِکَةُ اَنْ لَا تَخْأَوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَابَشِّرُوا بِالْجَنَّةِ  
 کہ ملائکہ انکے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ خوف نہیں ہر غم نہ کھاؤ تمہیں جنت کی بشارت  
 دیجاتی ہر اور آنحضرت کی خوشخبری یہ ہر دَالْمَلَائِکَةُ یَدْخُلُونَ عَلَیْہُمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ سَلَامٌ  
 عَلَیْکُمْ وَسَلَامُ اللّٰهِ عَلَیْہُمْ کہ ملائکہ اُن کے پاس جنت کے ہر ایک دروازے سے آتے  
 ہیں اور سلام علیک ہوتی ہر لا تبديل لکلمات اللہ خدا کی باتوں میں کچھ بھی فرق نہیں  
 ہونے پاتا جو وعدہ فرماتا ہر وہ ہو کر رہیگا اِنَّ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ بڑی کامیابی تو یہی ہر  
 کہ جو کچھ اسکا وعدہ ہوتا ہو وہ ضروری ہو جاتا ہر وَلَا یُخْزٰیكَ قَوْلُهُنَّ الْحَرَّةُ لِلّٰهِ جَمِیْعًا  
 اگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حکم سے کافروں کی راہ راست پر لانے کے لیے ہدایت فرمایا  
 کرتے تھے مگر انکی کسرشی کی یہ حالت تھی کہ مال و جاہ کے گنہندہ تین قسم قسم کے کلماتِ سول مقبول  
 کی شان میں کہا کرتے تھے تو اسد جل شانہ آپ کی تسلی کے طور پر فرماتا ہر کہ تم انکی باتوں سے  
 آزر دہ خاطر نہ رہا کرو عزت ساری اللہ ہی کی ہر هو السميع العليم وہ سب کی سنتا اور سب کچھ  
 جانتا ہر نیک کام کے کرنے میں بڑی بڑی مسیتین اٹھانی پڑتی ہیں جس سے نفس کی پوری  
 اصلاح ہوتی ہر اسلئے انسان میں سننے کا مادہ بھی ضرور ہر مصلح قوم میں تو سب زیادہ اس  
 عنصر کا ہونا لازمی ہر دیکھو یہ سب مضامین تہذیب نفس کے لیے کس کس پریر میں داخلے ہیں۔  
 قَوْلُهُ تَعَالٰی الْوَكَاۡبُ اُحْكِمْتَ اٰیَتَہٗ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ اَلَا تَعْبُدُوْا  
 اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْہٗ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ وَّ اِنْ اَسْتَغْفِرُوْا لَکُمْ ثُمَّ تَوَبُّوْا اِلَیَّ یَمْسَحْکُمْ  
 مِّنْ عَاصِیَآۃَکُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْ اَخَاوِعُ عَلَیْکُمْ عَذَابًا



اگر خدا کے احکام سے منہ موڑو گے تو قیامت کے عذاب کا بڑا ہی اندیشہ ہے کیونکہ جو لوگ لذات و نیوی کے طلب میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں انکی طبیعت کا میلان انھیں لذتوں کی طرف ہوتا ہے تو بعد الموت بھی انکا رجحان مرغوبات دنیا کی طرف ہوتا ہے جبکا حصول محال ہے اسلئے طبیعت پر عذاب کی مقدار بڑھ جاتی ہے جسکا اندازہ دنیا میں انسان نہیں کر سکتا۔ عقبی میں پوری کیفیت معلوم ہوگی اس سچی ہدایت سے نفس کی اصلاح جیسی کچھ ہو سکتی ہے ظاہر ہے خدا کی عبادت میں مشغول رہنا پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ کے لیے بڑے افعال سے توبہ کرنا تہذیب اخلاق کے عمدہ وسائل ہیں۔

قوله تعالى وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ لَئِنَّهُ لَكُوفُورٌ  
 وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْعُمَّاءَ بَعْدَ صُرَاةٍ مَّسْتَةً لَّيَقُولُنَّ ذَهَبَ الْسَّيِّئَاتُ عَنِّي اِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ  
 اَلَا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيرٌ ترجمہ اور  
 اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی (کی لذت) چکھائیں پھر اس (نعمت) کو اس سے چھین لیں (ہماری  
 شکایت کرنے لگتا ہے کیونکہ) وہ (ذرا سی بات میں) ناامید ہو جانے والا (اور) ناشکر ہو اور اگر  
 اسکو کوئی تکلیف پہنچی ہو اور اس کے بعد ہم اسکو آرام کی لذت چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ اب  
 مجھ پر سے سب سختیاں دور ہو گئیں (کیونکہ) وہ بہت ہی (جلد) خوش ہو جانے والا (اور)  
 شیخی خور ہے مگر جو لوگ صبر کے خوگر ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں (انکا یہ حال نہیں) یہی ہیں جن کے  
 خدا کے یہاں بخشش اور بڑا اجر ہے۔

اسکے ماقبل کی آیت میں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کافروں سے ایک وقت

واحد خدا کی عبادت کرتے ہیں انکو جنت کی خوشخبری دیتا ہوں وان استغفر وادبکم دوسری  
 بات یہ ہے کہ اللہ سے گناہوں کی مغفرت چاہو شہ قوبواللہ پھر اسکی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ  
 توبہ کے لیے استغفار لازمی ہے پہلے گناہوں کا اعتراف کر کے اُس سچائی مانگنا چاہیے پھر  
 توبہ کا درجہ ہو یا یہ کہ استغفار کا تعلق گذشتہ گناہوں سے ہے اور توبہ کا گناہ مابعد سے اول  
 پچھلے گناہوں سے اظہارِ زدامت کر کے مغفرت چاہی جائے اور آئندہ ارتکابِ گناہ  
 سے بچیں۔ اسکے بعد ان تین نیک کاموں کے نتائج کا ذکر فرمایا ہے یتعکلم متاعاً حسناً  
 الی اجلٍ مسلمۃ اللہ تعالیٰ ایک وقت مقرر تک تم کو کامیاب رکھیکامتاع حسن کے مغن  
 یہ ہیں کہ جب انسان بالکلیہ اللہ کی عبادت کی طرف دل سے رجوع ہو جاتا ہو تو وہ مخلوق سے  
 قطع نظر کر لیتا ہے جس سے وہ اپنی زندگی نہایت اطمینان سے بسر کرتا ہے جو کچھ آفت ہے وہ  
 آمیزشِ خلق سے ہے جب انسان خدا کی طرف مشغول ہو گیا تو آفات دنیا سے محفوظ ہو جاتا  
 ہے چنانچہ ایسے لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں دوسری آیت میں یون ارشاد ہوا ہے یوت  
 کل ذی فضل فضلہ اور جو کوئی زیادہ نیکی کرے اسکو بدل بھی آخرت میں زیادہ ہی  
 دیا جائے گا۔ سعادتِ اخروی کے مدارج مختلف ہیں دنیا میں جس قدر انسان خدا کی عبادت  
 میں مشغول ہے گا اُسی قدر سعادتِ آخرت سے بہرہ مند ہوگا مگر فانی اسبابِ نیادی میں  
 اس قدر تو غل ہوتا ہے کہ عبادتِ الہی سے بے خبر ہو جاتے ہیں جو لوگ دریاے حقیقت  
 میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ ماسوی اللہ سے نظر پھیر لیتے ہیں اُسکو معطی و مانع سمجھتے ہیں  
 اُسکی یاد و عبادت میں مشغول ہتے ہیں وان تولوا فانی الخاف علیکم عذاب یومِ کبیرہ

عادی ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اُنکے یہ حال نہیں ہو کیونکہ وہ بلا کا تحمل کر کے صابر کھلاتے ہیں جب نعمت میسر ہوتی ہو تو اُسکا شکر ادا کرتے ہیں اولئک لهم مغفرة واجرٌ کبیرٌ انھیں کے لیے خدا کے یہاں بخشش اور بڑا اجر ہے وہ عقاب الہی سے محفوظ رہیں گے اور ثواب سے فائز پس نفس کو سختی و آرام کی حالت میں صبر و شکر کا نگر بنانے سے اُس میں تہذیب و صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

قوله تعالى فَإِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ الْكُفْرَ فَاعْبُدُوا أَلْمَ أَنْزَلَ يَعْلَمُ اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَافْضَلُ لَكُمْ مَسْلُومُونَ مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوتِ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْصَمُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ترجمہ پس اگر یہ مددگار تمہارا کھانا کر سکیں تو جانے رہو کہ قرآن خدا ہی کے علم سے اُترا ہے اور یہ کہ اُسکے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا (اب بھی) اسلام لاتے ہو (یا نہیں) (نیک کام کرنے سے) جبکہ مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی طمطراق ہو تا ہے ہم اُن کے عملوں کا بدلہ (دہیں) دنیا میں اُنکو پورا بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں (کسی طرح کے) گھائے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنکے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو (نیک) عمل ان لوگوں نے دنیا میں کیے (آخرت میں) سب گئے گئے ہوئے اور انکا کیا دہرا سب لغو۔

کفار کو قرآن کے منجانب الہد ہونے میں انکار تھا اس لیے ان آیات کے قبل یہ ذکر ہوا ہے کہ اگر قرآن الہد کا کلام نہیں ہے تو پھر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تم سے زیادہ

معین تک عذاب کو روک رکھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ کس نے روک رکھا ہے اور ٹھٹھون میں اُٹایا کرتے ہیں۔ اور آیات زیر بیان میں انسان کے عام حالات کا ذکر فرماتا ہے کہ اگر انسان کو نعمت کا تھوڑا سا مزہ چکھا یا جاتا ہے اور پھر وہ نعمت اُس سے لیلی جاتی ہے تو شکایت کرنے لگتا ہے کیونکہ انسان در اسی بات میں ناامید ہو جانے والا ناشکر ہے وَلَنْ اَذِقَنَّكَ الْاِنْسَانُ سَعَةً لِّیُؤْسَ کُفُوًا تک اسی بات کا ذکر ہے۔ دنیا کی نعمتیں بمقابل آخرت کے چند روزہ ہیں ایسے ناپائدار نعمات پر بھی انسان شیفٹہ ہو جاتا ہے کہ جب وہ عنایت الہی سے کچھ میسر ہو جاتی تو نا فرمانیاں کرنے لگتا ہے پھر جب غفلت کی بدولت چھین جاتے ہیں تو ناامیدی میں گھر جاتا ہے وَلَنْ اَذِقَنَّكَ نِعْمَاءَ سَعَةٍ فَخُورٌ تَحْکُ اِسْکَا عُلْکُی بَیَان ہوا ہے کہ جب آرام کی لذت چکھائی جاتی ہے تو مائے شیخی کے کہنے لگتا ہے کہ اب مجھ پر سے سختیاں دور ہو گئیں چنانچہ انسان کی حالت کی مثال فارسی میں مشہور ہے کہ زود فریہ زود لاغر، کافرون کے یاس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتوں کے حصول کے اسباب کو اتفاقی خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بار بار موقع نہیں ملا کرتا ہے اسلئے وہ ناامیدی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ محض خدا کا فضل و احسان ہے جو سب کو دخل نہیں اسلئے وہ مایوس نہیں ہوتے بلکہ خیال کرتے ہیں کہ اگر خدا کی عنایت ہو تو پہلے سے فضل و اکمل نعمت مرحمت ہو سکتی ہے غرض کہ کفار حصول نعمت کو اپنی سعی و کوشش کا نتیجہ جانتے ہیں اسلئے وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتے یا یہ کہ کفار سعادت اخروی کے قائل نہیں ہیں اسوجہ سے دنیا کے مال و جاہ پر ہی فخر کرتے ہیں ثواب و مراتب آخرت کی پروا نہیں کرتے چنانچہ اس مفہوم کو مکرر اس طرح ادا کیا گیا ہے لَا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ کہ جو لوگ صبر کے

بگزار از قال و قیلمائے محال      ذرہ صدق بہتر از صد قال

علم با کار سود مند بود      علم بکار پاسبان بند بود

نمیت یک مرد صادق اندکار      لیک ہستند مدعی بسیار

گر برائے خداست اندک بس      وز پُر مال و جاہ اینت ہوس

قوله تعالى وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّن دُونِ اللَّهِ هُمُ السَّادِقُونَ وَالَّذِينَ لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّن دُونِ اللَّهِ هُمُ السَّادِقُونَ

اور ثمود کی طرف ہنسنے انکے (ہمقوم) بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو انھوں نے (اپنی

قوم کے لوگوں سے) کہا کہ بھائیو! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمھارا معبود

نہیں اُسی نے تم کو زمین (کی مٹی) سے بنا کر کھڑا کیا اور تم کو اُس میں بسایا تو اُسی سے

(گناہوں کی) معافی مانگو اور (آئندہ) اُسی کے جناب میں توبہ کرو بیشک میرا پروردگار

دہرا ایک کے پاس ہر سب کی سنتا اور دعا قبول کرتا ہے۔

قوم عاد اور اُنکے پیغمبر ہود علیہ السلام اور قوم ثمود اور اُنکے پیغمبر صالح علیہ السلام

کا قصد ملتا جلتا ہے ان قوموں کی ثروت بہت پرستی۔ بدکاری۔ حد سے زیادہ گذر گئی تھی۔

چنانچہ قوم ثمود کو راہ راست پر لانے کے لیے جب صالح علیہ السلام نے یون ہدایت کی

يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ بھائیو! خدا کی عبادت کرو اُسکی سوا تمھارا کوئی

معبود نہیں ہے یعنی توحید باری کی تعلیم فرمائی گئی اور پھر یہ بتلایا گیا کہ ہوا انشاء کمن الارض

واستخرج منہا السد نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اُسی میں تم کو بسایا ہے تعلیم توحید کے بعد

کو جسے اسباب فصاحت و بلاغت جمع ہیں وہ تو بسبب امی ہونے کے ان باتون میں تم سے  
 بدرجہا کم ہیں اگر قرآن کے منجانب الہد ہونے میں شک و شبہ ہو تو تم دس سو تین تو نبی لاؤ  
 اور جن معبودوں کو تم پوجتے ہو ان سے مدد لو فَإِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَبَيِّنَاتٍ لِّكُمْ فَاعْلَمُوا إِنَّمَا أَنزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ  
 پس اگر وہ اس بات میں تمہاری امداد نہ کر سکیں تو یقین کر لو کہ یہ لشکر کا کلام نہیں ہے بلکہ خدا کے  
 جانب سے اُتر رہا ہے فَإِنَّ لِلَّهِ أَكْثَرَ دَلِيلًا اور وہ ایسا جلیل الشان خدا ہے کہ اُسکے سوا کوئی معبود  
 نہیں ہے فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ تو اب بھی تم اسلام لاتے ہو یا نہیں۔ کفار ایک وجہت بھی پیش کیا کرتے  
 کہ اتباع قرآن و اسلام کی کیا ضرورت ہے تم تو مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں قیوم کی پرورش و پرداخت کرتے  
 ہیں بھوکوئی خبر گیری کرتے ہیں راستوں پر کنوئیں کھداتے ہیں۔ رُکھ کو پیر سائے اور دخت لگاتے ہیں اس طرح  
 ہر شے نیک کام کرتی ہیں اور انکا مقبول ہونا بھی ثابت ہے کہ ہم دنیا میں پھولتے پھلتے ہیں۔ ہمارے  
 مال و اولاد میں زیادتی ہے۔ امن و تندرستی سے بسر کرتے ہیں اسکا جواب من کان یرید  
 الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سَلٰی بِحَسْبِئِیْ تک یہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ نیک کام اس ارادے سے  
 کرتے ہیں کہ صرف دنیا کی ہبہودی ہو اور شان و شوکت بٹھے اُنکے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں  
 دیدیا جاتا ہے اسیلے وہ گھائے میں نہیں رہتے مگر جب وہ آخرت کے منکر ہیں تو وہاں ضرور  
 گھائے میں رہیں گے اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا  
 فیہا و باطل ماکا فوا یرعملون کہ ان لوگوں کو آخرت میں بوجہ اُسکے کہ ایمان سے بے نصیب  
 ہیں دوزخ طیار ہے۔ دنیوی اعمال جو ریا کے طور پر کیے جاتے ہیں سب بیکار ہو جائیں گے  
 غرض کہ اسلام میں ریاکاری منع ہے اور اس سے اخلاق حسنہ حاصل نہیں ہو سکتے

مَا يَعْبُدُ اَبَاؤُنَا وَاَوْنَا نَفْعَلُ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيْمُ الرَّشِيْدُ ترجمہ اور  
 مین کی طرف (ہم نے، اُن کے (ہم قوم) بھائی شعیب کو (پیغمبر بنا کر بھیجا اُنھوں نے اُن سے،  
 کہا بھائی یوحنا ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں  
 کمی نہ کیا کرو۔ مین تم کو خوش حال دیکھتا ہوں (تو تم کو ناپ تول میں کمی کرنے کی کیا ضرورت)  
 اور (اسپر بھی اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو) مجھ کو تمھاری نسبت (بڑا ہی) ڈر لگا ہا ہے کہ ایک  
 (نہ ایک) دن (ایسا) عذاب نازل ہوگا کہ (تم سب کو) گھیر لیگا اور بھائیوں ناپ اور تول ارض  
 کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے  
 پھر اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اس کا دیا جو کچھ (تجارت میں) سچ ہے تمھارے لیے (وہی) اچھا ہے  
 اور میں تمھارا نگہبان تو ہوں نہیں (کہ ہر ایک کی ناپ تول دیکھتا پھر کروں) وہ لگے کہنے کہ  
 شعیب کیا تمھاری نماز تم سے متقاضی ہے کہ جن (بہتوں کو) ہمارے باپ دادے پوجتے آئے  
 ہم انکو چھوڑ بیٹھیں یا اپنے مال میں حبط (کالتصرف) ہم (دکرا) چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی ہاں  
 تم ہی تو (لوگوں پر) بڑے ترس کھانے والے (اور) راست باز (رہ گئے) ہو۔

یہ ایک دوسری مثال قوم مدین کی سرائی و بت پرستی اور شعیب علیہ السلام کے  
 ہدایات کی ہر شعیب علیہ السلام نے اپنی امت کو پہلے توجہ ہی کی تعلیم کی قَالَ يَقُومُ الْعَبْدُ  
 اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ غَیْرَہُ یعنی فرمایا کہ بھائی یوحنا ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمھارا  
 معبود نہیں ہے کیونکہ اس الایمان توحید ہے اگر انسان توحید باری کا مشر ہو تو پھر اُس کا کوئی

۱۔ بقول اکثر مفسرین مدین ایک شہر کا نام ہے جسکو مدین ابن براہیم علیہ السلام نے اپنے نام سے آباد کیا تھا ۱۲

انسان کی ہستی بتلائی گئی کیونکہ انسان ایک قطرہ آب (منی) سے پیدا کیا گیا ہے منی کی تولد خون سے ہوتی ہے خون کی پیدائش غذا سے ہے غذا کی ترکیب نباتات سے ہوتی ہے اور نباتات کی پیدائش زمین سے (گو اغذیہ میں حیوانات بھی شریک ہیں مگر آخر انکی پرورش کا ذریعہ بھی نباتات ہی) اور زمین پر بڑے بڑے مکانات آرام و آسائش کے بنائے جاتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان دراصل مٹی سے بنا ہے اور مٹی میں عمارات نافذ کی صلاحیت ہے۔ یہ سب قاذور مطلق کا کام ہے جو سزا و اربادت ہے فاستغفرہ شمع توبوا الیہ بھائیو گزشتہ گناہوں کی معافی خدا سے مانگو اور آئندہ کے گناہوں سے باز رہنے کا پکا قصد کرو تو خدا تعالیٰ ایسا رحیم ہے کہ وہ سب کی سنتا اور انکی دعا کو قبول کرتا ہے۔ قرآن مجید میں قصص انبیاء کا جو ذکر ہے اسکی غرض یہی ہے کہ تمام انبیاء و رسل شائستگی اور نیک اخلاق پھیلانے کے لیے ہی مبعوث ہوئے تھے ہر ایک نبی کے زمانے میں جن قومی بُرے خصائل کا غلبہ ہوتا تھا اُسکے استیصال کے تدابیر عمل میں لائے جاتے تھے جیسا کہ قوم نود میں تکبر و کشری کا مادہ سر سے اوجھا ہوا تھا تو انسان کی ہستی اور کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ وہ نیچے دیکھیں اور اپنی حقیقت کو سمجھیں اور راہ راست پر آجائیں۔

قوله تعالىٰ وَاِلٰی مَدِيْنٍ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِهِ وَلَا تَقْسُوا  
الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ اِنِّیْ اَاْتٰكُمْ بِخَيْرٍ وَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ وَاِیَّاهُمْ اَوَّلُ الْمَالِ  
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تَعْتُوا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ بَقِیَّتِ اللّٰهُ  
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَا اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ قَالُوا الشُّعَیْبُ اَصْلُوكُمْ تَاْمُرُکُمْ اَنْ تَرْکُوْا



کاموں سے بچنے اور اچھے کام اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں وما انا علیکم بحفیظ اور  
 پھر شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارا نگہبان تو ہوں نہیں کہ ہر ایک کے ناپ رتول دیکھتا  
 پھر کروں۔ میرا کام تو صرف تم کو اچھی بات بتا دینا ہے اگر ہمارے کئے پر عمل نہ کرو گے تو سمجھ رکھو  
 کہ تمہاری نعمت ایک دن زائل ہو جائیگی اور تم مفلس بن جاؤ گے اُسکی روک مجھ سے نہو سکیگی

قالوا یا شعیب اصلو تک تا امرک ان نترک ما یعبدا باؤذا وان نفعل فی اموالنا  
 ما نشاء انک لانت الحلیم الرشید (ایسی نیک ایت کا جواب اہل مدین نے یہ دیا کہ کیا  
 آپ کی نماز آپ سے تقاضہ کرتی ہے کہ جن تبوں کو ہمارے اسلاف پوجتے آئے ہم انکو چھوڑ بیٹھیں  
 یا اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق تصرف نہ کریں۔ آپ ہی تو لوگوں پر بٹے تھے کھانے والے  
 اور راستباز ہیں حضرت شعیب علیہ السلام نے اہل مدین کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی تھی،  
 ایک تو یہ کہ توحید اختیار کریں۔ دوسرا یہ کہ ناپ تول میں کمی نہ کریں تاکہ انکا دین بھی اچھا ہو  
 اور دنیا بھی اچھی ہو مگر قوم نے ازراہ تقلیدِ ابائی نہ مانا چونکہ آپ بہت نماز پڑھا کرتے تھے  
 اور اپنے عہد میں حلیم و رشید مشہور تھے تو طنزِ آنازا و حلم و رشادت کے ذکر کو بھی درمیان میں  
 لایا گیا غرض کہ شعیب علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا لیکن اہل مدین نے کچھ پروا نہ کی آخر کار  
 ان ظالموں کو زلزلہ نے گھیر لیا اور مکانون میں اونٹھے بٹھے رہ گئے اور کام تمام ہو گیا  
 شعیب علیہ السلام اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ عذابِ الہی سے بچ گئے لہذا جن  
 افعال سے دوسرے لوگوں کو نقصان پہونچتا ہو اُس سے اپنے نفس کو روکنا اسلامی تہذیب کا  
 قولہ تعالیٰ وَلَوْ لَا کَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِّیَ بَیْنَهُمْ وَآخِذُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَصِرُوا  
 قُلُوبَكُمْ لِلْذِّكْرِ فَسَوْفَ یَعْلَمُونَ

نیک عمل مقبول نہیں۔ اسکے بعد پھر ضروری امور کی جانب اہل مدین کو متوجہ کرایا گیا وہ یہ کہ  
وَلَا تَقْصُوْا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ اُنّٰی اَرَاكُمْ حَتّٰی نَآپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں کنو خوش حال  
دیکھتا ہوں کیونکہ اہل مدین اس بے عادت میں مبتلا تھے جب عدل وغیرہ فروخت کرتے تو ناپ  
تول میں کچھ کم دیتے تھے اور اگر کسی سے خرید کرتے تو زائد لیتے تھے یہ مرض اب بھی ہندستان  
کے بنیہ بقاؤن میں رائج ہوا سیلے وہ آئے دن چوری ڈکیتی ماولدی وغیرہ کے مشکلات  
میں مبتلا ہیں مگر اپنی بد عملی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے آپ نے اسکے نتیجہ کو بھی یوں ظاہر فرمایا  
وانی اخاف علیکم عذاب یوم ھیط اگر اس بُرے کام سے باز نہ آؤ گے تو مجھ کو تمھارے  
نسبت بڑا ہی ڈر لگے ہاں کہ ایک نے ایک دن خدا کا عذاب ایسا نازل ہوا کہ تم سب کو گھیر  
لیگا۔ یَا قَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ بِهَا یُؤْبَہا  
ناپ و تول پورے پورے انصاف کے ساتھ کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو پس  
بیع و شرا میں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جو چیز ناپ و تول سے فروخت کریں کسی قدر  
زائد ہی دین اور لینے کے وقت کچھ کم لین تاکہ کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہ ہو کہ لغو اتی لا ید  
مُفْسِدِیْنَ اور یہ بھی آپ نے فرمادیا کہ ملک میں فساد نہ پھیلاؤ کیونکہ ناپ تول کی کمی و سرون  
نقصان پہونچانے والی ہے جس سے جھگڑے برپا ہوتے ہیں جو شخص غیر کی نقصان رسانی کو  
گوارا رکھتا ہے وہ دراصل اپنے ہی نقصان کا کو نشان ہے۔ بقیۃ اللہ خیر لکم اچھی طرح  
ناپ تول کے بعد جو کچھ تجارت میں بیچ رہے وہی بہتر ہے ان کتنے مومنین اگر تم ایمان رکھتے ہو  
ایمان کی شرط اس واسطے لگائی گئی ہے کہ اہل ایمان ہی ثواب و عقاب کے قائل ہیں نہ برے



وَرَبُّكَ كَلَّمَ الْيُوفَىٰ فِيهِمْ رَبُّكَ أَتَمَّ لَكُمْ إِنَّكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ فَاستَقِمْ كَمَا أَمَرْتُمْ وَمِنْ ذَاكِ  
مَعَكُمْ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرُونَ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا أَقْسَامًا لِّبَارِكُوا لَكُمْ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَائِهِمْ لَا تُنصَرُونَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي لَيْتَكُمْ لِيَلَاكُمُ الْحَسَنُ لِيَلَاكُمُ  
الْحَسَنُ ذَلِكَ ذِكْرُ الَّذِينَ أَكْرَبْتُمْ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ترجمہ اور (اے  
پیغمبر) اگر تمہارا پروردگار ایک بات پہلے نہ فرما چکا ہوتا (کہ قیامت ہی میں قطعی فیصلہ ہوگا) تو  
لوگوں میں (اُن کے اختلافات کا کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور یہ لوگ (یعنی کفار مکہ بھی)  
قرآن کی طرف سے ایسے شک میں (بٹتے) ہیں جسے انکو حیران کر رکھا ہے اور تمہارا پروردگار  
ان (سب) کو اُنکے اعمال کا بدلہ ضرور پورا دیکر رہیگا (کیونکہ) جیسے جیسے عمل یہ لوگ کر رہے  
ہیں اُس کو (سب) خبر ہو تو (اے پیغمبر) جیسا تمکو حکم دیا گیا ہے تم اور جو لوگ (شرک و کفر سے)  
توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہو لیے ہیں وہ سب دین پر قائم رہو اور خدا (اعتدال) سے بڑھو  
بیشک جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا دیکھ رہا ہے اور جن لوگوں نے (ہماری نافرمانی کی انکی طرف  
کو جھکنا بھی نہیں در نہ (دوزخ کی) آگ تمکو آگ لگی اور خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار تو نہیں  
تو (نا فرمانیوں کی طرف جھکنے کی صورت میں اُسکی طرف سے بھی) تمکو مدد نہیں ملے گی اور  
(اے پیغمبر) دن کے دونوں سرے یعنی صبح اور شام اور ازل شب نماز پڑھا کر دو (کیونکہ)  
نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں جو لوگ ذکر الہی کرنے والے ہیں اُنکے حق میں یہ (ایک طہی)  
یاد دہانی ہے اور (اے پیغمبر) عبادت کی تکلیف کو خوشی کے ساتھ برداشت کرو (کیونکہ) بعد  
نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

عبادت نماز ہوا سیلے بار بار اسکی تاکید ہوئی ہر عرب دن کا شمار صبح صادق سے کرتے ہیں  
 دن ڈھلنے سے آخر دن شمار کیا جاتا ہوا اول دن کی نماز سے صبح کی نماز اور آخر دن کی نماز  
 سے ظہر و عصر کی نماز مراد ہر زلف لیل سے رات کا پہلا حصہ مراد ہر لفظ زلف جمع ہوا سیلے  
 پہلے حصہ شب کی نماز سے مغرب کی نماز مراد ہوا و حصہ ثانی سے جو غروب شفق کے بعد شروع  
 ہوتا ہر نماز عشاء مراد ہوا و حصہ ثالث میں جسکی انتہا صبح صادق تک ہر وتر پڑھ سکتے ہیں  
 یہ نماز بھی واجب ہر مگر اکثر علما نے زلفا من اللیل سے بلا تفریق حصص شب کی نماز مغرب  
 اور نماز عشاء پڑھنا مراد لیا ہر غرض کہ اس مسئلہ میں اور بھی روایات کتب فقہ میں مرقوم ہیں یہاں  
 اُسکا لکھنا باعث طوالت ہوا ان المحسنات یدھبن السیات نیکیان گناہوں کو دور کر دیتی  
 ہیں۔ ابن عباسؓ صلوات خمس کو حسنات کہتے ہیں کیونکہ پانچ وقت کی نماز تمام گناہوں  
 کا کفارہ ہر بشر طبعی کبائر سے محترز ہے۔ مجاہد کا قول ہر سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ  
 الا اللہ کا اور حسنات میں داخل ہوا۔ بعضوں نے حسنات سے ایمان مراد لی ہوا اور دہ یوں  
 تعبیر کرتے ہیں کہ ایمان کفر کو زائل کرتا ہر ذلک ذکوی للذاکرین جو لوگ ذکر الہی کرنے والے  
 ہیں انکے لیے یہ ایک طرح کی یاد دہانی ہوا و اصدق ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اے پیغمبر  
 عبادت کی تکلیف کو خوشی کے ساتھ برداشت کرو کہ اسد نیکو کاروں کے اجر کو ضائع ہونے  
 نہیں دیتا۔ اچھل خدائے حکم کی فرمان برداری۔ برحق محبتوں سے احتراز کرنا نیک کاموں کی تکلیف  
 کو خوشی سے برداشت کرنا اسلامی اخلاق ہیں۔

قوله تعالى كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْخَيْرُ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا

وان جمیعہم واللہ لیوفینہم چھٹا لام جو جواب قسم کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ ساتواں فرق تاکید  
اسکو اعجاز القرآن کہتے ہیں۔ یہی نہیں تاکید بر تاکید کے طور پر ارشاد ہوتا ہے انہ بما تظنون  
خیر خدا ان کے اعمال سے باخبر ہے و فاستقم كما أمرت ومن تاب صحت ولا تظفوا انہ  
بما تعملون بصیرا ہے پیغمبر جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے تم اور جو لوگ توبہ کر کے تمھارے ساتھ ہوئے  
ہیں دین پر قائم رہو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی اس سے زیادہ سخت آیت  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی کیونکہ اس آیت کا اصل اصول شریعت ہے یعنی  
جس طریق سے قرآن مجید میں احکام بالترتیب بیان ہوئے ہیں اسکا لحاظ رکھنا بھی واجب ہے  
جیسا کہ ترتیب وضو میں اعضا کا لحاظ رکھا جاتا ہے قیاس سے نص میں تخصیص پیدا کرنا جائز  
نہیں ہے اور اس بات پر قائم رہنا بڑا مشکل کام ہے ولا تظفوا حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے  
یعنی حلال کو حرام ٹھہرنا یا حرام کو حلال انہ بما تعملون بصیر خدا تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے  
تو پھر اسکی نظر سے کون بچ سکتا ہے ولا تکرہوا الی الذین ظلموا و جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی  
کی انکے اعمال کی طرف نہ جھکنا یعنی انکے طریقہ کو اچھا نہ سمجھنا لیکن دفع منہر اور جلب منفعت  
کے لحاظ سے میل جول منع نہیں ہے فتمسکوا بالتار اگر انکے طریقہ کو اچھا سمجھا جائے گا تو دوزخ  
کی آگ تم کو بھی لگ جائے گی و صالکون دون اللہ عن اولیاء تم لا تنصرون خدا کے سوا کوئی  
مدد و معاون نہیں ہے اگر نافرمانوں کے طریقے کی طرف جھکتے ہو تب بھی تم کو کسی مدد کی توقع نہیں  
ہے کہ وہ تم کو دوزخ سے بچا نہیں سکتے واقم الصلوۃ طرفی النہار و زلفامن اللیل  
پیغمبر دن کے اول و آخر میں اور کسی قدر رات کے نماز پڑھا کرو۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی

رکھتے ہیں اور (زیرِ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اپنے پروردگار کا منہ کر کے (دنیا کی تکلیف پہ) ممبر کیا اور نمازین پڑھیں اور ہم نے جو انکو رزق دیا تھا اُس میں سے چپکے (چپکے) اور ظاہر (ظہور خدا کی راہ میں) خرچ کیا اور بُرائی کے مقابلہ میں (لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جنکی دنیا کا انجام (بخیر) ہے۔

سیاق کلام یوں ہے کہ ان آیات کے قبل حق و باطل کے اعتبار سے چنداں شل بیان کیے گئے ہیں جس میں ایک مثال پانی کی بھی ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے بقدر سمائی کے نالے بہ نکلتے ہیں اور نالوں میں جو پانی کے لیے آتے ہیں اُن سے پانی کے منہ پر جھاگ آتا ہے جسکو پانی اپنے زور سے بہا دیتا ہے اُسی طرح جبے یوریا اور سا دوسا مان کے بنانے کے لیے دھاتوں کو آگ میں تپایا جاتا ہے تو اُس میں بھی جھاگ کی طرح کا کھوٹ ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ پگھلانے سے اوپر آ جاتا ہے گویا پانی حق کی جگہ پر اور جھاگ باطل کی جگہ پر سیلے جھاگ راگن جاتا ہے اور پانی جو لوگوں کے کام آتا ہے زمین میں ٹھہرا رہتا ہے اور آیات زیر بیان میں یہ ذکر ہے کہ کَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ خدا لوگوں کے سمجھنے کے لئے ایسے ہی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ یہاں پانی سے قرآن مقصود ہے جس طرح پانی کا نزول آسمانِ دنیا سے ہوتا ہے قرآن کا نزول آسمانِ کبریا سے ہوا ہے نالوں سے قلوب عباد و مراد ہے جس طرح نالوں کی سمائی کے موافق زمین پر پانی ٹھہرتا ہے ایسا ہی انوارِ علوم قرآنی سے بقدر گنجائشِ قلب کے ہر انسان فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسا پانی یا دھات سے جھاگ یا کھوٹ نکلتا ہے اور بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح علوم میں شبہات ناشی ہوتے ہیں مگر آخر میں وہ ذائل ہو جاتے ہیں صرف علم کا پاک اثر باقی رہ جاتا ہے

لَوْ اَنْزَلْنَاهُمْ مِّنْ جَمْعٍ وَّ مِثْلٍ مَّعًا لَا فِتْنَةٌ لَّوْا بِهِ اُولَئِكَ لَمْ يُسَوُّوا الْحِسَابَ مَا وَاٰهُمْ جَهَنَّمَ  
 وَيَنْفُسُ لِهَآءِهٖ اَفَنْ يَّعْلَمُ اِنَّمَا اُنْزِلَ لِيَكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَا هُوَ اَعْلَىٰ مَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ  
 الَّذِيْنَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَكَأَيُّ قَبْضُوتٍ الْمِثْقَالِ وَالَّذِيْنَ يَصِلُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ يُوصَلَ  
 وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوءَ الْحِسَابِ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ  
 وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ اُولَئِكَ لَمْ يُعْطِ الْاَدْرَهُ  
 ترجمہ اللہ (لوگوں کے سمجھنے کے لیے) اسطرح مثالیں بیان فرماتا ہے جن لوگوں نے اپنے  
 پروردگار کا کما نانا کے حق میں بہتری (ہی بہتری) ہے اور جنہوں نے اُسکا کہنا مانا قیامت  
 کے دن انکایہ حال ہوگا کہ جو کچھ اُسے زمین پر ہے اگر (وہ سائے کا سارا) ان کے اختیار  
 میں ہو اور اُسکے ساتھ اتنا اور تو یہ لوگ اپنے بدلہ میں اسکو (خوشی سے) دے ڈالیں یہی  
 لوگ ہیں جن سے بُری طرح حساب لیا جائیگا اور اُنکا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی)  
 بُری جگہ ہے (بے پیغمبر بھلا جو شخص اس بات کو سمجھتا ہے کہ (قرآن میں) جو (دین) تمہارے پروردگار  
 کی طرف سے تم پر اترا ہے جو حق ہے (شخص کیا) اُس شخص کی طرح (بے نصیب ہو سکتا ہے جو (مطلق)  
 اندھا ہے) اور اسکو ایسی صریح بات بھی نہیں سوجھ پڑتی قرآن سے تو) بس وہی لوگ نصیحت  
 پکڑتے ہیں جو سمجھ دار ہیں (یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ اللہ کے (ساتھ جو انھوں نے بندہ ہونے کا)  
 عہد کر لیا ہے) اسکو پورا کرتے ہیں اور (اپنے) اقرار کو نہیں توڑتے اور (نیز یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ  
 خدا نے جن (رشتوں) کے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے انکو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے  
 اُترتے اور (قیامت کے دن) بُری طرح (یعنی کاوش کے ساتھ) حساب لیے جانے کا اندیشہ



نہیں بھولتے قال علیہ السلام لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له۔

(۲) والذین یصلون ما امر اللہ ان یوصل / اور یہ لوگ خدا نے جن رشتوں کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہر ان کو جوڑے رکھتے ہیں عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحم عرش سے علق ہوا رکھتا ہے کہ جس نے مجھے جوڑا اس کو اور جوڑ لیا اور جس نے مجھے توڑا اُسے اس کا ٹ ڈالیکا۔ غرض کہ تمام حقوق کی رعایت پیش نظر رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ حیوانات کے ساتھ بھی رحم و رعایت کا برتاؤ کرنا چاہیے بہر حال صلہ رحم سے مخلوقات کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنا مراد ہے۔

(۳) ویخشون ربہم وہ اپنے خدا سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی مومن کا دل عظمت و جلال الہی سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

(۴) ویخافون سوء الحساب اور بُرے حساب سے خوف کرتے ہیں تاکہ قیامت میں رسوائی نہ ہو۔

(۵) والذین صبروا ابتغاء وجه ربہم اور وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں یعنی نفس کے روکنے اور دنیاوی تکالیف کے برداشت کرنے میں۔

(۶) واقاموا الصلوٰۃ اور نماز پڑھتے ہیں کیونکہ نماز اس شرف عبادات ہے۔

۱ رسول مقبول نے فرمایا کہ جو امت از میں ہے ایمان ہوا اور عہد کا توڑنے والا بدین ہے ۱۱

یہ لوگوں کے لیے ہر اللہین استجابوا لربہم الحسنة جنہوں نے اپنے پروردگار کا کہا مانا انکے  
حق میں بہتری ہر یعنی جو لوگ توحید عدل نبوت بعثت انبیاء علیہم السلام اور شریعت رسول مقبول  
مانتے ہیں انکے لیے جنت ہر والدین کہ یکتجبوا لہ لوانک لہم ما فی الارض جمعاً و مثلاً  
معدلاً فذلک وابہ اولئک لہم سوء الحساب اور جنہوں نے خدا کا کہنا نہیں مانا اگر انکے لیے  
زمین بھر کی سب چیزیں ہوں اور اُسکے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو قیامت میں عذاب سے بچنے  
کے لیے جہانہ میں دنیا قبول کریں گے (مگر بے سود) انھیں سے ہر احساب لیا جائے گا۔ ان  
اشقیاء کی حالت ہر جو دنیا کی محبت میں متفرق رہتے ہیں جب ہر مر جاتے ہیں تو دنیا اُنسے چھوٹ جاتی  
ہر جس سے سخت پریشان ہو جاتے ہیں اور بارگاہ اقدس میں بار یا بی کے لائق بھی نہیں  
رہتے۔ دنیا کے انہماک اور رب العزت سے اعراض کا نتیجہ یہ ہر کہ و ما و لہم جہنم و یس الجہنم  
انکا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بڑا ٹھکانا ہر اقصیٰ یحل انما انزل الیک من ربک الحق کمین ہو  
اُحمیٰ اے پیغمبر بھلا جو شخص اس بات کو سمجھتا ہر کہ قرآن مجید جو پروردگار کی طرف سے تم پر نازل  
ہوا ہے برحق ہر۔ تو یہ شخص کیا اُس شخص کی طرح بے نصیب ہر سکتا ہر جو مطلق اندھا ہر کیونکہ  
قرآن مجید مشعل رہنا ہر جو شخص اُسکی روشنی میں چلیگا وہ کبھی گمراہی میں مبتلا ہر نہیں سکتا جس نے  
اُسکو چھوڑ دیا وہ چاہ ہلاکت میں گر پڑا اسکے بعد قرآن مجید کے ماننے والوں کے لیے چند  
اوصاف بیان ہو رہے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) الذین یوفون بعہد اللہ ولا ینقضون الميثاق وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے  
اور اُسکو توڑتے نہیں ہیں یعنی ازل میں الست بیکم کے جواب میں جو بلی کھا تھا اُسکو

کہ اُس شخص پر اُسکے پروردگار کی طرف سے (ہمارے خاطر خواہ) کوئی معجزہ کیون نہیں اترتا (تم ان سے) کہو معجزوں سے کیا ہوتا ہے، اللہ ہی جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اُسکی طرف) رجوع ہوتا ہے اُسکو اپنی طرف (پہنچنے کا) رستہ دکھاتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور اُنکے دل کو یاد خدا سے تسلی ہوتی ہے (اور) سُن رکھو یاد خدا سے دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے تو جو لوگ کہ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُنکے لیے (آخرت میں خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا۔

کفار اپنی خوشحالی پر ناز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر وہ مغضوب خدا تھے تو دنیا کی نعمتوں سے کیون سرفراز کیے گئے ہیں اسلئے اللہ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ مَن اس خام خیالی کی تردید کی گئی ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض کی روزی کشادہ کر دیتا ہے اور بعض کی تنگ کر دیتا ہے یہ سب اُسکی مرضی پر موقوف ہے روزی کی کمی و زیادتی کو کفر و ایمان سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ دنیا صرف امتحان کی جگہ ہے۔ آخرت کی خوبیوں کے مقابلہ میں مال و دولت چند روزہ پر گھمنڈ کر کے توحید باری اور آخرت کا انکار کرنا بے عقلی ہے و فرحوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ کفار دنیا کی زندگی سے بڑے خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض بے حقیقت چیز ہے و یقول الذین کفروا لولا انزل علیہ اٰیۃ من ربہ لے پیغمبر جو لوگ تمہاری رسالت کے منکر ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم پر پروردگار کی طرف سے انکی مرضی کے موافق کوئی معجزہ کیون نہیں اترتا یعنی ظاہری معجزات جیسے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئے تھے قُلْ اِنَّ اللہَ یَضِلُّ مَن یَّشَاءُ وَیَهْدِی الیہ مَن اَیَّابٌ تو لے محمد تم ان سے کہو کہ خدا جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے اپنی طرف رجوع

(۷) و الفقوا لها رزقہم سر اور علانیۃ اور خدا کے دیے ہوئے میں سو ظاہر اور مخفی طور پر دیتے ہیں یعنی زکوٰۃ یا صدقہ یا ہدیہ۔

(۸) ویدارون بالحسنۃ السیئۃ اور بُرائی کے مقابلہ میں نیکی کرتے ہیں ان اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المعاذ بن جبل اذ عملت سیئۃ فاعلم انی جئنا بحسنۃ تحبھا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے فرمایا اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی نیکی کام کیا کرے تاکہ گناہ کو محو کرے یا اگر کوئی اپنے ساتھ بُرائی سے پیش آئے تو اُسکے ساتھ نیکی کیا کرے اگر مردی احسن الی من آسا اولئک ہم عقبی الدار یہی لوگ ہیں جنکی دنیا کا انجام خیر ہے ان مضامین پر غور کرو کہ قرآن مجید میں کیسے پاک اخلاق کا ذکر ہے ہم مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ رسول مقبول کے طفیل میں ایسی نعمت میسر ہوئی جو وہی اس سے مستفید ہونے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

قوله تعالى اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَعْدُو فَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَا نُزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحَسُنَ مَا أَتَىٰ ترجمہ اللہ جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جسکی چاہتا ہے، نبی تمکی کر دیتا ہے اور کفار دُنیا ہی کی زندگی سے (بُٹے) خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض بے حقیقت چیز ہے اور (اے پیغمبر) جو لوگ (تمہاری رسالت کے) منکر ہیں (وہ بھی) کہتے ہیں

ایسا ہی جب خدا کی عظمت و جلال کی اسیر قلب پر پڑ جاتی ہے تو اسکی ماہیت بدل جاتی ہے اور اُسین سکون پیدا ہو جاتا ہے الذین آمنوا و عملوا الصَّالِحَات طوبیٰ لهم و حسن مآب جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے انکے لیے آخرت میں خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا ہے یہ غیبی کلمات ہیں کہ جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں اور بُرے افعال سے احتراز کرتے ہیں انکا انجام بھی اچھا ہوتا ہے۔ ان بدایتوں سے نفس کی جو کچھ اصلاح ہوتی ہے وہ بیان بالا سے بخوبی دلنشین ہو سکتی ہے۔

قوله تعالى الكر کر کف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها في السماء تؤتي اكلها كل حين باذن ربها و يضرب الله الامثال للناس لعلهم يتذكرون و مثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجملت من فوق الارض ما نورا من قرايه ينبت الله الذین آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا و في الآخرة و یضلل الله الظالمین فیفعل الله ما یشاءه ترجمہ (مے غیر کیا تم نے) اس بات پر، نظر نہیں کی کہ خدا نے نیک بات (یعنی مثلاً کلمہ توحید) کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ (نیک بات) گویا ایک کیزہ درخت ہے اسکی جڑ مضبوط ہے اور اسکی ٹہنیاں آسمان پر ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے اور اسد لوگوں کے لیے (اسو اسطے) مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سوچیں (سمجھیں) اور گندی بات (یعنی کلمہ شرک) کی مثال گندے درخت کی سی ہے کہ (جب چاہا) زمین کے اوپر (اوپر) سے اُکھاڑ کر پھینکا اسکو کچھ ٹھہرا تو ہر نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو پکی بات (یعنی کلمہ توحید) کی برکت سے اسد دنیا میں بھی ثابت (قدم) رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم) کھیگا،

کر لیتا ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جو تم پر نازل ہوا ہے کیا اس سے بہتر کوئی معجزہ ہو سکتا ہے اصل  
 بات یہ ہے کہ معجزوں سے کچھ نہیں ہوتا ہدایت و ضلالت خدا کے قبضہ قدرت میں ہے ہدایت  
 اس وقت نصیب ہوتی ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز سے اسکے حصول کی دعا کی جائے اگر  
 اس کا فضل ہو گیا تو ہدایت سے بہرہ ور ہو گئے والا خیریت الذین آمنوا و قطعوا قلوبہم  
 عن الذکر واللہ جو لوگ ایمان لائے انکے دل کو یاد خدا سے تسلی ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کے وعدہ و وعید  
 کو برحق جانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر مانتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ احکام الہی محض  
 ہماری بہتری کے لیے ہیں اس پر عمل کرنا باعث سعادت ہے اور اس سے انحراف کرنا موجب نقاہت  
 الا بذکر اللہ قطعوا قلوبہم اور سن رکھو کہ یاد خدا سے دلون کو تسلی ہوا کرتی ہے۔ موجودات  
 تین قسم کے ہیں ایک وہ کہ خود موثر ہے اثر پذیر نہیں یہ ذات باری کی شان ہے ایک وہ موجود جو اثر پذیر  
 ہے اور موثر نہیں اسی کو جسم کہتے ہیں جسم میں آثار و صفات مختلفہ کے قبولیت کا مادہ رکھا گیا ہے اور  
 ایک وہ موجود ہے کہ کبھی تو موثر ہوتا ہے اور کبھی اثر پذیر یہ موجودات روحانیہ ہیں۔ جب یہ حضرت  
 الہیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان میں شیت و قدرت الہی سے قوت فائضہ کی قبولیت کا مادہ  
 پیدا ہوتا ہے اور جب عالم اجسام کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان میں تصرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس  
 قلب کی توجہ عالم اجسام کی طرف ہوتی ہے تو اس میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی  
 ہے کہ عالم اجسام میں تصرف کرے۔ اور جب وہ مطالعہ حضرت الہیہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس میں  
 انوارِ صمدیت پیدا ہوتے ہیں اور اس کو تسکین ہو جاتی ہے الا بذکر اللہ قطعوا قلوبہم سے  
 قلب کی آخرین کیفیت مراد ہے جیسے اکسیر سے تانبے کی ہیئت بدل جاتی ہے اور وہ سونا ہو جاتا ہے

پھل لاتا رہتا ہے۔ یہ اُس جھاڑ کی صفت ہے کہ ہر وقت اسپر میوہ لدا رہتا ہے دوسرے شجرہ دار  
دھتوں کی طرح صرف موسمی نہیں ہے۔

حقیقت میں کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ سے انسان کے دل میں توحید باری اور  
معرفت اسی کا درخت لگ جاتا ہے جسکی خوبیان زائد از بیان ہیں۔ خدا شناسی سے جو لذت  
روح کو حاصل ہوتی ہے اُس سے بڑھ کر کوئی لذت ہی نہیں ہے۔ دنیا کی نعمتوں کے لذات خالی  
از علت نہیں مثلاً اگر اشتہا نہ ہو تو کیسی ہی لذیذ چیز کھائے بے مزہ ہے علاوہ برائیوں کی نعمتیں  
سیریع الزوال ہیں۔ برخلاف روحانی لذتوں کے کہ وہ غیر منقطع ہیں۔ درخت معرفت کی جڑ نفیس  
قدسیہ میں گڑی ہوئی ہیں۔ جو ہر طرح کے فساد سے پاک اور تغیر و فنا سے بری ہیں۔ اسکی دو  
شاخیں ہیں ایک ہولے آسمان میں لگی ہوئی ہے۔ دوسری ہولے عالم جسمانی میں پہلی شاخ کا  
مقتضا احکام خدا کی بجا آوری ہے اور اسی کے شوق و محبت میں متفرق رہنا ایسکی یاد اور اُسی پر  
اعتماد کلی کرنا وغیرہ وغیرہ حدیث شریف میں اس شاخ کو تعظیم الامر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری  
شاخ کو شفقت علی خلق اللہ سے جسمین مخلوقات پر رحم کرنا انتقام سے درگزر کرنا بُرائی کے  
مقابلہ میں بھلائی کرنا وغیرہ داخل ہیں جب شجر معرفت دل میں قائم ہو جاتا ہے تو اُس کا ثمرہ ہر وقت  
ظاہر ہوتا رہتا ہے اور انسان کا دل نیک کاموں کی طرت مائل ہوتا ہے الہامات اُسی سے اُسکی  
امداد ہوتی رہتی ہے وہ ہر بات سے عبرت حاصل کرتا ہے یعنی فاعبر وایا اولی الالبصار کا مصداق  
بن جاتا ہے اگر ان نعمتوں کا میسر نہ ہوتا شیت ایزدی پر موقوف و منحصر ہو و یضرب اللہ الامثال  
للناس لعلہم یتذکرون اللہ تعالیٰ کو کون کے سوچنے سمجھنے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے

اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

اسکے قبل موحّدین و مشرکین کے حالات بیان ہوئے ہیں آیات زیر بیان میں ایک مثال اہل توحید کی تائید میں بیان ہوئی ہے المرتکف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کَشَجَرۃ طَیِّبَۃٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ تَوْتٰی اَکْطَافِ اَکْطَافِ حِیۡنِ بَاذَنْ رَجَّحَا لَیَّ مُحَمَّدٌ کَیَا تَمَّ نَے اس بات پر نظر نہ کی کہ خدائے نیک بات یعنی کلمہ توحید کی کیسی اچھی مثال دی ہو کہ گویا وہ ایک پاکیزہ درخت ہے اور اُسکی جڑ مضبوط ہے اُسکی ٹہنیاں آسمان میں ہیں وہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل لاتا ہے اس مثال میں کلمہ طیبہ کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) کَشَجَرۃ طَیِّبَۃٍ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے خواہ باعتبار شکل و صورت کے یا باعتبار پھل پھولوں کی عمدگی کے یا باعتبار خوشبودار اور لذیذ ہونے کے یا باعتبار منافع کے۔

(۲) اَصْلُهَا ثَابِتٌ اُس درخت کی جڑ مضبوط ہے زوال پذیر نہیں ہے اور کسی صدمہ سے اُکھڑنے والا نہیں ہے کہ جسے نیست نابود ہو جانے سے دل کو صدمہ پہنچے یہ ایک معمولی بات ہے کہ کیسی ہی عمدہ چیز ہو لیکن جب اُسکے زوال کا کھٹکا لگا ہو تو وہ دل کو کھلی نہیں لگتی اگر اُسکے دوام و ہمیشگی کا یقین ہو تو بے حد فرحت بخش ہوتی ہے۔

(۳) وَفَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ اُسکی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ یہ درخت کی مضبوطی کی دلیل ہے کیونکہ جس درخت کی شاخیں زیادہ بلند ہوتی ہیں اُسکی جڑ مستحکم ہوتی ہے اور نیز جو ٹہنیاں زیادہ بلند نہ ہوں گی وہ زمین کی عفونت سے دور ہوئی ایسی شاخوں کا میوہ خوشگوار ہوگا۔

(۴) تَوْتٰی اَکْطَافِ حِیۡنِ بَاذَنْ رَجَّحَا وہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے



کافر مگر تو زینہ و سیرت بیچ بینی کچشم سرجنت

قوله تعالى رَبَّنَا أَنْتَ تَعْلَمُ مَا خَفِيَ وَمَا نَعْنُ وَمَا نَحْفَ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ  
الْمُحَمَّدُ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ الْمُنْعِيلَ وَاسْتَحَقَّ أَنْ رَبِّي لِكَلِّمِي الدُّعَاءَ رَبِّ اجْعَلْنِي  
مُقِيمًا لِلصَّلَاةِ وَمِنْ دُرِّي رَّبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ  
الْحِسَابُ ۝ ترجمہ اے ہاے پروردگار (جو مطلب) ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں  
تجھ کو (سب) معلوم ہیں اور اس پر کوئی چیز چھپی نہیں ہستی (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں  
خدا کا شکر ہے جسے تجھ کو باوجود بڑھاپے کے اسمعیل اور اسحق (دو بیٹے) عنایت کیے کچھ شک  
نہیں کہ میرے پروردگار دعا کو سنتا ہے۔ اے میرے پروردگار تجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں  
اور نہ صرف تجھ کو بلکہ میری اولاد کو (بھی) اور اے ہاے پروردگار میری دعا کو قبول فرما لے  
ہاے پروردگار جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے تجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور رب  
ایمان والوں کو بخش دیجیو۔

ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں سارہ اور ہاجرہ اور دونوں سو کنون میں منتہی  
نہ تھی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ کو مع انکے بیٹے اسمعیل کے اُس مقام پر لے آئے جہاں اب  
شہر مکہ آباد ہے تو ظاہر ہیں ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام سے آنے کی وجہ دونوں بیبیوں کی  
ناسازگاری تھی مگر اصل بات یہ تھی کہ کوہستان مکہ میں خدے واحد کی پرستش قائم ہو۔ غرض کہ  
جب آپ نے مکہ میں اقامت اختیار کی تو آپ نے یہ دعا کی کہ پروردگار مکہ میں امن عنایت فرما  
اور تجھ کو اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائو۔ اے پروردگار کچھ شک نہیں کہ ان بتوں نے

مثال کا فائدہ یہ ہے کہ معقولات کے ادراک میں جس خیال - وہم کو تاہل ہوتا ہے جب کوئی محسوس کی مثال بیان کر دیتی ہے تو معقول محسوس کی تطبیق سے نزاع برخاست اور فہم مقصود میں آسانی ہو جاتی ہے و مثل کلمۃ خبیثۃ کشیحۃ خبیثۃ لجتث من فوق الارض ما کھا من قنارہ اور گندی بات یعنی کلمہ شرک کی مثال گندے درخت کی سی ہے کہ جب چاہا زمین پر سے اُکھاڑ پھینک دیا گیا اسکو کچھ ٹھہراؤ نہیں ہوتا۔ یعنی کلمہ شرک مثل ایسے درخت کے ہے کہ جسکے استعمال سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔ دلائل شرک ایسے بوئے ہوتے ہیں کہ زمین یقین میں اسکی جڑیں نہیں اُترتیں وہ صرف اوپری باتیں ہیں جو جہالت سے اختیار کر لی گئی ہیں بشت اللہ الذین اصنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو کلمہ توحید کی برکت سے اس دنیا میں بھی قائم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھیکا و یفضل اللہ الظالمین اور الظالمون یعنی مشرکوں کو گمراہ کرتا ہے و یفعل اللہ ما یشاء اللہ جو چاہتا ہے اگر گمراہ ہے جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جسکو چاہا گمراہ اُسکے افعال میں کسی کا دخل نہیں ہے۔

راہ دور از دل درنگی تست	کفر و دین از پی دورنگی تست
ذوق ایمان مگر چشیدہ نہ	روے تحقیق صدق دیدہ نہ
تا کے این میل صحبت ناہل	میل ناہل دردت بر جہل
مر تر آہنم و گوش او خداے	راہ بنمود مرد راہ نماے
بر رہ دین برور یاضت کن	وز چنین راہ بدطہارت کن
غیرت بر بہشت می ناید	تا بہنم ترا ہے مشاید

اپنے یقین کو ظاہر فرمایا جس کا یہ مطلب ہو کہ گو دعا کے الفاظ صیح نہ ہوں لیکن خداے تعالیٰ ہمارے مقاصد کو اچھی طرح جانتا ہے رب اجعلنی مصقیم الصلوة ومن ذریعتی خدایا مجھکو توفیق عنایت فرما کہ میں نماز پڑھتا رہوں نہ سرف مجھکو بلکہ میری اولاد کو بھی توفیق عنایت فرما جس کا مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں کا کرنا اور بُرے افعال سے محفوظ رہنا۔ بدون عنایت الہی کے ممکن نہیں ہے ایسی ہی دعا اپنے اور بھی کی ہے اجنبی و بنی ان نعبد الا صنم کہ خدا مجھکو اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے دینا و تقبل دعاء لے پڑ دگار میری دعا قبول فرما۔ جبکہ آپ نے اپنے مطالب کا اظہار کر دیا تو پھر اس کی قبولیت کی استدعا بھی کی جو شان عبدیت ہے دینا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب پروردگار جس دن اعمال کا حساب ہونے لگے تجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو بخش دیجیو۔ یہ دعا تعلیم امت کے لحاظ سے ہر سطح ہر شخص اپنی بہتری کے لیے خدا سے دعا کرتا ہے اسی طرح اپنے والدین اور اپنے ہجوم کی بھلائی کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جن امور کو صداقت کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے اس سے اُنکے نفس کی اپنی کا حال معلوم ہو سکتا ہے قرآن مجید میں قصص انبیاء کا ذکر اسی واسطے ہوا ہے کہ ان باتوں کے معلوم کرنے سے نفس میں تہذیب اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

قوله تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْغِرِ الصَّغِيرَ الْجَمِيلَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ لَا تُمَدِّتْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ بِهِ آزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اے پروردگار میں نے تیرے معزز گھرنے کعبہ کے پاس بیابان مکہ میں  
 جہان کچھ زراعت بھی نہیں ہوتی۔ اپنی کچھ اولاد لاکر بسائی ہے تاکہ یہ تیری عبادت میں مشغول رہیں  
 ایسا کر کہ اور لوگوں کے دل بھی ان کے طرٹ مائل ہوں اور دوسرے ملکوں کی پیداوار سے  
 انکو روزی عنایت فرما تاکہ یہ تیرا شکر کریں اور ساتھ ہی خدا کے دانا سے نہان اور آشکارا ہنویکا  
 خیال آگیا تو کہنے لگے رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا تُخْفِي ۚ فَانْعَلِنَا پروردگار جو مطلب ہم چھپاتے اور  
 جو ظاہر کرتے ہیں وہ ہمب تبھکو معلوم ہیں یعنی اُسکے انجام کو تو ہی جانتا ہے۔ اس دعا سے  
 آپ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بعد آپ نے اپنی اولاد کے لیے بہبودی کی دعا کی تھی  
 وَمَا يُخْفِي عَلٰی اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ اللّٰہ پر کوئی چیز چھپی نہیں رہتی نہ زمین  
 میں نہ آسمان میں کیونکہ خدا عالم الغیب ہے الحمد للہ الذی ھب لی علی الکبر اسمعیل واسحق  
 اور پھر آپ نے عرض کیا کہ خدا ایسی قدرت والا ہے کہ مجھ کو باوجود بوڑھا ہونے کے دو فرزند  
 اسمعیل واسحق عنایت کیے۔ آپ کے سن کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے بعض کا قول  
 ہے کہ اسمعیل کی ولادت کے وقت آپ کا سن شریف چوٹھ سال کا تھا اور اسحق کی ولادت کے  
 وقت نئے برس کا تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ اسمعیل کی پیدائش کے وقت ننانوے سال کا تھا  
 اور اسحاق کی ولادت کے وقت ایک سو بارہ سال کا سن تھا اور سعید بن جبیر کا یہ قول ہے کہ  
 ایک سو سترہ سال کی عمر کے بعد آپ کے اولاد ہوئی بہر حال آپ کو ناامیدی کے سن میں لا دی ہوئی  
 تھی جو عظیم نعمت اسی سے ہے ان ربی لسمیع الدعاء کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار دعا کو سنتا  
 ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے بطور رمز و اشارات کے اپنی اولاد کے حق میں دعا کی تھی تو پھر آپ نے

آخرت۔ اگر قیامت وغیرہ کا ہونا صحیح ہو تو پھر دنیا میں منکرین کو کیوں پیدا کیا گیا کیوں انکو عیش آرام دیا جاتا ہے۔ ان باتوں کا جواب آیات زیر بیان میں ادا کیا گیا ہے وما خلقتنا السموات والارض وما بینہما الا بالحق ہنئے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ آسمان وزمین میں ہے اسکو کسٹی مصلحت سے بنایا ہے۔ اس سے بڑھکر اور کونسی نشانی خدا کی قدرت کی ہو سکتی ہو۔ غور کرو کہ ہر چیز کس اسلوب سے بنائی گئی ہے۔ اس سے رسول مقبول کو تسلی دلانا بھی مقصود ہے کہ جب مشرکین ایسے عظیم آثار قدرت کو اپنی سفاہت کے سبب نہیں سمجھتے اور خدا کی عظمت و جلال کو تسلیم کر کے توحید کا اقرار نہیں کرتے تو ان نادانوں کی بیہودہ گفتگو سے دلنگ نہونا چاہیے

وان الساعۃ لآتية قیامت ضرور آنے والی ہے۔ کافروں کی گستاخیوں کا بدلہ ضرور لیا جائیگا اور اے پیغمبر آپ کے صبر کی جزا دی جائیگی فاصفح الصغیر الجلیل اے محمد کافروں کو لائقوں سے درگزر کرو۔ حلم و برداشت سے کام لو تا کہ آپ کے اخلاق جمیلہ ظاہریوں نے لقا دینا کے سبب عامن المثنی والقرآن العظیم اور ہنئے تکوا الحمد کی سورت عنایت کی ہے جو قرآن مجید کی بڑی عمدہ سورت ہے۔ جو نماز کی ہر رکعت میں کر پڑھی جاتی ہے۔ پیغمبر صاحب کی بلوئی ہے۔

**قائدہ سورہ فاتحہ** کو مثنائی اسوجہ سے کہتے ہیں کہ نصف سورہ میں ثناء الہی مذکور ہے اور نصف میں دعائیں و قسم کے مضامین اس میں درج ہیں۔ حق اللہ اور حق عباد۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورہ الحمد کا نزول دوبار ہوا ہے ایک بار مکہ میں دوسرے بار مدینہ میں اس بھی اس سورت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ لا تمدن عینیات الی ما متعنا بہ اذواجہ منہم اور ان کافروں میں سے کئی قسم کے لوگوں کو دنیا کے چند روزہ فائدوں سے جو بہرہ مند کھا گیا

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝ ترجمہ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے (اُسکو کسی بڑی مصلحت ہی سے بنایا ہے اور قیامت ضرور ضرور آنے والی ہے) اے پیغمبر کافروں کی شرارتوں سے (عمدگی کے ساتھ درگزر کرو۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (سب کا) پیدا کرنے والا (اور سب کے حال سے) واقف ہے اور (اے پیغمبر) ہم نے تمکو (سورہ فاتحہ یعنی الحمد کی) سات آیتیں عطا فرمائیں جو نماز کی ہر رکعت میں (کر پڑھی جاتی ہیں اور (یہ قرآن کی ایک) بڑی عمدہ سورت ہے) تو یہ سب بڑی نعمت ہے اور وہ جو ہم نے ان کافروں میں سے کئی قسم کے لوگوں کو (دنیا کو چند روزہ) فائدوں سے بہرہ مند رکھا ہے تم ان پر اپنی نظر نہ دوڑاؤ اور (دین کی طرف انکی بے پروائی دیکھ کر ان) کے حال پر (افسوس بھی نہ کرنا اور مسلمانوں سے (گو کیسے ہی غریب ہوں ہمیشہ) جھک کر ملنا۔ اور ان لوگوں سے) کمد و کمین تو کھلے طور پر تم سب کو عذابِ خدا سے (ڈرانے والا ہوں۔

ان آیات کے ماقبل صحابہ حجرات قبضہ بیان ہوا ہے جو بایں عرب و شام کے ایک وادی میں رہتے تھے یہ بھی قوم ثمود کی ایک شاخ ہے انھوں نے صالح علیہ السلام کی نبوت سے انکار کیا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گئے پیغمبر صاحبِ زمانے میں جو مشرکین عرب ان قصوں سے واقف تھے۔ یہ خیال کرتے تھے کہ اگلی امتوں کیلئے تو خدا تعالیٰ نشانیاں دکھلاتا تھا اب کیوں نہیں دکھلاتا اور پھر وہ قومیں سرکشوں کی بدولت ہلاک ہو جایا کرتی تھیں اب ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ ان فضول خیالوں کو ظاہر کر کے رسول مقبول سے تسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کچھ انسان کے لیے سعادت و شقاوت ہے بس وہ اسی دنیا میں ہے کیسی قیامت کہاں کی

و تحمید میں مشغول رہو و کن من الساجدین تیسری بات یہ ہے کہ خدا کے جناب میں سجدہ کرو یعنی عبادت کرو حتیٰ یا تبارک الیقین چوتھی بات یہ ہے کہ ہمیشہ عبادت کے پابند رہو یعنی موت تک یہ چار باتیں ایسی ہیں کہ اس سے تنگی دل اور غم رفع ہو جاتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ ان چار باتوں کی موافقت عالم ربوبیت کے انوار کشف ہو جاتے ہیں۔ انسان کی نظر میں دنیا حقیر ہو جاتی ہے۔ اہل دنیا کی فضول گوئی کا کوئی اثر قلب پر باقی نہیں رہتا۔ اسی کو طب حانی کہتے ہیں۔ البدل شانہ نے امراض قلوب اور اس کے ازالہ کے نسخجات کا ذکر بھی ساتھ کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

دردمان ہر زبان کہ گویا شد	از شنایت چو مشک بویا شد
دل و جان را بعد و قربت تو	ہست در امر و در مشیت تو
دشنامے تو ہر کہ گر پڑ تر	گر چہ کا در ترست عاجز تر
مردایان ہمیشہ در کارست	زانکہ ایمان نماز ہم آراست
تا نداری سر اندازی	تو چہ دانی کہ چیت جان بازی

قوله تعالى وَكُلُوا اخذ الله الناس بظلمهم مما تراءوا عليها من دابة ولكن يؤخرهم لئلا  
اجلئهم فاذ جاء اجلهم لا يؤخرون ساعة ولا يستفيدون ثم رجمه اور اگر خدا بندگان  
کو انکی نافرمانیوں کی سزا میں پکڑتا تو روئے زمین پر کبھی تنفس کو باقی نہ چھوڑتا مگر وہ ایک وقت  
مقرر (یعنی موت تک) انکو ہلٹ دیتا ہے۔ پھر جب انکا (وہ) وقت آ پہنچتا ہے تو (اس سے)  
نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

تم اُن پر نظر نہ دوڑاؤ یعنی اُنکی دنیاوی خوشحالی کا رشک نہ کرو تم کو قرآن مجید دیا گیا ہے جو سب بڑی نعمت ہے وہ لا خزن علیہم اور دین کی طرف اُنکی بے پروائی دیکھ کر اُنکے حال پر افسوس بھی نہ کرنا و اخفض جناحک للمؤمنین اور مسلمانوں سے گو کیسے ہی غریب ہوں ہمیشہ جھک کے ملنا مقصد صرف یہ ہے کہ جب رسول مقبول کو اغنیا سے اعراض کرنے کا حکم ہوا تو ساتھ ہی فقرائے مسلمین کے ساتھ ملتفت ہونے کا حکم بھی دیا گیا و قلانی انا الذی المرسلین اولدان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تو کھلے طور پر تم سب کو عذاب خدا سے ڈرانے والا ہوں یعنی احکام شرعی کا ظاہر کرنے والا ہوں جو کوئی پابندی نہ کرے گا وہ عذاب الہی میں مبتلا ہوگا۔ ان پاک ہستیوں کو دیکھو اور ان پر عامل بنو تاکہ نفسِ امارت پر راستہ پر آجائے۔

قوله تعالى وَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَقَّ بَابِكَ الْيَقِينِ ۝ ترجمہ اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر جیسی جیسی باتیں کہتے ہیں اُنکی وجہ سے تم دل تنگ ہوتے ہو تو تم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ (اس کی تسبیح و تقدیس) کرو اور (اُنکی جناب میں) سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ تم کو امر یقینی (یعنی موت) پیش آئے۔

چونکہ کافروں کے بار بار تسخر و استہزا سے رسول مقبول کے دل پر بھی باقتضاے بشریت گرانی ہوتی تھی تو اس سچی بات کو یوں ظاہر کر کے کہ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر جیسی جیسی باتیں کہتے ہیں اُنکی وجہ سے تم تنگ دل ہوتے ہو و فِضِيقُ طَبِيعَتِکِی چار تری کہیں تہلائی لگئی ہیں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ دو باتیں تو یہ کہ تسبیح



فرشِ عمرت نوشتہ در شومی	این و فراش زنجی و رومی
باتو این طمراق و لاف و ہوس	تا دم آخرست ہمرہ و بس
بعد از ان راہ کفر و دینیت بود	نیک و بد مولس و قرینیت بود
نیک تو روضہ شود ز نعیم	بد تو حفرہ شود ز حجیم
برگناہان ہی کنی صرار	خویشتن را ز مردگان انکار
ہمہ فصل تو از تو کردہ سوال	یافتہ گوشمال خوردہ سوال
ناقص فصل تو علیم و بصیر	تو ز احوال خویش گشتہ ضریر

قوله تعالى وَمَا آتَيْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا تَبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ فَهَدَىٰ  
وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ترجمہ اور دے پیغمبر ہم نے تم پر (یہ) کتاب اسی غرض سے اتاری  
ہو کہ جن باتوں میں (یہ لوگ آپس میں) اختلاف کر رہے ہیں وہ انکو اچھی طرح سمجھا دو علاوہ ہر  
(یہ قرآن) ایمان والوں کے لیے (موجب) ہدایت و رحمت ہے۔

مشرکین کو اکثر مسائل دین یعنی مسائل توحید، جبر و قدر، اثبات معاد وغیرہ  
میں اختلاف ہو لہذا قرآن مجید میں ان مسائل کو بار بار بہت صراحت کے ساتھ بیان  
کیا گیا ہوتا کہ وہ ہدایت پذیر ہوں۔ چنانچہ اس سے قبل اَلَا اِنَّ اللَّهَ مَافِ السَّمٰوٰتِ  
وَ الْاَرْضِ اَلَمْ يَكُنْ فِيْكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ قَالَتِ الْيَهُودُ نَحْنُ نَحْمَدُ اللَّهَ مَا كُنَّا مَعَ رَسُوْلٍ مِّنْ قَبْلِكَ  
اس آیت میں مومنین کا ذکر اس واسطے کیا گیا ہے کہ وہی قرآن کی ہدایت کو مانتے ہیں اور  
اُسکے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ اچھی باتوں کا مفہوم عام ہوتا ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو مشرکین عرب کو خدا کے عذاب سے خوف دلایا کرتے تھے کہ عنقریب آنے والا ہے مگر وہ کہتے تھے کہ ابھی تو نہیں آیا۔ اگر آپ سچے ہیں تو عذاب جلد آجائے تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ آخر ہوتا کیا ہے اور یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اگر ہماری کردار سے کوئی بلا آئے بھی تو کیا پرواہ؟ فلاں فرشتہ اور فلاں دیوی جو خدا کے یہاں مختار کار ہیں اور شریک قضا و قدر ہیں وہ ہماری بلاؤں کو دفع دفع کر دیں گے۔ اس بیہودہ خیالی کا اس آیت کے قبل قرآن مجید میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہے۔ اب آیت زیر بیان میں یہ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ يَدْعُونَ إِلَهُمْ أَلَهُاتٌ مَّا تَرْكِبُهُمْ وَلَا يَرْكَبُ اللَّهُ الْإِنْسَانَ الْفَاسِقُونَ اگر خدا بندگان کو انکی نافرمانیوں کی سزا میں گرفت کرتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو باقی نہ چھوڑتا صرف باقضاءے رحمت درگزر کر کے عمر معین تک مہلت دیجاتی ہے اور نعمتیں عنایت ہوتی رہتی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا ان الظالم لا يضره الله نفسه ظالم دوسرے کو نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ اپنے نفس ہی کو ضرر پہونچاتا ہے حقیقت میں ایسا ہی ہوتا ہے اور صحیح مقولہ ہے فَاذْجَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ جب انکا آخر وقت آجاتا ہے تو اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ غرض کہ سب کفر و طغیان ایک وقت معین تک ہے آخر کار سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے کیے کی سزا پانا ہے اسلئے انسان کو ہر وقت خدا کا خوف پیش نظر رکھنا اور اسکی اطاعت میں سرگرم رہنا چاہیے۔

باجل باز بستہ اند این کار      بے اجل نیست کار را مقدار

کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے

علوم دین کے دو قسم ہیں اصول و فروع۔ اصول علم دین کا ذکر بتامہ قرآن مجید میں موجود ہے اور فروعات اسی کے تابع ہیں اور بعض فروعات کا ذکر بھی قرآن میں ہوا ہے اس لیے قرآن میں جو احکام موجود ہیں اسکی اتباع لازمی ہے و نزلنا علیک الکتاب سے بُشْرٰی الْمُسْلِمِیْنَ تک اسی کا ذکر ہے ان اللہ یا مری بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی شان نزول آیت عثمان بن مظعون جنہی سے یہ منقول ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ پہلے پہل تو میں رسول مقبول سے شرم کر کے مسلمان ہو گیا تھا مگر اسلام کی خوبی میرے دل نشین نہیں ہوئی تھی۔ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت فیضہ رجت میں حاضر ہوا اور آپ گفتگو فرما رہے تھے دفعۃً آپ نے اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر سیدھی طرف کو نیچے کر لیا پھر دوبارہ بھی آپ نے ایسا ہی کیا میں نے اسکی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ابھی اُٹنا ہے گفتگو میں سیدھے جانب جبریل نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد ان اللہ یا مری بالعدل والاحسان اللہ انصاف کرنے اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیتا ہے، کلمۃ توحید یعنی لا الہ الا اللہ کہنا عدل اور فرائض پر قائم رہنا احسان ہے وایتاء ذی القربیٰ اور قرابت داروں کی مدد کرنا وینھی عن الفحشاء والمنکر زنا اور خلاف شریعت کاموں سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے والبغی اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ عثمان ابن مظعون کہتے ہیں کہ اس بیان کے سنتے ہی میرے دل میں ایمان جا لیا گیا۔ اس وقت میں ابوطالب کے پاس گیا

لیکن بعض لوگ باقتضائے کج طبعی و قساوت قلبی انہیں منتفع نہیں ہوتے جنکے قلوب پر توہمت سے منور ہوتے ہیں وہ ان ہدایات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

سرفراز آن خدا نکوداند	زوشنوزانکہ خود ہموداند
ہر ترادر سرے غیب آرند	پردہ از پیش لے بردارند
خاک کی اجزائے خال ابند	پاک باید کہ پاک رہیں
در دماغے کہ دیو کبر مید	فہم تر آن از ان دماغ رسید
ہوش اگر گوشت مال حریب	سرفراز آن ز سورہ دریابد

قوله تعالى وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ  
 اِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِتِئَا ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ  
 لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ؕ وَاذْكُرُوا اِلَهَكُمْ اِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْفُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا  
 وَقَدْ جَعَلْتُمُوهَا اَيْمَانًا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ترجمہ اور (اے پیغمبر) ہمیں تمپر (دیر)  
 کتاب نازل کی ہے (جسمین) ہر چیز کا بیان (دشانی) ہوا اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور  
 خوشخبری۔ مسلمانو! اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا  
 اور قرابت والوں کو (مالی امداد) دینے کا اور سچائی (دے کے کاموں) اور ناشایستہ حرکتوں  
 اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے تم لوگوں کو (ایسی ایسی) نصیحتیں کرتا ہے  
 تاکہ تم (ان باتوں کا) خیال رکھو اور جب تم لوگ آپس میں قول و قرار کر لو تو اس کی قسم کو پورا  
 کرو اور قسموں کو انکے پکا کیے پیچھے نہ توڑو حالانکہ تم اس کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو کچھ شک نہیں

افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اسلئے تمام کاموں میں درجہ توسط بہتر ہے۔ احکام شرعی کا تعلق یا تو اعتقادات سے ہے یا اعمال جو ارجح سے اسلئے اسلام میں اعتقاد و عمل میں بھی درجہ توسط ہی کو قائم کیا گیا چنانچہ بعض اہل مذہب کا یہ اعتقاد ہے کہ خداے تعالیٰ بندوں کے گناہوں سے بالکلیہ درگزر فرماتا ہے یہ درجہ تفریط کا ہے اور بعضوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اگر بندہ عار سے ایک گناہ سرزد ہو تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے حوالے ہو جائے گا یہ افراط کا درجہ ہے اور درجہ عدل یہ ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے گا یعنی توحید کا مقرب ہو گا اسکو دوزخ سے نجات ملیگی۔ اسی طرح شرع موسوی میں قتل عمد میں قصاص لازمی ہے جو افراط کا درجہ ہے اور دین عیسوی میں عفو جائز ہے جو تفریط ہے مگر مذہب اسلام میں قتل عمد میں قصاص بھی جائز ہے۔ دیت کا لینا بھی جائز ہے اور بعض اوقات عفو بھی جائز ہے یہی درجہ وسط ہے اور یہی عدل ہے۔ اور ایسا ہی دین موسوی میں حائضہ عورت سے سخت پرہیز کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حائضہ عورت گھر کے باہر کر دی جاتی ہے جو افراط کا درجہ ہے (ایسا ہی عمل ہنود میں بھی رائج ہے) عیسوی مذہب میں حائضہ عورت سے وطی جائز ہے جو بالکلیہ تفریط ہے اسلام میں حائضہ عورت سے وطی جائز نہیں ہے تاکہ خون فاسد کا بد اثر نہ ہو۔ لیکن اسکو گھر سے جدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی درجہ توسط کا ہے۔ اور اسی طرح مسئلہ ختان ہے۔ ختنہ کرنے میں حکمت ہے کہ جلد قرضیب فطر تا شدید الحس ہے اسلئے جماع کی خواہش اُس میں زیادہ ہوتی ہے کثرت جماع کی آفتوں سے بچنے کے لیے مذہب مانویہ میں جنسی کرنا جائز ہے اور اس چھوٹیکے اعلیٰ حالہ چھوڑ دینا تقویت خواہش کا باعث ہے۔ اور یہ دونوں حالتیں افراط و تفریط سے خالی نہیں

اور یہ کیفیت بیان کی تو ابوطالب نے کہا کہ اے قریش اگر تم میرے برادر زادہ کی اتباع کرو گے تو راہ راست پر آ جاؤ گے وہ اپنے دعوے میں سچے ہوں یا چھوٹے مگر انکی تعلیم مکرم اخلاق سے بھری ہوئی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے اس برتاؤ کو دیکھا کہ ماہل بلینت ہے تو آپ نے کہا کہ اے چچا آپ دوسروں کو تو میری اتباع کی ترغیب دلاتے ہیں مگر آپ اپنے کو باز رکھتے ہیں۔ افسوس کہ ابوطالب نے اسلام لانے سے انکار کیا اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكَ لَا تَصَدِّىْ مِنْ اَحَبِّتٍ وَلٰكِنْ اَللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ عَدْلٌ وَّ اِحْسَانٌ كى تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ العَدْلُ خلع الانداد عدل یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے والا حسان ان نعبد اللہ کائنات تراہ احسان یہ ہے کہ خدا کے تعالیٰ کی عبادت ایسی حضور قلب سے کی جائے گویا اسکو دیکھ رہے ہیں اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے فَاِنْ لَعَنَتْكَ تِلْكَ فَانْهَ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ الْكَرِّمُ اللّٰهُ كَوْنَهُ دیکھ سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمکو دیکھ رہا ہے۔ معیار احسان یہ ہے کہ جس چیز کو تم اپنی ذات کے لیے پسند کرتے ہو وہ غیر کے لیے بھی پسند کرو۔ اگر مومنین کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گے تو تمھارے ایمان میں تقویت ہوگی۔ اگر کافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گے تو انکے دل میں بھی یہ بات بسید ہو جائے گی کہ وہ تمھارے برادر دینی بن جائیں۔ غرض کہ اس آیت شریف میں تین امور کا حکم ہوا اور تین امور کی ممانعت ہوئی ہے یعنی عدل۔ احسان اور صلہ رحم کے اختیار کرنے کا حکم ہے۔ فحشاء۔ منکر۔ بغی۔ سے ممانعت ہوئی ہے۔ واصل عدل درجہ توسط کو کہتے ہیں جو

۱۔ پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۱۲

بہت ہی لطف کے ساتھ اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

می خور و صحت بسوزد آتش اندر کعبہ بن ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن  
لفظ منکر سے یہی صفت مراد ہے۔ قوت شیطانی کا مقتضایہ ہے کہ انسان جاہ و ترغ کا خواہان  
ہوتا ہے اور تقدم و ریاست کا طلب گار تاکہ مجسموں پر غالب رہے اسی مفہوم کو لفظ بغی سے  
ادا فرمایا گیا ہے یظکم لعنکم تذکرون سے نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء کے  
مضمون پر جواب دے آیات میں مذکور ہر خیال رکھنے کی توجہ دلائی گئی ہے۔ جو ہر نفس انسانی  
در اصل پاک و منزه ہے جس کا شمار زمرہ ملائکہ میں ہے اور وہ ارواح عالیہ قدسیہ کا نتیجہ ہے جب  
اس کا ظہور اس عالم میں ہوا تو وہ تعلقات سے بالکل متبرار رہے جن تین امور کے کا حکم ہوا  
ہے وہ موجب ترقی انسان ہیں جو لوگ اعمال صالحہ کو کرتے ہیں وہی قرب درگاہ رب العزت حاصل  
کرتے ہیں ان کا شمار ملائکہ مقربین میں ہے اور جن تین باتوں کی ممانعت ہوئی ہے اگر انکی طرف طبیعت کا  
میلان ہو تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے و او خوا بعد اللہ اذا عاهدتم جب تم  
آپس میں قول و قرار کرو تو اس کی قسم کو پورا کرو عہد سے بالخصوص بیعت اسلام مراد ہے جو رسول مقبول  
کے ہاتھ پر کی گئی تھی اس کا نقض جائز نہیں ہے اللہ الذین ینایعونک انما ینایعون اللہ ید اللہ  
فوق ایدہم اور عموماً مسلمانوں کو قسم و عہد کا پاس کرنا چاہیے کہ ترک قسم بری بلا ہے اور معاہدہ کا  
توڑنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ عہد کسی مسلمان سے کیا گیا ہو یا کافر سے جاہلیت میں یہ دستور تھا

ترجمہ (اے پیغمبر جو لوگ صلح حدیبیہ کے وقت تمھارے ہاتھ پر (ظہر نے کی) بیعت کر رہے ہیں وہ تم سے نہیں بلکہ

خدا سے بیعت کر رہے ہیں یہ کہ تمھارا نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر ہے ۱۲

اسیلے اسلام میں ختان کا حکم ہوا جو حالت بین بین ہر ان سب مثالوں سے واضح ہو سکتا  
ہو کہ وجہ عدالت محمود ہر عدل میں اگر مبالغہ ہو تو وہی احسان ہر مثلاً عبادت میں اعلیٰ  
فرائض و واجبات عدل ہر۔ اگر کوئی شخص نوافل زیادہ پڑھے تو وہ احسان کا درجہ ہو۔ کیونکہ  
عبادت کی زیادتی استغراق شہو و مقام عبدیت و ربوبیت کے باعث ہوتی ہے جو دراصل درجہ  
احسان ہو۔ ادا اے احکام الہی اور شفقت علی الخلق میں درجہ احسان کا پیش نظر رکھنا  
خاصان خدا کا کام ہر شفقت علی الخلق کے اقسام بھی بہت ہیں۔ سب میں اشرف و اعلیٰ صلہ  
رحم کی پاسداری ہو۔ لہذا آیت زیر بیان میں عدل و احسان کے بعد ایت اذی القربی کا حکم  
ہوا ہے اس ترتیب قرآنی پر ذرا گہری نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ قرآن مجید کا لفظ لفظ اعجاز  
ہے۔ غرض کہ اوپر ثلاثہ کا ذکر تو اس طرح بیان کیا گیا اس کے ساتھ نو اسی ثلاثہ کا ذکر ہوا ہے یعنی خشاء  
منکر۔ بغی کا اسکے سمجھنے کے لیے اس بات کا ذکر کر دینا ضرور ہے کہ نفس انسانی میں چار قوتیں  
رکھی گئی ہیں۔ قوت شہوانی۔ قوت غضبی۔ قوت شیطانی۔ قوت ملکی۔ ان چار قوتوں میں قوت ملکی  
تو اصلاح و تہذیب کی محتاج نہیں ہے کہ وہ خود ارواح قدسیہ کا نتیجہ ہے جو کچھ اصلاح کی ضرورت  
ہو وہ باقی تین قوتوں کے لیے ہے۔ قوت شہوانی کا یہ کام ہے کہ وہ طبیعت کو لذت و شہوات کی  
طرف مائل کرتی ہے اسی کو فحش کہتے ہیں۔ چنانچہ زنا کو لفظ فاحشہ کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر  
کیا گیا ہے انہ کان فاحشہ و ساء سبیل ابس خلاف شریعت لذتوں سے باز رہنے کا حکم بھی  
عن الفحشاء سے ہوا قوت غضبی کا ہمیشہ سے یہ کام ہے کہ درپہ آزار مخلوقات ہے اسی میں  
اُسکی لذت ہے۔ اسیلے غیظ و غضب کو نظر کراہت سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ اس مضمون کو



(اجر) اس کے پاس ہر وہ (ہمیشہ ہمیشہ) رہے گا اور جن لوگوں نے (دنیا میں) صبر کیا اُن کو (قیامت کے دن) اُن کے (اس) بہترین عمل کا صلہ ہم ضرور عطا فرمائیں گے جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اُسکی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور انکو (آخرت میں بھی) اُن کے (ان) بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے تو دے پیغمبر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے وسوسوں) سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا کچھ قابو نہیں (چلتا) اُسکا قابو تو انھیں لوگوں پر (چلتا) ہے جو اُسکے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شرکاء اٹھرتے ہیں اُسکے قبل نقض عہد و حلف سے بچنے کا ذکر ہوا ہے اور اب یہ ارشاد ہوتا ہے مَا عِنْدَكُمْ

يَنْفَعُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ اگرچہ مال و متاع دنیا کی محبت میں عہد اسلام کو توڑ دیا جاتا ہے مگر یاد رہے کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں مال و متاع و نیوی چند ان قابل و قوت نہیں ہے کہ یہ چند روزہ ہر اور وہ دالمی و لجزین الذین صبروا باحسن ما کانوا یعملون جن لوگوں نے دنیا میں صبر کیا اور شریعت کے پابند رہے انکو آخرت میں انکے بہترین عمل کا صلہ بھی دیا جائیگا من عمل صالحاً امن ذکرا و انثی و هو مؤمن فلنخیبہ فی حیوۃ طیبہ و لنجزیہ ہم اجرہم باحسن ما کانوا یعملون جو شخص نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو خدا کے فضل سے اُسکی دنیوی زندگی بھی اچھی طرح بسر ہوگی اور آخرت میں بھی نیک اعمال کا صلہ ملیگا حیات طیبہ سے مقصود یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ رزق حلال عطا فرمائے گا جو زندگی حلال کھانے سے ہوگی وہی اچھی ہے اور بعضوں نے حیات طیبہ سے قناعت مراد لی ہے کیونکہ

کہ ایک قوم سے معاہدہ کرنے کے بعد دوسری زبردست قوم سے ساز و باز کر کے معاہدہ کو توڑ دیا جاتا تھا اسلئے معاہدہ کا توڑنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ معاہدہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر تمام دینی و دنیوی کاروبار کا مدار ہے۔ ولا تنقضوا الايمان بعد توكيد ها اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑا جائے یہ پہلے مضمون کی تاکید ہے وقد جعلتم الله عليكم كفيلا جبکہ حلف کی تکمیل خدا کے نام سے ہوتی ہے تو خدا اس معاہدہ کا کفیل ہو جاتا ہے اسکا خلاف ہرگز جائز نہیں ہے ان الله يعلم ما تفعلون جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے بخوبی واقف ہے۔ اس سے ترغیب و ترہیب مقصود ہے یعنی معاہدہ پر اگر قائم رہو گے تو اسکی نیک جزا ملیگی والا نقض عہد کا خمیازہ اٹھانا پڑیگا۔ ان آیات کے مفہوم پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ اصلاح نفس کے لیے کیسی پاک تعلیم ہوئی ہے بالخصوص قسم کا پاس معاہدہ کی حفاظت ضروری قرار دی گئی ہے کیونکہ تمام معاملات دنیا و دین کا استحکام اسی سے ہے اگر انسان اپنے قول و قرار کا پکا نہ ہو تو اسکا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اسکو وقار کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اور وہ خدا کی نظر عنایت سے بھی گر جاتا ہے۔

قوله تعالى مَا عِنْدَكُمْ يَفِذُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْكِتَابِ وَكَانُوا يُؤْتُونَ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَإِذَا تَفَرَّقَتِ الْقُرْآنُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَكَبِيرُ السُّلْطَانِ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رِيحِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِالَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ترجمہ جو مال و متاع دنیا تمہارے پاس ہے (وہ سب ایک ایک دن) نذر ہو جائے گا اور جو

کاموں کی تکمیل نہیں ہوتی۔

قوله تعالى ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ لَكُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ترجمہ (اے پیغمبر لوگوں کو عقل کے کاموں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور اُنکے ساتھ بحث (بھی) کرو تو) ایسے طور پر کہ وہ (لوگوں کے نزدیک) بہت ہی پسندیدہ ہو (اے پیغمبر جو کوئی خدا کے رستے سے ٹھک کا تمھارا پروردگار اُس (کے حال) سے بخوبی واقف ہو اور (نیز) وہ اُن (لوگوں کے حال) سے بھی بخوبی واقف ہو جو راہ راست پر ہیں اور مسلمانوں! دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمھارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر (لوگوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہو اور (اے پیغمبر تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا (کی توفیق) کے بدون تو تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان (مخالفوں کے حال) پر افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو تمھاری مخالفت میں تدبیریں کیا کرتے ہیں اُس سے دل تنگ نہ ہو (کیونکہ) جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو (لوگوں کے ساتھ) حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اسدان کا ساتھی ہو۔

ان آیات کے قبل قرآن مجید میں رسول مقبول کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا

حریص ہمیشہ محبت کہ وکاش میں مبتلا رہتا ہوا اسکی زندگی اچھی حالت میں نہیں گزرتی پایہ کہ  
 مومنین کا قلب انوار معارف الہی سے روشن اور بکھرا ہوا ہوتا ہوا سیلے اُنکے دل میں دنیا کے  
 رنج و ملال کی سمائی نہیں ہوتی اس لحاظ سے مومنین کی حیات کو حیات طیبہ کہتے ہیں فاذا  
 قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطن الرجیم اے پیغمبر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان  
 کے وسوسوں سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو اسکے قبل نیک اعمال کے اختیار کرنے کی ہدایت  
 ہوئی ہو چونکہ قرآن کا پڑھنا تمام اعمال خیرین بہترین عمل ہو اسلیے اسکے پڑھنے کا طریقہ بتلایا گیا کہ  
 کہ قرآن شروع کرنے سے قبل شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگی جائے۔ گو اس آیت میں  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں مگر مفہوم عام ہر شخص کو چاہیے کہ قرآن مجید پڑھنے کے  
 پہلے اعوذ پڑھا کرے۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا ہر تود و سرون سے  
 بدرجہ اولیٰ المتعلق ہوا اس حکم سے اس بات کا احتمال تھا کہ شیطان کو قوت تصرف بھی حاصل ہو  
 جس سے بچنے کے لیے یہ حکم ہوا ہوا اس وہم کو یوں دفع فرمایا گیا ہوا لیس لہ سلطان علی  
 الذین امنوا علی دہم یتوکلون جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اُن پر  
 شیطان کا کچھ قابو نہیں ہر صرف وہ وسوسہ انداز ہر جب نعوذ پڑھا جاتا ہو تو خدا اُس کے  
 وسوسہ کو دفع کر دیتا ہوا انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ہم مشرکون شیطان  
 کا قابو تو انھیں لوگوں پر چلتا ہوا جو اسکے ساتھ ارتباط رکھتے اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہرتے  
 ہیں کیونکہ وہ شیطان کے بہکانے سے ہی مشرک ہو گئے ہیں۔ اور اُس کے بس میں ہیں۔ دیکھو  
 نیک کاموں کے کرنے کی ہدایت کیسے عمدہ پیرایہ میں ہوئی ہو جب تک خدا پر اعتماد نہ ہو اچھ

ادع الے سبیل ربك سے احسن تک آیت کا یہی مفہوم ہے ان ربك ہو اعلم  
 بمن ضل عن سبيله جو کوئی خدا کے راستہ سے بھٹکے خدا اسکے حال سے بخوبی واقف ہے  
 یعنی رسول مقبول کا کام صرف ان مذکورہ طریقوں سے تبلیغ اسلام کے فرض کو ادا کرنا ہے  
 ہدایت کا عطا فرما نا خدے غر و جل کا کام ہے وہو اعلم بالمہتدین اور خدا ان لوگوں کے  
 حال سے بھی اچھی طرح واقف ہے جو راہ راست پر ہیں کیونکہ نفوس بشریہ مختلف الماہیت  
 ہیں بعض نفس ایسے صاف و پاک ہیں کہ انکو کثافت جسم سے کم تعلق ہے۔ بعض ایسے کثیف  
 ہیں کہ وہ عالم ارواح کی طرف ملتفت نہیں ہوتے کدورت جسم سے ہی انکو زیادہ لگا ہے  
 قدرتاً ہر ایک مخلوق کی فطرت و ماہیت جدا جدا ہے فطرۃ اللہ التي فطرنا اس علیہا  
 لا تبدل الخلق اللہ اور پھر ارشاد ہوا کہ فان عاقبتہم فعاقبوا مثل ما عوقبتہ یہ مسلمانو!  
 دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ  
 کی گئی ہے یعنی مخالفین کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے کسی بات میں  
 حد سے تجاوز نہ ہو کہ وہ ظلم میں داخل ہے اسلام میں ظلم روا نہیں ہے ولئن صبرتم لہو خیر  
 للصابین اگر مخالفین کی ایذاؤں پر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے  
 یعنی انتقام سے عفو بہتر ہے و اصبروا و صبر کرو یہ حکم ہے کہ صبر کرنا ہی چاہیے اگر ہدایت کی قوت  
 فریق ثانی کی طرف سے خشونت کا برتاؤ ہو تو اسکا تحمل مشکل ہوتا ہے اسلئے ارشاد ہوا کہ وما  
 صبرک الا باللہ خدا کی توفیق کے سوا صبر ہو نہیں سکتا بات یہ ہے کہ صبر ہو یا اور کوئی نیک  
 کام ہو بدون عنایت الہی کے اسکا وقوع ہو نہیں سکتا ولا تلک فی ضیق مما یمکرون

حکم دیا گیا ہے جس سے کفار کو اسی بات کا بتلا دیتا مقصود ہے کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے  
 اہل اسلام ابراہیم علیہ السلام کے پاک طریقہ کے متبع ہیں جسکو اور قوموں نے ترک کر دیا ہے اسکے بعد  
 ہدایت مخلوقات کے طریقے بتلائے گئے ہیں۔ پس حکمت آمیز۔ نصائح حسنہ مناظرہ پسندیہ  
 کیونکہ ثبوت میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ تین قسم کے ہی ہوتے ہیں یعنی وہ دلائل  
 قطعی جنکے تَقْضِی کا احتمال نہ ہو تو ایسے دلائل کا نام حکمت ہے اگر انہیں کچھ ظن کا احتمال  
 ہو تو وہ مغوط حسنہ میں داخل ہیں۔ اگر دلائل سے طرف ثانی پر الزام قائم کرنا مقصود  
 ہو تو وہ جدل ہے جدل کے بھی دو قسم ہیں ایک وہ حجت جسکی ترتیب اُن مقدمات سے ہوتی  
 ہے جو مسلمہ جمہور علماء میں ایک وہ جسکی ترتیب انھیں دلائل سے ہوتی ہے جسکو قائل اپنے  
 زعم میں صحیح مانتا ہے غرض کہ اس قسم کے دلائل سے جو بحث ہوتی ہے وہ مجادلہ حسنہ میں داخل  
 ہے بہر کیف جس طرح دلائل کے تین قسم ہیں۔ علماء بھی تین قسم کے ہیں ایک تو کاملین جو طالب  
 معارف حقیقت و علم و یقین ہوتے ہیں۔ جب ایسے علماء سے مکالمہ کی ضرورت داعی  
 ہو اور انکو دین اسلام کی ہدایت کرنا مقصود ہو تو دلائل قطعیہ سے ہی بحث ہونا چاہیے  
 جو تعریف حکمت میں داخل ہیں۔ اور ایک گروہ علماء ہے جنکے بحث و مباحثہ کا مقصود صرف  
 خصم کا مغلوب کرنا ہوتا ہے حقیقت علم سے انھیں کچھ سروکار نہیں ہوتا جب ایسے علماء سے  
 بحث پیش آئے اور انکی ہدایت مطلوب ہو تو دلائل جدلی کو احسن طریقہ سے استعمال  
 کرنا چاہیے۔ طبقہ علماء میں اس گروہ کو ناقصین کہتے ہیں اور ایک گروہ متوسط ہے جو فطرت  
 صلی اور سلامت طبع سے موصوف ہیں ان لوگوں کے ساتھ مغوط حسنہ سے کام لینا چاہیے

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ  
 وَمَنْ قَتَلَ مَطْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا أَفْهَمَ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا  
 وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوَّابُ الْعَهْدِ إِنَّ  
 الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا وَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ إِذَا كُلْتُمْ مِنْهُ نُوَابِ الْقُسْطِ السُّتْقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ  
 وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا وَلَا تَقْفِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ  
 أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا وَلَا تَمْسُقْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَ  
 لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ذَلِكَ جَاءُ  
 أَخِي إِلَيْكَ رَبِّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْفَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا  
 مَذْحُورًا ترجمہ اور تھائے پروردگار نے حکم قطعے دیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا  
 کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب،  
 اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے آگے  
 ہون بھی نہ کرنا اور نہ انکو جھڑکنا اور ان سے کچھ کہنا (سننا ہو تو) ادب کے ساتھ کہنا (سننا،  
 اور محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکا رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا  
 کہ اے میرے پروردگار جس طرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے پالا ہے اور میرے حال پر رحم  
 کرتے رہے ہیں (اسی طرح تو بھی ان پر) اپنا رحم کیجیو۔ (لوگو!) تھائے دل کی بات کو تمھارا  
 پروردگار خوب جانتا ہے اگر تم (حقیقت میں) سعادت مند ہو (اور تم سے مان باپ کے حق  
 میں بھولے سے کوئی فروگزاشت بھی ہو گئی ہوگی) تو وہ تمکو معاف کر دیکر کیونکہ وہ توبہ

اے پیغمبر خالفون کے حال پر افسوس نہ کرو وہ جو کچھ مخالفت میں تمہاری تدبیریں کرتے ہیں اس سے آزرہ خاطر نہ ہو۔ چونکہ جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بھی قتل ہوتے تھے اور انہیں قرابت اربعی شامل ہوتے تھے عجب نہیں کہ ایسی حالت میں عزیز و اقارب کے مائے جانے کا رسول مقبول کو صدمہ ہوتا ہوگا اسیلئے اُن پر افسوس نہ کرنے کا حکم ہوا ہے کہ وہ دین کے مخالف تھے کیونکہ یہ سب امور شیت ایزدی سے وابستہ ہیں جب انسان ایسے افکار میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اولاً انکے اثرِ بد سے خود بھی متاثر ہوتا ہے لہذا واقعات گزشتہ اور مشکلات آئندہ خیال کر کے تردد میں اپنے کو نہ پھنسانے کی تعلیم ہوئی ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون خدا اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آتے ہیں۔

قوله تعالى وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا أَمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَوْفَ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا وَأَيُّهَا الْقُرْبَىٰ حَقُّ الْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبْدِي ثَنَاءً لَهُ إِنَّ الْمُبْدِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا وَأَنَّا نَحْنُ عَنْهُمْ مَغْفِرُونَ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ رَجُّوهُمْ أَقْلَ لَهُمْ قَوْلًا مِّسْوَاهُ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا إِنْ رَبُّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا لَقِيَهُنَّ نَزْفُ فَهُم وَإِنَّا لَمُرَاتِبُونَ قَتَلْتَهُمْ كَانَ خَطَايَا كَبِيرًا



اور (لے مخاطب) جس بات کا تجھ کو علم (یقینی) نہیں (اُکلن چو) اسکے پیچھے نہ ہو لیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوتی ہے اور زمین میں اکر کر نہ چلا کر کیونکہ اس دھماکے کے ساتھ چلنے سے، تو زمین کو تو بچاڑ نہ سکے گا اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑ کی لمبائی کو پہونچ سکے گا اور (لے پیغمبر) سب باتوں میں جو جو بُری ہیں سب ہی تو تھکائے پروردگار کے نزدیک پسند ہیں اور (لے پیغمبر) یہ باتیں (بھی) ان عقل (و دانش) کی باتوں میں سے ہیں جن کو تھکائے پروردگار نے تھکائے طرف وحی کیا ہے اور خدا کے ساتھ اور معبود نہ بنانا اور نہ تم ملزم (اور) راندہ (درگاہ) بنا کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ گے۔

اسکے قبل اصل اصول ایمان یعنی توحید کا ذکر قرآن مجید میں وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ سے ہوا ہے اب آیات زیر بیان میں شرائط ایمان کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَٰهٖ خَدَّائے قطع حکم دیدیا ہے کہ اُسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے کیونکہ عبادت کمال فعل تعظیمی کو کہتے ہیں جس کا مستحق وہی نعم حقیقی ہے۔ وجود۔ حیات۔ قدرت۔ عقل وغیرہ اسے انعامات ہیں کہ سب خدا نے عروجِ بل کے قبضہ قدرت میں ہیں اور کسی کا بس اُن پر نہیں ہے و بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ خداے تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت ادا کرنے کے لیے حکم دیا ہے اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہوا ہے سب سے کہ گویا انسان کے پیدا کرنے کی قدرت تو اس کے سوا کسی کو نہیں ہے پیدایش کا سبب ظاہر ہی نیا میں مان باپ ہیں پس پہلے سبب حقیقی کی اطاعت ہوئی پھر سبب ظاہری کی امایا بلعن عندك الكبر احد هما او كلاهما اگر والدین میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو

کرنے والوں (کی خطاؤں) کا بخشنے والا ہو اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو  
 اُس کا حق پہنچاتے رہو اور (دولت کو) بیجا مت اڑاؤ (کیونکہ دولت کے) بجا اڑانے والے  
 شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے اور اگر تم کو اپنے  
 پروردگار کے فضل کے انتظار میں جسکی تم کو توقع ہو (بجوری) ان (غریب) سے تمہ پھیراؤ  
 تو نرمی سے انکو سمجھا دو اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیرو (گویا) گردن میں بندھا ہو اور نہ بالکل  
 اسکو پھیلا ہو (وہ ایسا کرے گا) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تمکو ملامت بھی کریں گے  
 (اور) تم تہمتیں بھی ہو گے (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار جسکی روزی چاہتا ہے سزا  
 کر دیتا ہے اور (جسکی روزی چاہتا ہے) اپنی تلی کر دیتا ہے (اور) وہ اپنے بندوں (کے حال) سے  
 باخبر (اور انکی ضرورتوں کا) دیکھنے والا ہے۔ اور (لوگو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل  
 نہ کرو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں اولاد کا جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے اور زنا کا  
 پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بیجائی ہے اور بہت ہی بُرا چلن ہے اور (کیسکی) جان کو جس کا  
 مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اُسکے والی  
 (وارث کو) قاتل سے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو اسکو چاہیے کہ خون (کا بدلہ لینے) میں  
 زیادتی نہ کرے کیونکہ (واجبی بدلہ لینے میں بھی) اسکی حیت ہے اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ  
 اسکے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسی طرح کہ یتیم کے حق میں بہتر ہو۔ اور عہد کو پورا کیا کرو  
 کیونکہ (قیامت میں) عہد کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پیالے کو بھر کر دیا کرو اور (تول کر  
 لینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھ کر تول کرو (معاملے کا) یہ بہتر طریق (اور) اسکا انجام بھی اچھا ہے

للاوابین غفوراً تم سے مان باپ کے حق میں بھولے سے کوئی فروگزاشت بھی ہو گئی ہو تو خدا سے تعالیٰ معاف کر دیگا۔ عہدِ امان باپ سے گستاخی کرنا منع ہے کہ وہ محلِ خوف ہے اگر دینِ دنیا کی بھلائی و سرسبزی مقصود ہو تو والدین کے وجود کو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ اس سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں ہے وراثتِ ذالقرابۃ حقہ والمسکین وابن السبیل لا تبذر تبذیرا رشتہ داروں غریب اور مسافر ہر ایک کو اُس کا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بیجا ست اڑاؤ۔ والدین کے بعد قریب کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے اور بلحاظ ترتیب ہر ایک عزیز کی خبر گیری لازم ہے اس کے بعد غریب و مسافروں کی پرداخت مد نظر رکھیں۔

عثمان ابن اسود کہتے ہیں کہ ایک بار میں مجاہد کے ساتھ طوان کعبہ میں مشغول تھا مجاہد نے کوہِ ابوقبیس کی طرف اپنے سر کو اٹھایا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس پہاڑ کے برابر مال کو خدا کی راہ میں صرف کرے تو وہ مسرفین میں داخل نہیں ہے ایک ہم بھی نئے کام میں حشر چ کرنا اسراف ہے۔

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول مقبول سعد کے پاس تشریف فرما ہوئے وہ وضو کر رہے تھے آپ نے پوچھا کہ اے سعد کیون پانی زیادہ خرچ کرتے ہو تو سعد نے عرض کیا میں وضو اچھی طرح کرنا چاہتا ہوں کیا وضو میں بھی کچھ پانی زیادہ صرف ہو جائے تو اسراف میں داخل ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وان کنت علی نہر جارسا اگر تم نہر جاری سے بھی وضو کرو تو زیادہ پانی صرف نہ کیا کرو۔ ان المبدرین کانوا اخوان الشیطان بیجا صرف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان زمرہ ملائکہ میں تھا اس نعمت کی قدر نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی۔

پہنچ جائیں یعنی بوجہ پیری کے دنیا کے کاروبار سے عاجز ہو جائیں تو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔

(۱) فلا تقل لہما اف مان باپ کے آگے ہون بھی نکرنا چاہیے یعنی خفیہ سے خفیہ گستاخانہ کلام سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۲) ولا تمہدھا مان باپ کو جھڑکانا چاہیے یعنی اُنکے قول کو رد کرنا چاہیے۔

(۳) وقل لہما قولا کما یماں باپ سے ادب کے ساتھ گفتگو کرنا چاہیے بلند آوازی سے گفتگو کرنا گھور کر دیکھنا خلاف ادب ہے۔

(۴) واخلض لہما جناح الذل من الرحمة محبت سے خاکساری کا پہلو اُنکے آگے جھکائے رکھنا یعنی مان باپ کے کضعف و بڑھاپے کی حالت میں ان کے ساتھ رحم و کرم کے ساتھ پیش آنا ضرور ہے۔

(۵) وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا مان باپ کے حق میں دعائے خیر کرنا کہ اے پروردگار جس طرح اٹھوں نے مجھے چھوٹے سے کوپالا ہو اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں اسی طرح تو بھی ان پر اپنا رحم کیجیو۔

اسکے بعد ارشاد ہوا کہ ربکہ اعلم بما فی نفوسکم تمہارے دل کی بات کو خدا اچھی طرح جانتا ہے عبادت الہی اور والدین کی خدمت گزاری خلوص دل سے کریں ظاہر و داری مقبول نہیں ہوں تو نواصا لحن اگر تم سعادت مند ہو خالصا لوجه اللہ عبادت کرنا مان باپ کی خدمت میں مشغول رہنا صالحن کا حصہ ہے۔ ہر ایک کو یہ بات نصیب نہیں ہوتی فانہ کان

مال کے خرچ کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ اعتدال کے ساتھ ہو ولا تجعل يدك مغلولة الے  
 عنقك سے یہ مراد ہے کہ اہل و عیال وغیرہ کے مصارف میں تنگی و بخل اختیار نہ کریں ولا تبسطها  
 کل البسط اور اسراف سے بھی احتراز کریں۔ آدمی خیر خیرات میں نہ تو ایسا بخل کرے کہ کٹھی کھلو  
 ہی نہیں اور نہ اتنی داد و دہش کرے کہ آپ تکلیف اٹھائے اور لوگ اُلٹے ملاست کریں پھر  
 تدبیر اور ترک احتیاط سے مصائب میں مبتلا نہ ہوں ان دیک بيسط الرزق لمن يشاء ويقدر  
 تمہارا پروردگار جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جسکی روزی چاہتا ہے پیچلی کر دیتا ہے  
 یعنی جسکے حق میں جب قدر مفید ہو اسے اُسی قدر دیتا ہے نہ کہ بعبادہ خیرا بصبر اوہ اپنے  
 بندوں کے حال سے باخبر اور انکی ضرورتوں کا دیکھنے والا ہے وہ ہر ایک کو بقدر مصلحت دیتا  
 ہے ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق لو گویا افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو عرب  
 میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی یہ سمجھ کر مار ڈالتے تھے کہ وہ کچھ کم نہیں سکتیں  
 برخلاف لڑکوں کے کہ وہ کمائی کر سکتے ہیں اور لوٹ مار میں باپ کے ساتھ شریک ہو سکتے  
 ہیں اور نیز غریب کی لڑکیاں اہل کفو میں قدر کی گاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھیں ناگزیر دوسرے  
 خاندان میں نکاح کر لینے کی ضرورت ہوتی تھی اسلئے ننگ مہار سے لڑکیوں کو زندہ دفن  
 کرتے تھے خداے تعالیٰ نے اس بد رسم کو ترک کرنے کا حکم فرمایا کہ نحن نرثهم وایا کہ ہم  
 انکو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ رزق کا دینا خدا کے اختیار میں ہے جیسا وہ مردوں کو  
 رزق دیتا ہے ویسا ہی عورتوں کو بھی دیتا ہے ان قتلهم کان خطا کبیرا بیشک انکا قتل کرنا  
 بڑا ہی گناہ ہے حقیقت میں اپنی اولاد کو مار ڈالنے سے بڑھ کر کوئی گناہ ہو نہیں سکتا۔

اسطرح مال بھی خدا کی نعمت ہو اور جو اسکو بچا اڑے تو وہ نعمت کی قدر نہ جانتے ہیں شیطان کا  
 بھائی ہو اور دولت بچا اڑا لیا جاتی ہے تو اکثر شیطانی حرکات اور ممنوعات شرعیہ میں اڑا لیا  
 جاتی ہے اس اعتبار سے بھی دولت کے بچا صرف کرنے والے شیطان کے بھائی ٹھہرے  
 اور ساتھ ہی شیطان کی یہ صفت بیان ہوئی ہے وکان الشیطان لربہ کلہو سراً شیطان خدا کا  
 بڑا ہی ناشکر ہے کیونکہ وہ اپنے اوقات فتنہ و فساد اور بُرے کاموں میں صرف کرتا ہے پس  
 جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مال و دولت دیا ہے اگر اسکو فضول کاموں میں  
 اڑا دیتے ہیں تو وہ بڑے ہی ناشکر ہیں اور جلد مفلس ہو جائیں گے اس آیت کے نزول  
 کی وجہ یہ ہے کہ عموماً عرب کی عادت تھی کہ لوٹ کھسوٹ کر کمال جمع کرتے تھے اور اسکو اظہارِ شان  
 و شوکت میں صرف کرتے تھے اور مشرکین قریش کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے مال کو زیادہ تر لوگوں کو  
 اسلام سے باز رکھنے یا اسلام کی توہین میں خرچ کرتے تھے تو ان بے افعال کے ترک  
 کے لیے یہ آیت نازل ہوئی واما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ربک ترجوا فقل  
 لہم قولا میسوراً اور اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جسکی تم کو توقع ہو چھوٹی  
 غراب سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے انکو سمجھا دو یعنی اگر عسرت کے سبب سے خوش اقبال  
 کی دستگیری ناممکن ہو تو انکو آہستہ و نرمی سے سمجھا دیا جائے خشونت کا برتاؤ نہ کیا جائے  
 ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتعطل ملوہ محسوراً اور اپنا  
 ہاتھ نہ تو اتنا شکیڑو کہ گویا گروں میں بندھا ہو اور نہ بالکل اسکو پھیلا ہی دو ایسا کر کے تو تم ایسے  
 بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم تہید ست بھی ہو جاؤ گے اس سے گویا

صدہام و عورت زنا کاری کے سبب اقسام کی بیاریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور دنیا سے نامراد اٹھ جاتے ہیں صدہام گھر برباد ہو جاتے ہیں اور آخرت کی روسیاسی مزید بران ہو ولا تقتلوا النفس اللتی حرّم الله الیہا لحق اور کسی کی جان کو جسکا مازنا اللہ نے حرام کر دیا ہو ناحق قتل نہ کرنا۔ کفر کے بعد کسی کا ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ زنا کی حرمت کا ذکر کرنے کے بعد قتل ناحق کا ذکر کیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ زنا سے انسان کا لطفہ ضائع ہو جاتا ہے اور قتل میں وجود انسان ضائع کر دیا جاتا ہے نظم بیان قرآنی پر غور کرنے سے عجیب نکات ظاہر ہوتے ہیں کہ جس سے اعجاز بیان کا ثبوت ملتا ہے قتل کے معنی ضرر کم میں ما جعل علیکم فی الدین من حرج وین اسلام میں کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الاکدھی بنیان الرب ملعون من ہدم بنیان الرب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ انسان خدا کی بنائی ہوئی عمارت ہے جس نے اس عمارت کو مٹا دیا وہ لعنتی ہے۔ انسان عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون تو انسان اپنے فرض کو اسوقت پورا کر سکتا ہے کہ جب اُسکا وجود باقی رہے ایسے ناحق انسان کا قتل کرنا جائز ہے الا بالحق کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب عارضی کے لاحق ہونے سے قتل بھی جائز ہے مثلاً قصاص کی حالت میں یا حالت ارتداد میں یا نکاح والا زنا کرنے کی صورت میں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے قال

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل کرنا تین صورت سے جائز ہے ایک تو مرد ہو جائنا دین اسلام

سے۔ دوسرے نکاح والا زنا کرے۔ تیسرے خون کے بدلے خون ۱۲

ولا تقربوا الزنا اذ كان فاحشة وساء سبيلا اور زنا کے پاس نہ جاؤ کہ وہ بے حیائی اور بہت بُرا چلن ہے۔ احکام قرآنی مصالح معاش و معاویہ پر مبنی ہیں چنانچہ فعل زنا کی قباحت پر غور کرو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے نسب میں خرابی پیدا ہوتی ہے باہمی حصہ ترکہ میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں زنا سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اُسکی تعلیم و تربیت کا کافی خیال نہیں ہوتا انکے ساتھ تعظیم و تکریم کا برتاؤ نہیں کیا جاتا وہ بیوقعتی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں دیدہ دانستہ اولاد ضائع ہو جاتی ہے جب عورت کو شرعی طور سے ایک شخص سے خاص تعلق نہ ہو تو وہ بے قید رہتی ہے جن مردوں سے اسکو تعلق ہوتا ہے کبھی انہیں باہمی کشت و خون کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ اکثر سنا گیا ہے کہ زانی عورتیں کمسن بچوں کو رسوائی کے خیال سے ماڈلتی ہیں۔ زانیہ عورت سے مرد کو الفت پیدا نہیں ہوتی زانی ابناے جنس میں کم نظری سے دیکھا جاتا ہے زنا کاری ایسا بقیع فعل ہے کہ بلحاظ نتائج کے انسان و بہائم کے افعال میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ازدواج سے مقصود شہوت رانی ہی نہیں ہے بلکہ امور خانہ داری میں زن و شوہر ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ مرد کا کام کمائی ہے تو عورت کا کام کفایت شعاری سے بال بچوں کی پرورش و تربیت میں اُسکا صرف کرنا ہے۔ امور خانہ داری کی دیکھ بھال عورت سے ہی متعلق ہے۔ ان سب کاموں کا انجام اطمینان سے اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ عورت کو ایک مرد سے تعلق ہو۔ اگر وہ مطلق العنان ہو تو تدبیر منزل میں فرق و نقصان عظیم پیدا ہو جاتا ہے عرض کہ کوئی دشمن اس فعل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا جو کوئی خدا کے حکم کے خلاف اس فعل کا ارتکاب کرے وہ بتلا سے آفات ہو جاتا ہے دیکھو



طریق سے لے سکتے ہیں جیسے مزدوری یا تجارت میں یا اہرت نگرانی میں بشرطیکہ ولی محتاج ہو واد فواہ العہد ان العہد کان مسئلہ اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ عہد کی باز پرس ہوگی جب فیما بین دو شخص کے جائز معاہدہ ہو جائے۔ جیسے معاہدہ بیع و شرکت و نکاح وغیرہ تو ہر کام ایفا واجب ہو۔ معصیت میں عہد جائز نہیں ہے واد فواہ الکیل اذا کلفہ اور جب ناپ کر دو تو پیانے کو بھر کر دیا کرو۔ ناپ کم کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے  
وَلِلَّطَافِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اُكْتُلُوا عَلَی الْمَآسِ سِتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُ اَوْ زَنَوْهُمْ جِئْسُوْنَ  
اور بھر حکم ہوا ورنہ ناپ القسط المستقیم اور تول کر دینا ہو تو ڈنڈی سیدھی رکھ کر تول کر دو  
اکثر ناپ تول میں خفیف فائدے کے خیال سے کمی کر دیا جاتی ہے۔ اسکا بڑا مواخذہ ہے  
جبکہ بیع و شرا کی عام طور پر ضرورت ہے اس لیے حقوق کے حفاظت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ  
نے کمی نہ کرنے کی ناپ تول میں سخت مانعت کر دی تاکہ کوئی گھائے میں نہ پڑے ذلک  
خیر و احسن تاویل و معاملہ کا یہ بہتر طریقہ ہے اور اسکا انجام بھی اچھا ہے۔ ناپ تول کی حفاظت  
کرنے والوں کا دنیا میں نیکی سے نام لیا جاتا ہے۔ انکا بیوپار بھی خوب چلتا ہے وہ آخرت کے  
عذاب سے بھی مصون رہیں گے۔ اور ثواب عظیم سے بہرہ مند ہوں گے ولا تغف  
ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئلہ جس بات کا  
علم یقینی نہ ہو اسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو کیونکہ کان۔ آنکھ۔ اور دل ان سب سے قیامت کے  
دن پوچھ ہوگی۔ یعنی جس بات کا کافی علم نہ ہو اُس میں اُحل سے حکم لگانے کی مانعت ہے یہ ایک  
اہم کلمہ فیہ اللون پر بڑی ہی تباہی ہے کہ لوگوں سے ناپ کر لین تو پورا لین اور جب انکو ناپ کرنا تول کر دین تو کم دین ۱۲

علیہ السلام لا یحِل دماغی مسلم الا باحدی ثلاث کفر بعد ایمان زنا بعد احسان و قتل  
 نفس بغیر حق اور تارک نماز کے قتل میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تارک  
 نماز کا قتل بھی جائز ہو مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے ومن قتل مظلوما  
 فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسوف اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اُس کے والی وارث  
 کو قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا گیا ہے تو اُس کو چاہیے کہ خون کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے  
 یعنی یا دیت لیوے یا عفو کر دیوے وان تعفوا اقرب للتقویٰ زیادہ سے زیادہ یہ قصاص  
 پر اکتفا کرے۔ ایام جاہلیت میں قاتل کے معاوضہ میں اُس کے قبیلہ کے لوگ مار ڈالے جاتے  
 تھے یا صرف قاتل پر قناعت نہ کر کے قاتل کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے جاتے تھے  
 ایسے وحشیانہ افعال دالمی بغض و عداوت کے باعث ہوتے تھے جس سے مدتوں  
 قاتل و مقتول کے قبیلوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور بندگان خدا  
 کی بربادی و تباہی ہوتی تھی انہ کان منصورا واجبی بدلہ لینے میں بھی اُسکی جیت ہے کہ ب  
 دنیا میں قاتل قصاص میں مارا گیا اور آخرت میں بوجہ مظلومیت بہت کچھ ثواب خدا کے  
 یہاں سے ملے گا۔ اور قاتل عذاب میں مبتلا ہوگا تو مقتول کی ہر طرح جیت رہی۔ ولا تقربوا  
 مال الیتیم الا بالقی ہی احسن حق ببلغ اشده جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ لے  
 اُس کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسی طرح پر کہ اس کے حق میں بہتر ہو۔ زنا اور قتل کی نعمت  
 تو اسوجہ سے ہوئی کہ اُس سے ہم بنیان انسانی لازم آتی ہے۔ جان کے بعد مال کا  
 درجہ ہے کہ مال کا اتلاف بھی جائز نہیں ہے۔ خاص کر مال یتیم تو بدرجہ اولیٰ لائق لحاظ ہے مگر جائز

جو باتیں بُری ہیں وہ سب تمھارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں۔ انھیں امور کی مانعت ہوئی ہے جنکو نہ اسی کہتے ہیں اور جو اعمال محبوب کرو گارہیں وہی اوامر میں دخل ہیں ذلک ہما وحی الیک ربک من الحکمة یعقل وانش کی باتیں ہیں جنکو تمھارے پروردگار نے تمھارے طرف وحی کیا ہے۔ ان آیات میں جن احکام کا ذکر ہوا ہے وہ تمام ادیان میں واجب العمل ہیں اور موجب فلاح داریں۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ نبوی علیہ السلام کو بھی یہ آیات محرمت ہوئے تھے ولا تجعل مع الله الهاء اخر فتلق فی جہنم لوما مہ حور اخدا کے ساتھ اور معبود نہ بنانا اور نہ تم ملزم اور راندہ و رگاہ بنا کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ گے پس مفہوم آیات پر غور کرو۔ ترک شرک۔ عبادت الہی۔ حقوق والدین۔ ترک بخل۔ میانہ روی۔ ممانعت تلف اولاد و قتل۔ ایفائے عہد۔ حفاظت اصول تجارت۔ ترک تکبر وغیرہ کی کس عمدہ پیرایہ میں ہدایت ہوئی ہے کیا اس سے بہتر بھی اخلاقی تعلیم ہو سکتی ہے۔

قوله تعالے اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْكَ الشَّمْسِ لَعَسَآ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ الْقُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَنَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْذُ الظَّالِمِيْنَ الْاَخْسَارُ اِنَّ الْاِنْسَانَ اَعْرَضَ وَنَاىْ بِجَانِبِيْهِ وَاِذَا مَسَّهُ الشُّرْكُ كَانَ يُّسٰٓءُ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِهِنَّ هُوَ اِهْدِیْ سَبِيْلًا وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ

وسیع مسئلہ ہے اگر اسکو بالاستیعاب لکھا جائے تو مضمون میں بہت طوالت ہو جائیگی اسلئے مختصراً  
 استفہار لکھنا کافی ہے کہ مشرکین کو مانعت ہوئی ہے کہ بوجہ تقلید آبائی جن مذہبوں کو وہ صحیح مانتے  
 ہیں اور جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں یہ طریقہ محض غلط ہے ترک کر دین کہ یہ طرزِ خواہشات  
 نفسانی پر مبنی ہے اور بس ان ہی الاسماء سمیت موہا انتم و آباءکم ما انزل اللہ بہا من  
 سلطان ان یتبعون الا الظن و ما تھوئے الا نفس ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت  
 کو شہادت سے متعلق کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ گواہی اس واقعہ کی دینا چاہیے کہ جو آنکھ سے  
 دیکھا گیا ہو یا کان سے سنا گیا ہو اور دل میں اچھی طرح محفوظ ہو۔ چونکہ واقعات کا علم یا  
 تو حواس سے حاصل ہوتا ہے یا عقل سے لہذا قیامت کے روز اعضا سے بھی سوال ہوگا کہ ان سے یہ پوچھا جائیگا  
 کہ ناجائز باتوں کو کیوں سنا گیا۔ آنکھ سے یہ سوال ہوگا کہ جن چیزوں کا دیکھنا محرمات میں  
 داخل تھا ان کو کیوں دیکھا گیا۔ دل سے یہ سوال ہوگا کہ جو امور قابلِ توجہ نہ تھے انکی نہجاً  
 کیوں توجہ کی گئی و لا تمش فی الارض سرحاً انک لن تحرق الارض ولن تبلغ الجبال  
 طولا زمین پر اکر کر چلا کرو و دھما کے سے چلنے سے زمین کو کوئی پہاڑ نہیں سکتا  
 اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔ جسکا مقصد یہ ہے کہ غرور و تکبر کو ترک کرین اور  
 عجز و انکسار اختیار کرین و عباد الرحمن الذین یعشون علی الارض ہونا انسان تو ایسا ضعیف  
 و عاجز ہے کہ نہ تو وہ دب کر چلنے کے وقت زمین کو پہاڑ سکتا ہے اور نہ سراونچا کر کے چلنے  
 کے وقت پہاڑوں کی اونچائی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ جبکہ انسان کی ایسی حالت ہے  
 تو غرور و تکبر شایانِ حال نہیں ہے کل ذلک کان سبیعہ عند ربک مکروہا لے پیغمبر

مشرکین مکہ کا یہ ارادہ تھا کہ کچھ کمزور فریب کر کے رسول مقبول کو مکہ سے نکال دیں یہ تو آپ سے کہا تھا کہ ملک شام کو چلے جائیے کہ وہ مسکنِ انبیاء ہاں اور آپ کا قصد بھی ہو گیا تھا مگر جناب باری کا ارشاد ہوا اقموا الصلوٰۃ لعلکم الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر لعلکم بغیر آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز میں پڑھا کرو اور نماز صبح بھی پڑھو مطلب یہ کہ کافروں کے وہی تباہی خیالات کا کچھ اندیشہ نہ کرو تم اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف رہو۔ اسرائیلی کو ششون کو باطل کر دیا شام ہو یا مکہ ب جگہ ایک ہی خدا ہو اسی کی نصرت و تائید سب کے ساتھ ہو جیسا کہ سورہ طہ میں ارشاد ہوا  
فاصبر علی ما یقولون و سجد یجد ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا و من اناء  
اللیل فسمی و اطراف النهار لعلک تدعی غرضکہ زوالِ آفتاب کے بعد سے  
رات کی سیاہی ہونے تک نماز ظہر عصر مغرب عشا پڑھا کرو اور نماز صبح بھی یعنی نماز پنجگانہ  
کے ادائی کا حکم ہوا۔ اکثر لوگ امراضِ قلوب میں مبتلا ہیں۔ حرص و نیا حسد ابناے جنس۔  
خیالاتِ تفاخر میں پھنسے ہوئے ہیں و نیا انکے حق میں بیمارستانِ ناہنجی ہو چونکہ انبیاء علیہم السلام  
بمنزلہ اطباءِ حاذقین کے ہیں۔ پس جب امراضِ قلوب قوی ہو جاتے ہیں تو انکے ازالہ کے لیے  
مؤثر معالجات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بالخصوص جب بیمار جاہل ہو یا ہر تو وہ طبیب کے  
حکم کی اطاعت بھی نہیں کرتا اور اس پر ہیز کا خیال رکھتا ہے جسکی ہدایت کی گئی ہو۔ لیکن  
تم (اے پیغمبر جیسی باتیں) یہ کافر کہتے ہیں ان پر صبر کرو اور آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور (زیر) اسکے  
ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اسکی تسبیح و تقدیس کیا کرو اور (زیر) رات کے دھن میں اور  
ردوپہرا دن کے (یعنی ظہر کے وقت بھی) تسبیح و تقدیس کیا کرو تا کہ تم (اس عبادت کا) صلہ پا کر خوش ہو جاؤ ۱۲

اَلَا قَلِيلًا ترجمہ دے پیغمبر آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر۔  
 عصر۔ مغرب۔ عشاء کی) نمازین پڑھا کر اور صبح (بھی) کیونکہ نماز صبح کا وقت نورِ ظہور کا  
 وقت ہے اور رات کے ایک حصہ میں (نماز) تہجد بھی پڑھا کر دو اور نمازین تو فرض ہیں اور یہ  
 تمہاری نمازِ نفل (ہے) عجب نہیں کہ (اسکی برکت سے) تمہارا پروردگار (قیامت کے دن)  
 تمکو مقامِ محمود میں پہنچا دے اور یہ دعا مانگا کرو کہ اے میرے پروردگار! آخر مجھکو مکہ  
 چھوڑ کر کسی جگہ جا کر رہنا ہی تو جہان، مجھکو (پہنچا دے خیر سے) اچھی جگہ پہنچائیو۔ اور  
 (جب) مجھکو کافروں کے نزعہ سے نکالے خیر سے) اچھی طرح نکال دو اور اپنے یہاں سے  
 مجھکو (دشمنوں پر) فتحیابی کے ساتھ غلبہ دیجیو اور (اے پیغمبر! لوگوں سے کہدو کہ (بسنِ  
 حق آیا اور (دین) باطل نیست و نابود ہوا اور (دین) باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہے) تھا  
 اور ہم نے قرآن میں ایسی ایسی باتیں اُتاری ہیں جو ایمان والوں کے لیے (امراضِ روحانی  
 کا) علاج اور موجبِ رحمت ہیں اور نافرمانوں کو تو اس سے اور (اُلٹا) نقصان ہی ہوتا ہے  
 اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو (اُلٹا ہم سے) منہ پھیرتا اور پہلو ہتی کرتا ہے  
 اور جب اُسکو (کوئی) تکلیف پہنچتی ہے تو اُس تو بڑبڑھتا ہے (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو  
 کہ ہر ایک اپنے طور پر عمل کرتا ہے پھر (تم میں سے) جو ٹھیک سیدھے رستے پر ہے تمہارا پروردگار  
 اسکو خوب جانتا ہے اور (اے پیغمبر! لوگ! تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو  
 (اُن سے) کہدو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (اسرارِ الٰہی  
 میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

آدھی رات کو اٹھ کر وضو کر کے نماز تہجد پڑھتے کبھی دو دو رکعت کی نیت کرتے کبھی چار چار رکعت کی۔ اخیر میں صبح صادق سے کچھ پہلے نماز وتر پڑھا کرتے تھے۔ کبھی دو رکعت پڑھ کر کچھ آرام فرماتے پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اسی طرح تمام رات گزار دیتے تھے۔ تمام انبیاء و صالحین کا قدیم دستور یہی رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شب کو نماز پڑھتے اور یاد الہی میں مشغول رہتے تھے اور آپ کے پاکباز حواریوں کا بھی یہی دستور تھا۔ مالک نے حضرت عائشہ رضی سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نفل چار چار رکعت پڑھتے تھے آخر میں تین رکعت وتر کی پڑھا کرتے تھے ایک روایت میں تیرہ رکعت بھی آئی ہیں عسی ان یبعثک ربک مقام محمود ا عجب نہیں کہ اسکی برکت سے تمہارا پروردگار رقیامت کے دن۔ تم کو مقام محمودین پہنچائے۔ مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یون فرمایا ہے ۱؎ ہو المقام الذی اشفع فیہ لامۃ چنانچہ اکثر صالحین دعا پڑھا کرتے ہیں وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ یغبطہ بہ الاولون والآخرون حذیفہ رضی سے روایت ہے کہ قیامت کے روز مقام سعید میں تمام لوگ جمع ہوں گے اور سب حالت سکوت میں رہیں گے پہلے بارگاہ رب العزت سے رسول مقبول کی یاد ہوگی آپ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے لبیک وسعدیک والشر لیس الیک والمہدی من ہدایت وعدک بین یدیک و بک۔ والیک لاملجاً

طبیعت کا تو یہ کام ہو کہ حتی الامکان مختلف تدابیر سے ازالہ مرض کی کوشش کرے بہر حال اگر صحتِ تامہ حاصل نہ ہو تو خیر بیماری میں کچھ تخفیف ہی ہو جائے۔ غرض کہ جب امراضِ حب دنیا طبیعتِ انسانی پر غالب ہوتے ہیں تو اس کا علاج یہی تھا کہ عبادتِ الہی کی طرف توجہ دلائی جائے۔ یہ علاج معمولی نہیں ہو کہ ہوا و حرص کو ترک کر کے خدائے تعالیٰ کی عبادت میں یک دم مشغول ہو جائے۔ اس لیے اس کی ابتدا سہولت کے ساتھ وقتِ بیداری سے شروع کی گئی کہ پہلے انسان نمازِ صبح کو ادا کرے تاکہ غفلتِ شب کا اثر اسکے دل سے دور اور خدا کے عظمت و جلال کے انوار سے منور ہو جائے پھر کچھ کچھ فصل کے ساتھ نمازِ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء کو ادا کرتا ہے تاکہ نسخہٴ تنویرِ قلوب کا استعمال روزانہ برابر جاری رہے اور نفس میں امراضِ فاسدہ کا اثر جمع ہونے پائے ومن اللیل فہجد بہ نافلۃ لک اور رات کے ایک حصہ میں نمازِ تہجد بھی پڑھا کر نمازِ تہجد ابتدائے اسلام میں فرض تھی مگر بعد میں سہولت کے لحاظ سے یہ حکم منسوخ ہوا اور تہجد کی نماز نفل کر دی گئی۔ نفل کے معنی زائد کے ہیں نمازِ پنجگانہ کے سوا اگر کوئی تہجد بھی پڑھے تو اس کو زائدِ ثواب حاصل ہوگا۔ مجاہد و سدی نے نفل کی یوں تفسیر کی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول کے پچھلے اور اگلے گناہوں کو معاف کر دیا تھا تاہم آپ ہمیشہ نمازِ تہجد حصولِ کثرتِ ثواب کے لیے پڑھا کرتے تھے اس لیے نافلۃ لک کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ صحابہ نے اس بارہ میں پوچھا کہ آپ کے گناہ تو سب معاف کر دیے گئے پھر آپ اس قدر کیوں شقت اٹھاتے ہیں تو حضور اقدس نے فرمایا افلا اکون عبدًا شکوہا کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



آپ کو مدینہ سے شام کے طرف جانے کی رغبت دلائی تھی اور آپ شام کی طرف روانہ ہو گئے تھے مگر جناب باری کا حکم ہوا کہ مدینہ ہی کی طرف عود کرو تو اس وقت دعا کا یہ مقصود ہر کہلے پروردگار اول تو مجھ کو مدینہ میں پہنچائے پھر وہاں سے مکہ میں داخل کرنے واجعل لے من لدنک سلطاناً نصیراً اور میرے لیے اپنی طرف سے فتحیابی کے ساتھ غلبہ طافرا اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جاء الحق و زهق الباطل دین حق آیا اور دین باطل نیست و ابود ہوا یعنی دین محمدی اور شریعت اسلام کا ظہور ہوا۔ دوسرے ادیان باطل کیے گئے کفر و بدی کا زمانہ دور ہو گیا نور صداقت کا دور دورہ شروع ہو گیا حدیث میں وارد ہے کہ فتح مکہ کے روز جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے پاس تین سو ساٹھ بت لکھے ہوئے تھے اس آیت شریف کو پڑھ کر جس بت کی طرنت آپ لکڑی سے اشارہ فرماتے تھے وہ مٹھ کے بل گر پڑتا تھا و نزل من القرآن ما هو شفاء و رحمۃ للمؤمنین اور سہنے قرآن میں ایسی ایسی باتیں تھیں جو ایمان والوں کے امراض روحانی کا علاج اور موجب رحمت ہیں جس طرح قرآن امراض روحانی کا علاج ہے ایسی ہی امراض جسمانی کی بھی شفا کا باعث ہے۔ امراض روحانی دو قسم کے ہیں ایک تو اعتقادات باطلہ دوسرے اخلاق ذمیمہ قرآن مجید میں حقانیت اسلام کے ایسے قوی دلائل مذکور ہیں کہ جن سے عقائد فاسدہ زائل ہو جاتے ہیں اسی طرح نیک اخلاق کی تعلیم کا حال ہے جس سے شرک و کفر کا ازالہ ہو جاتا ہے احکام قرآنی کی پابندی سے انسان نئے افعال سے محترز رہتا ہے جو باعث صحت جسمانی ہیں قرآن مجید کی تلاوت سے امراض جسمانی کو خدائے تعالیٰ دفع فرماتا ہے

وَلَا مُنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سُبْحَانَكَ رَبَّ الْبَيْتِ اور  
 پھر بازار شفاعت گرم ہوگا اور رسول مقبول عاصیوں کی شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے  
 حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک سب انبیاء نفسی نفسی کہیں گے اور آپ  
 امتی امتی فرمائیں گے خیر

لا ان محمد شافع ہر داغ بود	کہ ز جز حق چشم ارماز غ بود
در شب دنیا کہ محبوب ست شید	ناظر حق بود زو بودش امید
از الم نشرح و چشمش سر میافت	دید آنچه حبس ریل آن بر تافت
مریثے را کہ سرہ حق کشد	گردا و دُرستیم بار شد
نور او بر ذرا غالب شود	آینخان مطلوب را طالب شود

ترتیب شفاعت کا ذکر احادیث میں صراحت سے مرقوم ہے و قل رب ا دخلی مدخل  
 صدق و اخرجنی مخرج صدق اور اے پیغمبر یہ دعا مانگا کرو کہ اے پروردگار جان مجھ کو  
 پہنچائے خیر سے اچھی جگہ پہنچائیو اور جب مجھ کو کافروں کے نرغہ سے نکالے خیر سے  
 اچھی طرح نکالو، اسی آیت سے ہجرت مدینہ کا حکم رسول مقبول کو ہوا ہے۔ جب کفار مکہ آپ کے  
 درپردہ آزاد ہوئے اور آپ کو مکہ سے نکالنے کا قصد کیا جیسا کہ ابتدائے آیت میں لکھا گیا ہے تو  
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور حکم ہوا کہ ان کافروں کی بیودہ خیالی سے کچھ ہونہیں سکتا  
 ہم تمھارے محافظین تم ہماری عبادت میں مشغول رہو اور اب تم مدینہ چلے جاؤ مدخل صدق  
 سے مدینہ مراد ہے اور مخرج صدق سے مکہ اگر اُس واقعہ کا لحاظ کیا جائے کہ یہود نے

## گر بدولت برسی مست نہ گریے مریے

غرض کہ یہ دنیا کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے تو غم و غصہ میں مبتلا ہو کر خاطر جمعی سے عبادت الہی میں مشغول نہیں ہوتا۔ زان سومانہ زین سوراندہ کا مصداق بن جاتا ہے قل کل بعجل علی شاکلتہ اے پیغمبران لوگوں سے کہدو کہ ہر ایک اپنے طور پر عمل کرتا ہے۔ جسکے نفس کی جیسی کیفیت ہوتی ہو ویسے ہی اعمال کا طور ہوتا ہے اگر جو ہر نفس پاک و مصفا ہو تو اس سے اعمال خیر کا صدور ہوتا ہے اگر لپیڈ و نجس ہو تو افعال قبیحہ صادر ہوتے ہیں کل انا یترشع بما فیہ۔ فہرکم اعلم بمن ہوا ہدی سبیل طبعو کوئی سیدھے رستے پر نہ ہو تھارا پروردگار اسکو خوب جانتا ہے۔ کیونکہ نیت کا حال بجز خدا کے کسی پر نہیں کھلتا اعمال میں نیت ہی کا اعتبار ہے انا الاعمال بالنیات اسیلے اعمال خیر میں محض خدا کی خوشنودی کا خیال رکھنا چاہیے۔ عمل بد سے احتراز لازمی ہے وہ موجب مواخذہ الہی ہے ویستلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتہ من العلم الا قلیلاً اے پیغمبر تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں ان سے کہدو کہ روح بھی میرے پروردگار کا ایک حکم ہے تم لوگوں کو (اسرار الہی میں سے) محفوظ اعلما دیا گیا ہے۔ مسئلہ روح ایک دقیق مسئلہ ہے اس کے متعلق مستقلاً بہت سے رسالے لکھے گئے ہیں۔ یہاں مختصراً اس قدر لکھنا کافی ہے کہ روح سے وہی روح مراد ہے جو سبب حیات ہے۔ نزول آیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک باریہودیون نے اہل قریش کو یہ سکھایا کہ محمد سے تین باتیں پوچھو اگر منجما تین باتوں کے وہ دو باتوں کا جواب دین اور تیسری بات کو صراحت سے نہ بیان کریں تو سمجھو کہ وہ نبی ہیں۔

قال النبی صلعم لم یستشف بالقرآن فلاشفاه الله تعالیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ جو کوئی قرآن مجید سے شفا کا طالب نہ ہو اس کو شفا نہیں دیتا یہ ایک جامع کلام ہے  
 جس کا مفہوم یہ ہے کہ امراض روحانی و جسمانی کی شفا کے لیے قرآن کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے ورنہ  
 قرآن مجید جیسا امراض روحانی اور جسمانی کے لیے موجب شفا ہے ویسا ہی موجب رحمت بھی ہے  
 یہ سب مومنین کے لیے ہے جو قرآن مجید کی فضیلت کو دل سے تسلیم کرتے ہیں ولا ینذبا للظالمین  
 الاخذار اور نافرمانوں کے لیے تو اس سے اور دُلّا نقصان ہی ہوتا ہے کیونکہ مشرکین  
 قرآن کے سننے سے غضبناک ہوتے ہیں اور مسلمانوں سے ان کا حق و حسد بڑھتا ہے جو صفات  
 دُمیمہ میں داخل ہے اسیلئے نافرمانوں کی گمراہی اور زیادہ ہو جاتی ہے جو باعث خسارت و ارین ہے  
 واذا نعمنا علی الانسان اعرضنا عن ذنوبہ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو انہیں  
 پھیرا اور پہلو تہی کرتا ہے واقعی انسان کو جب اُسکے مقاصد میں کامیابی ہوتی ہے اور دنیا کے  
 مال و جاہ سے کامیاب ہوتا ہے تو خدا کے فضل و عنایت کو مد نظر رکھ کر عبادت افعال  
 خیر میں مشغول و مصروف رہنے کے عوض اہم و لعب میں مبتلا اور عبادت الہی کو بھول جاتا ہے  
 چنانچہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر جبلت انسانی کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے ان الانسان لیطغی  
 انداہ استغنی واذا مسه الشوک ان یؤسأ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس  
 توڑ بیٹھتا ہے۔ جیسے بیمار ہو گیا یا مفلس یا خدمت سے علیحدہ ہو گیا تو خدا کی رحمت سے مایوس  
 ہو جاتا ہے جب مال و دولت مل جاتی ہے تو خدا کو بھول جاتا ہے مصرع

۱۔ انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں بے نیاز سمجھ کر شکر کے بدلے خدا سے اٹھی کر شکر کرتا ہے ۱۲

شان نزول سے پیغمبر صاحب کے صداقت کی ایک عمدہ دلیل کا پتہ لگتا ہے کہ یہودیوں نے جو صحابہ کھف کا حال پچھو یا یقیناً ان کو معلوم تھا کہ صحابہ کھف کے حالات اُن کے آسمانی صحیفوں میں مرقوم ہیں لیکن وہ سمجھے کہ پیغمبر صاحب نہ تو پڑھے لکھے ہیں نہ اہل کتاب میں سے کسی کے ساتھ ان کا ایسا ربط ضبط ہے غرض کوئی وجہ نہیں کہ صحابہ کھف کا حال بلا پڑھے پڑھائے یا سنے سنائے ان کو پہلے سے معلوم ہو یا اب معلوم ہو سکے پس پوچھا جائے گا تو ضرور لاجواب ہو کر رہ جائیں گے اور اگر یہودیوں کو ذرا بھی اشتباہ ہوتا کہ اصحاب کھف کے حالات پیغمبر صاحب کے کان تک پہنچے ہیں یا اب پہنچ سکیں تو وہ ہرگز ایسے سوال کا ارادہ ہی نہ کرتے لیکن انھوں نے پوچھا اور تفصیلی جواب بھی پایا۔ یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صاحب پر وحی نازل ہوئی کیونکہ اور کوئی ذریعہ ان حالات کے معلوم کرنے کا نہ تھا اور اس کو خود دشمن بھی مانتے تھے ولہذا فی کھفہم ثلث مائۃ سنین از داد و اتسعاً الخ سورہ کھف میں دیکھو۔

ف بات یہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا بت پرست اور وہ اپنے مذہب کا ایسا استعصب تھا کہ رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اس نے اصحاب کھف کو بھی اپنی عادت کے موافق بت پرستی پر مجبور کرنا چاہا ان کو خدا نے ہمت دی کہ بت پرستی سے انکار کیا اور بھاگ کر ایک غار میں جا بیٹھے وہاں ان پر ایک طح کی نیند کی حالت طاری ہوئی۔ اصحاب کھف اس حالت میں تین سو نو برس رہے۔ اس مدت میں یہاں تمام بسا ط بدل گیا تھا۔ نہ وہ بادشاہ تھا نہ ویسے لوگ تھے نہ وہ بت پرستی کا غلو تھا اب بادشاہ اور اسکی رعایا کا مذہب عیسائی تھا۔ اصحاب کھف بیدار ہوئے تو ان کو بھوک معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے کسی رفیق کو کھانا لانے کے لیے

صحاب کمت کا حال پوچھو۔ ذوالقرنین کی کیفیت پوچھو کہ کون تھے اور کہاں کہاں گئے۔ اور روح کی ماہیت دریافت کرو۔ قریش نے تینوں باتیں رسول مقبول سے پوچھیں تو آپ نے فرمایا کہ کل مکہ جواب دیا جائے گا۔ اور لفظ انشاء اللہ نہیں کہا جس سے چالیس روز تک وحی کا نزول موقوف ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر صاحب نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ مشرک۔ بت پرست۔ آتش پرست۔ ستارہ پرست۔ لحد۔ دہریے۔ قیامت کے منکر فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ماننے والے۔ عیسائی۔ یہودی۔ مختلف عقائد کے لوگ جزیرہ عرب میں آباد تھے۔ اور پیغمبر صاحب کو خدا نے اس لیے بھیجا تھا کہ اداان باطلہ کو مٹا کر خدائے وحدہ لا شریک کی پرستش کو قائم کریں تو جتنے دین مروج تھے تھوڑی بہت سبھی کے ساتھ مخالفت تھی اور مذہبی مخالفت کی وجہ سے عرب کا درود یوں اڑا کہ پیغمبر صاحب کا دشمن ہو رہا تھا۔ دشمنوں میں سے اول ربیعہ یہودی پھر مشرکین کی دشمنی سب سے زیادہ کلیف دہ تھی کہ ان لوگوں نے پیغمبر صاحب کی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہودی چھیرٹانین میں ایک چھیرٹانی یہ بھی تھی کہ اؤبہ اکو پیغمبر صاحب سے ایسی باتیں پوچھتے یا چھوٹے کہ پیغمبر صاحب جواب نہ دے سکیں اور ان کی کرکری ہو۔ صحاب کمت وغیرہ کا حال بھی امتحان کے طور پر پوچھا گیا تھا۔ پیغمبر صاحب نے اس توقع پر کہ جبریل وحی لائیں گے وعدہ کر لیا کہ کل بتاؤں گا مگر وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا ذہن سے اڑ گیا پیغمبروں کے بڑے تبتہ میں مصرع

جن کے تبتہ میں سوا انکو سوا مشکل ہے

اتنی سی بھول پر بھی خدا نے گرفت کی۔ وحی آئی مگر بیر آئی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس قصہ کی

کرنے کو کہیں گے۔ پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا یعنی سفر مشرق کی تیاری کرنے لگا۔ یہاں تک  
 جب چلتے چلتے آفتاب کے نکلنے کی جگہ پہنچا تو اس کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کچھ لوگوں پر  
 طلوع کرتا ہے جن کے لیے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی۔ اور واقعہ میں بھی ایسا ہی تھا  
 (یعنی وہ لوگ وحشی تھے گھربانے کا سلیقہ نہیں رکھتے تھے اور دھوپ سے بچنے کے لیے  
 ان کے پاس کوئی پناہ نہ تھی) اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا (یعنی لاؤ لشکر اور دھوپ  
 سے بچنے کا ساز و سامان وغیرہ) ہم کو اس سے پوری پوری آگاہی تھی۔ پھر وہ ایک اور سامان  
 سفر کے پیچھے پڑا یہاں تک کہ جب چلتے چلتے ایک پہاڑ کی گھاٹی کے دو کناروں کے بیچ میں  
 پہنچا تو دیکھا کہ کناروں کے ادھر ایک قوم آباد ہے اور وہ ایسے وحشی ہیں کہ بات کے سمجھنے کے  
 پاس تک نہیں پھٹکتے ان لوگوں نے اپنی بولی میں عرض کیا کہ ذوالقرنین اس گھاٹی کے  
 اُدھر یا جوج اور ماجوج کی قوم ہے اور وہ لوگ ہمارے ملک میں آکر فساد کرتے ہیں آپ کی اگر  
 مرضی ہو تو ہم آپ کے لیے چندہ جمع کروں بشرطیکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی ردک  
 بنادیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ وہ جس میں میرے پروردگار نے مجھے پورا اختیار دے رکھا ہے  
 کافی دوائی ہے چندے کی تو ضرورت نہیں مگر ہاں تم کو ایسی ہی مدد کرنی ہے تو ہاتھ پاؤں کے  
 زور سے میری مدد کرو میں تم لوگوں میں اور ان لوگوں میں ایک دیوار کھینچ دوں گا۔ کہیں  
 لوہے کی سلین ہم کو لا دو چنانچہ وہ سلین لائے اور ضروری کارروائی ہوتی رہی یہاں تک کہ جب  
 ذوالقرنین نے دونوں کناروں کے بیچ کی کشادگی کو پاٹ کر برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اب اسکو دھونکو  
 یہاں تک جب دیوار کو لال انگار کر دیا تو کہا کہ اب ہکتو نابالاد کہ اسکو چھلا کر اس دیوار پر

بستی میں بھیجا کچھ تو اس شخص کی صورت تین سو نو برس میں متغیر ہو گئی تھی اور سکھ جسکے بلے  
 یہ کھانا لینے آیا تھا اس کا چلن بھی موقوف ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔  
 شدہ شدہ نوبت بادشاہ تک پہنچی اس نے اپنا حال بیان کیا اور سب پتے دیے اس کے  
 بیان سے لوگوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے تھے قیامت کا یقین کلی ہو گیا۔ کہ جو خدا آدمی  
 کو تین سو نو برس تک نیند کی حالت میں زندہ رکھ سکتا ہو وہ دوبارہ انسان کے زندہ کرنے  
 پر کیون قادر نہ ہو۔

ف لے پیغمبر لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال امتحاناً دریافت کرتے ہیں تم ان سے  
 کہو کہ میں تم کو اس کا تھوڑا سا تذکرہ پڑھ کر سنا تا ہوں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اسکو مرنے زمین پر پڑی  
 قدرت دی تھی اور ہم نے اسکو ہر طرح کے ساز و سامان دے رکھے تھے چنانچہ وہ ایک سامان  
 کے پیچھے پڑا یعنی سفر مغرب کی تیاری کرنے لگا۔ یہاں تک کہ جب چلتے چلتے آفتاب کے غروب  
 ہونے کے مقام پر پہنچا تو اسکو آفتاب ایسا دکھائی دیا کہ جیسے وہ کالی کیچڑ کے گنڈ میں ڈوبا  
 ہو اور دیکھا کہ اُس گنڈ کے قریب قوم بھی آباد ہے۔ ہم نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین تم بادشاہ ہو  
 اور دونوں اختیار رکھتے ہو۔ چاہو ان لوگوں کو عذاب دو یا ان کے بائے میں حسن سلوک کا شیوہ  
 اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو ان میں سے سرکشی کر گیا اس کو تو ہم سزا دیں گے پھر قیامت  
 کے دن وہ اپنے پروردگار کے حضور میں لوٹا کر لایا جائے گا اور وہ ہماری سزا کے علاوہ اسکو  
 اور عذاب سخت دیگا۔ اور جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ویسا ہی اسکے بدلے میں  
 اسکو خدائے یہاں سے بھلائی ملیگی۔ اور ہم بھی اپنے کاموں میں اسکو آسان آسان کام



دیکھو خدا کے لیے اس وبال سے جسمین میں مبتلا ہون چکے رہو۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ انسان کا اطلاق صرف جسم ظاہری پر نہیں ہو۔ بلکہ اس جسم پر روح کی حکومت ہو۔ بلحاظ مراتب کے روح کے مختلف نام ہیں کبھی اسکو نفس کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارجعي إلى ربك راضية مرضية** اس سے بھی ثابت ہو کہ جسد کے مرجانے کے بعد کوئی شیء زندہ باقی رہتی ہو جسکو اسکا حکم ہوتا ہو کہ ہماری طرف خوش خوش چلے آؤ۔ پس وہی روح ہو یا یون خیال کرو کہ مثلاً کسی انسان کا ہاتھ یا پاؤں قطع ہو جائے تو وہ اچھی طرح سمجھتا ہو کہ اسکا ہاتھ یا پیر قطع ہو گیا۔ اگر انسان سے محض کالبد ظاہری مراد ہوتا تو ان اعضا کے قطع ہو جانے سے وہ فوراً نیست و نابود ہو جاتا تو جس شیء کے سبب قطع اعضا کے بعد بھی اسکا تعقل باقی رہتا ہو وہی روح ہو۔ یا یہ کہ زنا کی پاداش میں کوٹے لگانے کا حکم ہو فعل نہ نافع سے متعلق ہو اور اسکا عذاب پشت سے تعلق رکھتا ہو تو جو شیء انسان میں لذت جماع حاصل کرنے والی کلیف ضرب برداشت کرنے والی ہو وہی روح ہو۔ اعضاے انسانی صرف کلیف راحت کے وسایط ہیں۔ بہر حال حقیقت انسانی یعنی روح غیر مرئی ہو۔ امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں کہ روح نہ تو انسان کے بدن میں داخل ہو اور نہ اُس سے خارج اور نہ اُس سے ملی ہوئی ہو اور نہ اُس سے جدا ہو کیونکہ یہ سب باتیں ایسی چیز سے علاوہ رکھتی ہیں جو جسم ہوا و ترکیب ہوا اور روح میں انہیں سے کوئی بات بھی نہیں ہو۔ **الحاصل ۷**

آسان بار امانت نتوانست کشید      قرعہ قال بسم نام من دیوانہ زوند

**۷** لے روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ۱۲

اُنڈیل دین غرض اس تدبیر سے ایسی اونچی اور مضبوط دیوار تیار ہو گئی کہ یا جوج ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے اس دیوار آہنی کو دیکھا کہ یہ میرے رب کی مہربانی ہے لیکن جب میرے پروردگار کا وعدہ (قیامت) آج موجود ہوگا تو اس دیوار کو ڈھا کر برابر کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے

پھر یہ حکم نازل ہوا ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک خدا الا ان یشاء اللہ ط

غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ صحاب کھف و ذی السترین کو توصیف صاف بیان فرمایا مگر روح کی نسبت مبہم جواب دیا۔ روح کے تعریفات تو بہت کچھ کیے گئے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ حقیقت روح کے سمجھنے میں عقل قاصر ہے اگر خدا کا فضل ہو تو کچھ سمجھیں آجاتا ہے جسکے لیے مرشد کامل اور علم حقائق کے پڑھنے کی ضرورت ہے تاکہ حقیقت انسانی معلوم ہو سکے گو سب جانتے ہیں کہ انسان زندہ ہے مگر اس کا جسم ایک وقت معین میں بجاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت انسانی صرف جسم ہی نہیں ہے کوئی اور چیز بھی ہے اور وہی روح ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے اذا حمل المیت علی بفتہ رفرف روحہ فوق النش ویقول یا اھلے ویأولدی لاتلعین بکمالہ دنیا کا لعبت نے جمعت المال من حلہ وغیرہ جملہ فالغنی لغیرہ والتبعۃ علی فاحذر و امثل ما حل ے یعنی جب موتا کو جنازہ پر لیجاتے ہیں تو روح یوں کہتی ہے کہ اے میرے اہل و عیال دنیا تم کو اپنا کھلونہ بناے جیسا کہ اس نے مجھ کو بنایا تھا۔ میں نے مال وغیرہ جمع کیا مگر حقیقت میں غنی کوئی اور ہے (یعنی خدا) صرف میری گردن پر حطام و نیوی کے جمع کرنا و بال گیا ہے

يَصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ ترجمہ اے پیغمبر! ان لوگوں سے،  
 کہو کہ تم قرآن کو مانویانہ مانو جن لوگوں کو قرآن کی پہلے آسمانی کتابوں کا، علم دیا گیا ہو ان کا تو یہ حال  
 ہو کہ جب ان کے روبرو پڑھا جاتا ہو تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے اور کہنے لگتے ہیں  
 کہ ہمارا پروردگار پاک (ذات) ہو بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا اور ٹھوڑیوں  
 کے بل گر پڑتے ہیں (سجدے میں) روتے (جاتے ہیں) اور قرآن کی وجہ سے ان کی عاجزی  
 (اور) زیادہ ہوتی جاتی ہو اے پیغمبر! ان لوگوں سے، کہو کہ تم (خدا کو) (اسد) (کمر) پکارو یا رحمن  
 (کمر) پکارو جس (نام) سے بھی پکارو تو اس کے (سب) نام اچھے (ہی) ہیں اور (اے پیغمبر)  
 نہ تو اپنی نماز چلا کر پڑھو اور نہ اس کو بالکل چپکے پڑھو بلکہ ان (دو وزن) کے بیچ بیچ ایک متوسط  
 طریق اختیار کر لو۔

ان آیات کے قبل قرآن مجید میں یہ ذکر فرمایا گیا ہو کہ قرآن کی بارگاہی نازل نہیں کیا گیا۔  
 بلکہ تھوڑا تھوڑا اس مصلحت سے نازل کیا گیا ہو کہ ضروریات دینیہ کے لحاظ سے لوگوں کو سنایا جائے  
 اکثر عرب لکھے پڑھے نہ تھے۔ اگر قرآن مجید کی بارگاہی نازل کیا جاتا تو ایسی اسکی محافظت کل تھی اور  
 لامحالہ تحریف و تبدیل ہو جاتی۔ علاوہ اسکے بندہ بچ ان گراموں کو راہ راست پر لانا مقصود تھا  
 دفعۃً تمام احکام کی تعمیل کا حکم دینا باعث گرائی تھا۔ انبیاء سابقین پر بھی جو کتابیں اور صحیفے  
 نازل ہوئے اسی طریق سے نازل ہوئے ہیں۔ با این ہمہ مشرکین کا یہ حال تھا کہ وہ اس  
 طریقہ پر بھی اعتراضات کہتے تھے کہ دوسرے مصنفوں کی طرح سوچ سوچ کر قرآن مجید کی تصنیف  
 ہوتی ہو یہ محض انکی نادانی تھی۔ غرض کہ اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیجانی ہو اور

کا معاملہ ہو۔ اہل قریش کا سوال باہمت روح سے متعلق تھا جب انھوں نے یہ سنا کہ وما اوتیت من العلم الا قليلا تم لوگوں کو تھوڑا علم (اسرار الہی سے) دیا گیا ہے۔ تو پھر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اس خطاب سے ہم مختص ہیں یا آپ بھی ہمارے شریک ہیں۔ تو آپ نے فرمایا بل نحن وانتم لم نؤت من العلم الا قليلا بلکہ ہم اور تم اس خطاب میں شریک ہیں کہ اسرار الہی بے حد و پیمان میں تو پھر انھوں نے یہ کہا کہ یہ تو عجیب بات ہے کبھی تو آپ کہتے ہیں ومن یؤت الحکمۃ فقلنا و تعزیرا اور کبھی کہتے ہیں کہ وما اوتیت من العلم الا قليلا اسوقت یہ آیت نازل ہوئی ولوان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یملاہ من بعد سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ ان اللہ عزیز حکیم۔

واقعی حقائق اشیا کے لحاظ سے جو علم مخلوقات کو دیا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے ہر شخص اسکا اندازہ خود اپنے معلومات سے کر سکتا ہے اس مقدس بیان سے انسان اپنی بساط کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور راہ راست اختیار کر سکتا ہے جسکی تعلیم کے لیے قرآن مجید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

قوله تعالى قُلْ اٰمَنُوْا بِهِ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰتَوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا بُدِئَ عَلَيْهِمُ مَّحْرُومٌ لَّاۤ اِذْ قَانَ سُبْحٰنًا وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخْرُجُوْنَ لَّاۤ اِذْ قَانَ يَتَّبِعُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا قُلْ اَدْعُوْا اللّٰهَ اَوْ دْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّٰمًا تَدْعُوْنَ اَفَلَا تَعْلَمُوْنَ اَلْحَسْبُ وَ لَا يَكْفُرُ

اور زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کے قلم ہوں اور سمندر کی سیاہی اور وہ بھی اس طرح پر اسکا مہر ہے، پیچھے دیکھتے ہیں،

ساتھ سمندر (اور) کئی و کرین (غرض ان تمام قلموں اور ان ساری سیاہیوں خدا کی باتیں لکھی جائیں تو بھی) خدا کی باتیں تمام نہ ہوں ۱۲

اسلاف ہمیشہ کتب سماوی اور انبیاء سابقین سے انکار ہی کرتے رہے یہ بفسیدی و رائیہ ملی تھی اس سے کیسے باز آسکتے تھے قلادعوا للہ وادعوا للرحمن ایاماتدعوا فلا الاسماء المحسنے لے پیغمبر تم ان لوگوں سے کہو کہ تم خدا کو اسد کہ کر پکارو یا رحمن کہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو تو اس کے سب نام اچھے ہی ہیں۔

عرب میں جس طرح لفظ اسد خدا کا مخصوص نام تھا اسی طرح رحمن بھی بلا اضافت اسی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ باعتبار صفات کے حدیث شریف میں اسد جل شانہ کے تناوے نام وارد ہیں جو مشہور عام ہیں۔ علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نام توفیقی ہیں یعنی انھیں ناموں سے اسکو موسوم کرنا چاہیے جو شرع سے ثابت ہیں۔ ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اسد یا رحمن کہہ رہے تھے تو مشرکین میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ہکو تو دو خداؤں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ دو خدا کے نام لیتے ہیں اور کسی نے یہ کہا کہ ملک یا مدین جو رحمن نامی کا ہیں ہر اسکو پکارتے ہیں۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ اور رحمن سب خدا کے ہی نام ہیں جس نام سے چاہو اسکو پکارو یا اسکا ذکر کرو۔ ابو یزید بسطامی رحمہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اسم عظم کو نساہو تو آپ نے فرمایا کہ پہلے اسم صغیر بتلاو جبکا مطلب یہ ہے کہ اسد کے سب نام عظم ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ لفظ حسنے کی کیسی عمدہ صراحت آپ نے کی ہے۔ ولا تجھربصلاک ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلا لے پیغمبر نہ تو اپنی نماز چلا کر پڑھو نہ اس کو بالکل چپکے پڑھو بلکہ متوسط طریق اختیار کر لو۔ ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ

شان بے نیازی بھی ظاہر فرمائی جاتی ہے کہ قل انواہ اولاد تو آمنوا ان الذین اوتوا العلم من  
 قبلہ اذایتل علیہم یحزون للاذقان سجدا لے پیغمبران لوگون سے کہو کہ تم قرآن کو  
 مانویا نہ مانو جن لوگون کو قرآن سے پہلے آسمانی کتابوں کا علم دیا گیا ہے۔ اُن کا تو یہ حال ہے کہ  
 جب انکے روبرو پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گڑٹے ہیں۔ یعنی منکرین  
 کے ایمان لانے سے قرآن کی عزت و شان میں کچھ اضافہ نہیں ہو جاتا اور انکے نہ ماننے سے  
 اسکی عظمت میں کمی نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ یہ جاہل بے عقل ہیں البتہ جاہل علم ہیں جنکو قرآن  
 کے نازل ہونے سے پہلے کتب سماوی کا علم دیا گیا ہے جیسے زمین عمرو بن لقیل۔ ورقہ بن نوفل  
 عبد اسد بن سلام وغیرہ کہ وہ جانتے ہیں کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہونیوالے ہیں اسلئے  
 انتظار کرتے تھے اور مضامین قرآن کو سنکر حیرت منظر ہوئے اور عالم بخودی میں زمین پر  
 گر پڑتے تھے ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ اور کہتے تھے  
 کہ ہمارا پروردگار پاک ذات ہے بیشک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا یعنی حالت  
 سجود میں خدا تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کر کے اسکے وعدوں کے پورا ہونے کا اعتراف  
 کرتے تھے اور بوجہ حق شناسی کے قرآن کو سنکر سمجھ گئے کہ اسی وعدے کا ایفا ہے اور ایمان  
 لائے و یحزون للاذقان یسکون اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے اور روتے ہیں۔ یہ انکی  
 بخودی کی کیفیت ہے کہ استماع مضامین قرآن مجید سے زمین پر گر کے روتے جاتے تھے  
 ویزیدہم خشوعاً اور انکی عاجزی زیادہ ہوتی جاتی تھی اسلئے کہ وہ صاحب علم تھے جب حق  
 باتوں کا ان کے قلوب پر اثر ہوتا تو سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ برخلاف گمراہوں کے کہ وہ اور انکے

منکرین کے کہ وہ قسی القلب ہوتے ہیں اور خدا کے پاک احکام سے اعراض کرتے ہیں ایسوں  
 کی نہ تو دنیا ہی اچھی ہوتی ہے نہ آخرت۔ قرآن مجید کی اتباع و خیرہ دارین ہی جو لوگ اسکے  
 مقدس مضامین پر غور کرتے ہیں اور پابندی اختیار کرتے ہیں ان کے اخلاق حسنہ کا کیا کہنا۔  
 قوله تعالى وَاَصْلِحْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ  
 وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطْعَمَنْ غُلْفَنَا قَلْبًا عَنْ  
 ذِكْرِ نَاوَاتِبِ هَوْنُهُ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرْطَا طَرَجُمہ اور اے پیغمبر! جو لوگ صبح و شام  
 اپنے پروردگار کی یاد کرتے (اور) اُسی کی رضا مندی چاہتے ہیں ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے پر  
 اپنے نفس کو مجبور کرو اور تجارتی نظر (التفات) ان پر سے ہٹنے نہ پائے۔ کہ لگو دنیا کی زندگی  
 کے ساز و سامان کا پاس کرنے اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جسکے دل کو ہم نے اپنی  
 یاد سے غافل کر دیا ہو اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو اور اسکی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہو  
 اس آیت کے قبل مال و جاہ دنیوی سے جو چند روزہ بین دل بستگی نہ پیدا کرنے کا  
 حکم ہوا ہے کہ جس سے آخرت کے کاموں میں حرج ہوتا ہے چنانچہ حجاب کھٹ کا تذکرہ بھی بنیاتی  
 دنیا کے مثال کے طور پر مذکور ہوا ہے جس سے صرف یہ مقصود ہے کہ جو لوگ دنیاوی غرور و تکبر  
 میں نہمک ہیں وہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی خوبیوں پر غور کر کے اسد جل شانہ کے پاک  
 ہدایات سے مستفید ہوں اور خیرہ آخرت فراہم کریں مگر جو لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے انکے  
 دل میں وہی تکبر و غرور کے خیالات موج زن ہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار چند مغز قریش  
 رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے اور یہ خواہش ظاہر کی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پوشیدہ رہتے تھے (ابتداءً اسلام میں) جب صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کو پکار کر پڑھتے تھے۔ مشرکین شکر قرآن کو اور اُس کے نازل کر نیوالے کو۔ اور جو اسکو لیکر آیا سب کو بُرا کہتے تھے۔ اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! نہ تو قرآن کو اس قدر بلند آواز سے پڑھو کہ مشرکین منکر بُرا بھلا کہیں۔ نہ ایسا آہستہ کہ صحابہ کو بھی نہ سنائی دے بلکہ متوسط آواز سے پڑھا کرو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک بار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم شب کے وقت طواف کعبہ میں مصروف تھے۔ اپنے دیکھا کہ ابو بکرؓ آہستہ نماز میں قرات پڑھ رہے تھے اور عمرؓ بلند آواز سے صبح کو جب ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ابو بکر سے پوچھا کہ کیوں آپ شب کو چپکے چپکے نماز پڑھتے تھے تو آپ نے کہا کہ میں خدا سے مخفی دعا کر رہا تھا وہ میرے حاجات کو جانتا ہے۔ اور پھر عمر سے آپ نے پوچھا کہ کیوں آپ پکار پکار کر نماز پڑھتے تھے تو آپ نے عرض کیا کہ شیطان کے زجر اور بتوں کی امانت کے لحاظ سے بلند آواز سے پڑھتا تھا تو آپ نے ابو بکر سے فرمایا کہ کچھ بلند آواز سے نماز پڑھا کرو اور عمر کو حکم ہوا کہ کچھ پست آواز سے پڑھیں۔ اور بعضوں نے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ تمام نمازیں نہ تو ہر سے پڑھیں اور نہ مخفی بلکہ شب کی نمازیں ہر سے اور دن کی نمازیں مخفی پڑھا کریں۔ غرض کہ نماز میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے یا جو دعائیں پڑھی جائیں متوسط درجہ میں پڑھنا چاہیے کہ درجہ متوسط محمود ہے۔ حاصل یہ کہ جو لوگ اللہ کی کتابوں کو مانستے ہیں وہ رقیق القلب ہوتے ہیں احکامِ آسمانی کا انکے قلوب پر بڑا اثر ہوتا ہے جو باعث سعادت دارین ہے۔ برخلاف



اَبَدًا وَّمَا أَظَنَّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدُّدْتَ إِلَيَّ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِمَّا مُنْقَلِبًا  
 قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ  
 ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا لَكِنَّ هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا وَلَوْ لَا  
 إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنَّ تَدْرِي أَنَا أَقْلُ  
 مِنْكَ مَا لَا وَوَلَدَاهُ لَعَنَهُ رَبِّي أَنَّ يُوْتِيَنِي خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا  
 حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا أَوْ يُصْبِحُ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ  
 طَلَبًا وَأَحْيِي طَبْعَهَا فَاصْبِرْ يَقْلَبُ كُفْيُهُ عَلَى مَا أُنْفِقُ فِيهَا وَهِيَ خَاطِيَةٌ عَلَى عُرْسِهَا  
 وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا وَلَوْلَاكَ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا هُنَالِكَ الْآيَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبَاءً وَاضْبُ  
 لَهُمْ مِثْلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ بَهِشِمًا  
 تَذَرُوهُ الرِّيحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ  
 الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ترجمہ اور  
 (اے پیغمبر) ان لوگوں سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے  
 انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور ہم نے ان کے گرد اگر دیکھو ر کے درخت لگا رکھے تھے  
 اور ہم نے دونوں (باغوں) کے بیچ بیچ میں کھیتی (بھی) لگا رکھی تھی۔ دونوں باغ اپنے  
 پھل (خوب) لائے اور پھل (لانے) میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور دونوں (باغوں) کے  
 درمیان ہم نے نہر بھی جاری کر رکھی تھی تو باغوں کے مالک کے پاس (ہمہ وقت

کہ اگر آپ کا یہ ارادہ ہو کہ ہم ایمان اختیار کریں تو آپ یا تو فقرا مسلمین کے ساتھ خلط ملط نہ رکھیں  
یا کم سے کم جب ہم آئیں تو ان کو اپنے پاس سے جدا کر دیں جیسا کہ سورہ انعام میں بھی اسکا  
ذکر ہو چکا ہے مگر خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ غریبے مسلمین سے منہ  
نہ موڑیں و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشوة يدون  
وجہہ لے پیغمبر جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرتے اور ایسی خوشنودی چاہتے  
ہیں ان کے ساتھ میل جول رکھنے پر اپنے نفس کو مجبور کرو۔ یہی نہیں بلکہ ولا تعادونا  
عنہم تريد زينة الحياة الدنيا تمھاری نظر عنایت ان پر سے بپاس آرایش نبوی  
ہٹنے نہ پائے ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطاه  
اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ مانا جسکے دل کو ہنسنے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہو۔ اور وہ اپنی  
خواہش کے پیچھے پڑا ہو اور اسکی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہو۔ مفہوم آیت پر غور  
کرو کہ اہل اسلام مساکین کے ساتھ میل ملاپ رکھنے اور اہل دنیا اور متکبرین کی صحبت سے  
محترز رہنے کی کیسی عمدہ تعلیم ہوئی ہو کیونکہ

صحبت صالح ترا صالح کند      صحبت طالح ترا طالح کند

قوله تعالى واضرب لهم مثلا لرجلين جعلنا لأحدهما جنتين من أعناب وحققهما  
بغلة فجعلنا بينهما سادا ورجلا كذا الجنة أنت أكلها ولم تظلم منه شيئا وفجرنا  
خلافهما نهرا وكان له ثمر فقال لصاحبه وهو يحاوره أنا أكثر منك مالا  
واعتز نهرأه ودخل جنته وهو ظالم لنفسه قال ما أظن أن نبيك ههنا

اگر ابواپڑا تھا۔ اور مالکِ بلغ، کہتا جاتا تھا کہ اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ  
 کسی کو شریک نہ کرتا۔ اور اس کا کوئی جتھا ایسا نہ ہو کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ  
 (خود ہی) انتقام لے سکا۔ اسی (حکایت) سے ثابت ہوا کہ سب اختیار خدا کے برحق  
 ہی کہو وہی بہتر ثواب (یعنی) والا اور (وہی آخر کار بہتر عوض (یعنی) والا ہے۔ اور  
 (اے پیغمبر) ان لوگوں سے (ایک مثال یہ بھی، بیان کرو کہ دنیا کی زندگی کی مثال پانی کی پستی پر جبکہ  
 ہم نے آسمان سے برسیا تو زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی (اس طرح پرکہ پانی کو  
 جذب کر لیا اور خوب پھلی پھولی) پھر (آخر کار) چوڑا (یعنی بھوسا) ہو کر رہ گئی جسے ہوائیں  
 اڑ لے اڑ لے پھرتی ہیں اور اسد ہر چیز پر قادر ہے (اے پیغمبر) مال اور اولاد دنیا کی زندگی  
 کے چند روزہ، بناؤنگار و نغال نیک (جن کا اثر دیر تک) باقی ہے تمہارے پروردگار کے  
 نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہترین اور توقع (آئندہ) کے اعتبار سے بھی بہترین۔  
 اکثر کفار مال و دولت کے اعتبار سے غریب مسلمانوں پر فخر و کبر سے پیش آتے تھے  
 اسیلے خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ثروت دنیوی قابل افتخار نہیں ہے کیونکہ جو لوگ محتاج  
 ہیں وہ مالدار ہو جاتے اور جو مالدار ہیں وہ محتاج ہو جایا کرتے ہیں۔ دنیا کے مال و دولت  
 زوال پذیر ہیں انکو دوام و ثبات نہیں ہے۔ جو بات لائق فخر ہے وہ اسد کی اطاعت و عبادت ہے  
 گو مسلمان غریب ہوں مگر ان کو یہ دولت حاصل ہے و اضرب لہم مثلاً ہر جلیل الیٰ ذہن  
 ان لوگوں سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انکو کے  
 دو باغ دیے رکھے تھے اور ہم نے ان کے گرد اگر دو کھجور کے درخت لگا رکھے تھے۔ اور

طرح طرح کی، پیداوار موجود رہتی تھی ایک دن یہ شخص اپنے (کسی) دوست سے باتیں کرتے کرتے  
 بول اٹھا کہ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور (میرا) جتنا (بھی) بڑا زبردست (جتنّا) ہے اور  
 (وہ یہ باتیں کرتا ہوا)، اپنے باغ میں گیا۔ اور وہ (خاص) کے غرور اور خدا کی ناشکری سے، اپنے  
 نفس پر آپ ہی ظلم کر رہا تھا لگا کہنے کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ، کبھی) (بھی) برباد ہوا اور میں  
 (یہ بھی) نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہوا اور بالفرض (ہوے بھی) (تو جب) میں اپنے پروردگار کی طرف  
 لوٹا یا جاؤں گا تو جہان لوٹ کر جاؤں گا (بہر حال) اس (دنیا) سے (تو اس جگہ کو) بہتر ہی مانگا  
 اس کا دوست جو اس سے باتیں کرتا جاتا تھا (اتنا) لگتگو میں، بول اٹھا کہ کیا تو اس  
 (پروردگار) کا مستکبر جس نے تجھ کو (پہلے) مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا پھر تجھ کو پورا آدمی  
 بنایا۔ لیکن میں تو (یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ) وہی امد میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار  
 کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا اور جب تو اپنے باغ میں آیا تو نے (یوں) کیوں نہ کہا  
 کہ یہ (سب) خدا کے چاہے سے ہوا ہے (ورنہ مجھ میں تو) بے مدد خدا کچھ بھی طاقت نہیں۔  
 اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے کم سمجھتا ہے تو عجب نہیں میرا پروردگار تیرے  
 باغ سے (بھی) بہتر (باغ، مجھ کو عطا فرمائے اور تیرے باغ پر) تیری ناشکری کی سزا میں،  
 آسمان سے کوئی (ایسی) بلانا زل کرے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی  
 بہت نیچے اتر جائے۔ اور تو اس کو کسی طرح طلب نہ کر سکے (چنانچہ عذاب نازل ہوا)  
 اور اس (کے باغ) کی پیداوار (عذاب کے) پھیر میں آگئی۔ تو وہ اس لاگت پر جو باغ  
 (کی درستی) میں لگائی تھی اپنے دونوں ہاتھ ملتا رہ گیا اور (باغ کا یہ حال ہو گیا کہ) وہ اپنی پیٹھ

دونوں باغ اپنے پھل خوب لائے اور پھل (لانے) میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور دونوں باغوں کے درمیان ہم نے نہر بھی جاری کر رکھی تھی یعنی دونوں باغ ایسے شاواب تھے کہ بروقت انہیں کچھ نہ کچھ پھل لگے رہتے تھے اور باغوں کی شادابی کے لیے نہر بھی موجود تھی وکان لہ غمراہ باغوں کے مالک کے پاس (ہمہ وقت طرح طرح کی پیداوار موجود رہتی تھی اس لیے وہ بہت خوشحال بسر کرتا تھا فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك ما لا واعن نفراہ ایک دن مالک باغ اپنے دوست سے باتیں کرتے کرتے بول اٹھا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتنا بڑا زبردست ہے اس طرح تکبر و غرور کی باتیں شروع کیں و دخل جنتہ اور وہ باتیں کرتا ہوا باغ میں گیا تاکہ باغ کی عمدہ حالت دیکھ کر خوش ہو اور اس مسلمان کو اپنے باغ کی پیداوار کو بھی بتلا دینا مقصود تھی و هو ظالم لنفسه اور وہ حقیقت ناحق کے غرور اور خدا کی ناشکری سے اپنے نفس پر آپ ہی ظلم کر رہا تھا قال ما اظن ان تبدي هذه ابدا اور شیخی سے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو۔ غالباً اپنی زندگی تک اسکی بربادی نہ ہونے کا خیال کیا ہوگا۔ دوامی طور پر تو ایسا خیال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ دنیا کی سب چیزیں فانی و زوال پذیر ہیں و ما اظن الساعة قائمة اور میں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہو یعنی وہ آخرت کا بھی منکر تھا ولئن ساءت الے رے لاجد ن خیرا منها منقلباً بالفرض اگر قیامت ہوئی بھی تو جب میں اپنی پروردگار کی طرف لوٹا یا جاؤں گا جہاں لوٹ کر جاؤں گا بہر حال اس دنیا سے تو اس جگہ کو بہتر ہی پاؤں گا قال لہ صاحبہ و هو يحاورہ اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفة ثم سواک رجلا و (مسلمان) دوست جو اس سے

ہم نے دونوں باغوں کے بیچ میں کھیتی بھی لگا رکھی تھی اس آیت سے پیغمبر صاحب کو ارشاد ہوا ہے کہ متکبر کافروں سے کہدین کہ تم جو غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں فخر و ناز کرتے ہو اسکا حال تو اس مثال سے سمجھ لو جسکا بیان آگے ہوتا ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی مختلف المذہب تھے ایک کافر تھا جسکا نام براطوس تھا اور دوسرا مومن جسکا نام یہود تھا۔ ان دونوں نے آٹھ ہزار دینار وراثت میں پائے تھے اور نصف نصف آپس میں تقسیم کر لیے تھے براطوس نے ہزار دینار میں ایک قطعہ زمین کو خرید کیا یہودا نے یہ کہہ کر کہ میں جنت میں کچھ زمین لیلون کا ہزار دینار خیرات کر دیا براطوس نے ہزار دینار میں ایک مکان خرید کیا تو یہودا نے کہا کہ میں جنت میں ایک مکان خریدتا ہوں اور ہزار دینار خدا کی راہ میں دیدیا۔ ہزار دینار لگا کر براطوس نے اپنی شادی کر لی تو یہودا نے حمزین کے ہمراہ ہزار دینار سود دیدیا۔ براطوس نے ہزار دینار میں کپڑے اور خادم بھیس لیے اور یہودا نے غلمان جنت کی خریداری کے خیال میں اور ہزار دینار صدقہ دیدیا غرض کہ یہودا فی الواقع مناسب مال خدا کی راہ میں صرف کر ڈالا اور اُس کے پاس کچھ نہ رہا اور براطوس باغ وغیرہ لگا کر خدم و حشم کے ساتھ بہت غور و تکبر کے ساتھ بسر کرتا تھا ایک روز وہ اپنے غیب بھائی کے ساتھ باغ میں بیٹھ کر فخریہ گفتگو کر رہا تھا اور خدا کو بھول گیا تھا کہ دفعۃً بلائے آسمانی نازل ہوئی اور باغ تباہ و برباد ہو گیا۔ غرض کہ ان دونوں باغوں کے اطراف میں کھجور کے درخت حفاظت کے لیے بطور بار لگے ہوئے تھے اور باغوں کے بیچ کی زمین میں اقسام و انواع کے فواکھات وغیرہ کے درخت تھے کلنا المجنتین انت اکلھا ولم تظلم منہ شیئاً وفجرنا خلا لھما انھرا

طلب کر سکے یعنی، فتنۂ باغ کے خشک ہونے کی نوبت آجائے و احیط بثمرہ چنانچہ عذاب  
 نازل ہوا اور اُسکے باغ کی پیداوار عذاب کے پھیر میں آگئی فاصبحہ یقلب کفہ علی انفق  
 فیہا تو وہ اُسکی لاگت پر جو باغ کی دُستی میں لگائی گئی تھی اپنے دونوں ہاتھ ملتارہ گیا باغ کی  
 تباہی سے ندامت و امنگیر ہو گئی وہی خاویۃ علی عروشہا اور باغ کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اپنی  
 ٹٹیوں پر گر پڑا تھا جیسے ریتی کے گھروں میں چھپتین ہوتی ہیں ویسے ہی باغوں میں ٹٹیاں  
 ہوتی ہیں جن پر بلیں چڑھائی جاتی ہیں لفظ عرش چھت اور ٹٹی میں مشترک ہو گھر کا مذکور ہوا  
 تو چھت اگر باغ کا ذکر ہو تو عرش کے معنی ٹٹی کے لیے جاتے ہیں۔ اب رہا باغ کا ٹٹیوں  
 پر گرنا اسکی صورت یہ ہو کہ جب ستون بولے ہو جاتے ہیں تو پہلے ٹٹی گر پڑتی ہو اسکے بعد  
 اوپر کی بلیں وغیرہ گر جاتی ہیں جس سے باغ تباہ و برباد ہو جاتا ہو و یقول یا لیتنی امثلہ  
 برے احداہ اور مالک باغ کہتا جاتا تھا کہ اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو  
 شریک کرتا۔ اسطرح حسرت اور ندامت کی باتیں کرنا شروع کیں ولہٰذا لکن لا فتنۃ ینصونہ من  
 دون اللہ اور اُسکا کوئی جتھا ایسا نہ ہو کہ خدا کے سوا اسکی مدد کرنا خدا کے مائے کو کوئی کیا  
 بچا سکتا ہو و ما کان منتصرا و ارنہ وہ خود ہی انتقام لے سکا اس بیچاے کا مقدور ہی کیا  
 تھا کہ خدا کے کیے ہوئے کام کا بدلہ لے سکتا ھذا لک الولاۃ اللہ الحق ط کہ سب اختیار  
 خداے برحق ہی کو ہو کہ ایسے مواقع میں وہ مؤمنین کو اعدائے دین پر غلبہ عنایت فرماتا ہو  
 ہو خیر ثوابا و خیر حقباء کہ وہی بہتر ثواب و عوض دینے والا ہو۔ یعنی جو لوگ توحید کے قائل  
 اور خدا کے احکام کو ماننے میں آئیں انکو آخرت میں بہتر عوض عنایت ہوتا ہو و اضرب لہم مثل الحیوۃ

باتین کرتا جاتا تھا اُنہاے گفتگو میں بول اُٹھا کہ کیا تو اُس پروردگار کا منکر ہو جس نے تجھ کو پہلے  
 مٹی سے پھر لطفہ سے پیدا کیا پھر تجھ کو پورا آدمی بنایا یعنی پہلے جسے تجھ کو اسطرح اپنی قدرت سے  
 پھر آخرت میں دوبارہ پیدا کیا نہیں کر سکتا تجھ کو بجائے ایسی فضول گفتگو کے اُسکی عبادت کا خیال  
 کرنا چاہیے لکن اھو اللہ ربے ولا اشرک برے احد اھ لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ  
 اسد میر پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ میں تو فقرو  
 غنی کو منجانب اسد جانتا ہوں اگر وہ تو انگری عطا فرمائے تو اُسکی عنایت قابل شکر ہے اگر محتاج  
 کی حالت میں رکھے تو وہ اُسکی مصلحت ہے۔ حالتِ غنا میں فخر و تکبر نہ یا نہیں ہے اور نہ یہ خیال کرنا  
 کہ کثرتِ مال و خدم و حشم ہماری کوشش ذاتی کا نتیجہ ہے ولو لا اذ دخلت جنتک قلت  
 ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ط اور جب تو اپنے باغ میں آیا تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ  
 سب خدا کے چاہنے سے ہوا ہے ورنہ مجھ میں تو بے مدد خدا کے کچھ بھی طاقت نہیں۔ کیونکہ جو  
 کچھ انسان کو ثروت و دولت میسر ہوتی ہے وہ سب خدا کی مہربانی ہے اسکو بھولنا نہ چاہیے ان  
 ترن انا اقل منک ما لا و ولد اھ فعیرے ان یوتین خبر امن جنتک ویرسل علیہا  
 حسب انما من السماء فتصیہ صعیلا زلفا اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے  
 کم سمجھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار تیرے باغ سے بہتر باغ مجھ کو عطا فرمائے اور تیرے باغ  
 پر تیری ناشکری کی سزا میں آسمان سے کوئی ایسی بلانا زل کرے کہ وہ چٹیل میدان  
 ہو کر رہ جائے یعنی ناشکری اور خدا فراموشی کا فوراً نتیجہ مل جائے گا اور یصیہ ماؤھا  
 غور افلن تستطیع لہ طلبہ یا اُنکا پانی بہت نیچے اتر جائے اور تو اُسکو کسی طرح



قوله تعالى إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا  
 خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكُنَّا أَهْلًا لِمَا نَعْبُدُ  
 إِلَهًُا قُلْ لَوْ جُنَّتْ بِمِثْلِهِ مَدَدَاتُ قُلْ إِنَّمَا نَبَشِّرُ بِمِثْلِهِمْ قُلْ أَمَّا إِلَهُكُمْ إِلَهٌُ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ  
 رَبِّهِ أَحَدًا ترجمہ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیے انکی  
 ضیافت کے لیے فردوس (بریں) کے باغ ہوں گے جنہیں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے (اور  
 کبھی) یہاں سے اٹھنا نہیں چاہیں گے (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر میرے پروردگار  
 کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سمندر (کا پانی) سیاہی (کی جگہ) ہو تو قبل اسکے کہ میرے  
 پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر بڑھاے اگرچہ ہم ویسا ہی (اور سمندر اسکی) دیکھ لیں  
 (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ میں (بھی تو) تم ہی جیسا ایک شریکوں (مجھ میں تم میں صحت  
 آنا فرق ہو کہ میرے پاس (خدا کی طرف سے) یہ وحی آتی ہو کہ تمہارا معبود (وہی اکیلا) ایک  
 معبود ہو تو جسکو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو تو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو  
 اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

ان آیات کے قبل خداے تعالیٰ نے قرآن مجید میں کافروں کی نسبت فرمایا ہے  
 کہ یہ کافراں خیال میں ہیں کہ ہمکو چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا کار ساز بنائیں اور ان سے  
 کچھ باز پرس نہو۔ یہ نہیں بلکہ ہم نے کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم تیار رکھا ہے اور آیات  
 زیر بیان میں اہل ایمان کا ذکر اسطرح ہوا ہے ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات كانت لهم

الدنيا كما انزل من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشيمًا تذرؤه الرياح طورا  
 پنمبر ان لوگون سے ایک مثال یہ بھی بیان کرو کہ دنیا کی زندگی کی مثال پانی کی سی ہے جو کب  
 ہم نے آسمان سے برسیا تو زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی اسطرح پر کہ پانی کو جذب  
 کر لیا اور خوب پھلی پھولی پھر آخر کار چورایے بغے بھوسہ ہو کر رہ گئی جسے ہوائیں اڑا لے اڑا لے  
 پھرتی ہیں مقصد یہ ہے کہ اولاد دنیا کی حالت انسان کو نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ  
 اُسکی خواہشات میں کاستگی پیدا ہوتی ہے اور آخر کار دنیا ہی نیست و نابود ہو جاتی ہے ایسی  
 ناپائیدار دنیا دل لگانے کے قابل نہیں ہے اور نہ عقل مندی کا شیوہ ہے کہ دو روزہ دنیا کے  
 کچھ ایک حاصل ہو جانے سے جامہ سے باہر ہو جائے وکان الله على كل شئ مقتدر  
 اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سب اُسکے بس میں ہے تو کمال انسانی یہ ہے کہ اُسکا ہوئے اللہ بس  
 باقی ہو س لئال والبنون زينة الحياة الدنيا والباقيات الصالحات خير عند ربك  
 ثوابا بخیر علاہ لے پنمبر مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے چند روزہ بناؤ سنگار ہیں اور اعمال  
 نیک جنکا اثر دیر تک باقی رہے تمھارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر  
 ہیں اور توقع آئندہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں ظاہر ہے کہ تمام زمینی اشیا سر لعی الزوال ہوتے  
 ہیں اور باقیات الصالحات جیسے اولاد نیک یا کوئی کتاب تصنیف کر کے چھوڑا اور اس سے  
 لوگون نے فائدہ اٹھایا مصرع

پل و مسجد و چاہ و مہمان سرا

یہ ثواب اور امید آئندہ کے اعتبار سے مفید ہیں۔

یرجو القاء ربہ فیعل عیالہا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احلاہ جسکو اپنے پروردگار سے ملنے  
کی آرزو ہو تو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔  
خلاصہ اخلاق حسنہ یہی ہو کہ انسان کفر و شرک سے بچے اور ہمیشہ نیک عمل کرتا رہے

این ہمہ علم جسم مختصر است	علم رفتن براہ حق دگرست
چیت این اور انشان دلیل	آن نشان از کلیم پرست و خلیل
ور ز من پرسی لے برا در ہم	بار گویم صحیح نے مبہم
روے سے جہان جی کردن	عقبہ جاہ زیر پے کردن
تقیق کردن نفوس از بہ	تقویت کردن روان بخرد
درد و رون تو نفس دل گردد	زان ہمہ کرد ہما خجل گردد
در تن تو چو نفس تو گداخت	دل بتدیج کار خویش بساخت
پس از و حق نیاز بستاند	چون نیازش نہاند حق ماند
جہد کن تا چو مرگ بشتابد	نہ بجانت ز کوی او یابد
کان کسانے کہ بندہ اند اورا	بخدائی پسندہ اند اورا
کمربندگی بہ بستہ مدام	خواجہ ہفت بام ہنجو غلام

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حصہ اول خیر الکلام فی اخلاق الاسلام تمام ہوا اسی کے  
فصل و کرم سے امید ہے کہ حصہ دوم کا بھی جلد انجام ہو نقطہ

جنات الفردوس نزلاً البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے انکی ضیافت کے لیے فردوس برین کے باغ ہوں گے اور حدیث شریف میں ارادہ ہے فاذا سألتم الله الجنة فاستلوه الفردوس فان فوقها عرش الرحمن یعنی جب جنت اللہ سے طلب کرو تو فردوس برین طلب کرو کہ اُسکے اوپر ہی عرش رحمن ہے۔ جنت کے سوبے ہیں بنین فردوس سے بڑھ کر کوئی وجہ نہیں ہے خالدين فيها لا یبغون عنها حولا جنین مومنین ہمیشہ رہیں گے اور کبھی یہاں سے اٹھنا نہیں چاہیں گے۔ یعنی جنت کی نعمتوں سے بڑھ کر کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جسکی طرف رغبت ہو قل لو كان الجحيم مآدا للكلمات لكان لند البحر قبل ان تنفد كلماتي بے ولو جئنا مثله مآدا لآلے پیغمبران لوگون سے کہو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ ہو تو قبل اسکے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سندہ خشک ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور سمندر اسکی مدد کو لائیں۔ قرآن مجید میں بہت سے گذشتہ قصے عبرتاً بیان ہوئے ہیں جن سے خداے تعالیٰ کے کارنامے اور تصرفات کا اظہار ہوتا ہوا سیلے ارشاد ہوا کہ خداے تعالیٰ کے انتظامات کو اگر حصر کرنا پڑا ہو تو ناممکن ہے سمندر کا پانی جو ایک بہت بڑی وسیع شے ہو اسکی قدرت کے کرشموں کے لیے محض ناکافی ہو قل انما انا بشر مثلكم یوحی الی لے پیغمبران لوگون سے کہو کہ میں بھی تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں مجھ میں تم میں صرف اتنا فرق ہے کہ میرے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع و انکسار اختیار کرنے کی تعلیم ہوئی ہے مگر اس نعمت امتیاز کو ظاہر کریں کہ میرے پاس اسکی یہ وحی آئی ہے انما الھکم الا احدا کہ تمھارا پروردگار کیلئے ایک معبود ہے فمن کان

# صحت نامہ کتاب خیر الکلام فی اخلاق الاسلام

صفحہ	خط	صفحہ	خط	صفحہ	خط	صفحہ	خط
۴۸	۲	۴۸	۱۱	۴۸	۲	۴۸	۲
۵	۳	۴۰	۲	۴۰	۲	۴۰	۲
۱۳	۱	۴۱	۴	۴۱	۴	۴۱	۴
۱۴	۱۵	۴۳	۵	۴۳	۵	۴۳	۵
۱۶	۵	۴۴	۹	۴۴	۹	۴۴	۹
۱۶	۹	۸۶	۸	۸۶	۸	۸۶	۸
۲۰	۸	۸۷	۵	۸۷	۵	۸۷	۵
۲۲	۳	۹۱	۱۵	۹۱	۱۵	۹۱	۱۵
۳۶	۱۴	۹۵	۷	۹۵	۷	۹۵	۷
۳۷	۱۶	۹۹	۳	۹۹	۳	۹۹	۳
۳۷	۵	۱۰۰	۴	۱۰۰	۴	۱۰۰	۴
۳۷	۹	۱۰۰	۸	۱۰۰	۸	۱۰۰	۸
۳۷	۲	۱۰۰	۹	۱۰۰	۹	۱۰۰	۹
۳۷	۶	۱۰۰	۱۰	۱۰۰	۱۰	۱۰۰	۱۰
۳۷	۷	۱۰۰	۱۱	۱۰۰	۱۱	۱۰۰	۱۱
۳۷	۸	۱۰۰	۱۲	۱۰۰	۱۲	۱۰۰	۱۲
۳۷	۹	۱۰۰	۱۳	۱۰۰	۱۳	۱۰۰	۱۳
۳۷	۱۰	۱۰۰	۱۴	۱۰۰	۱۴	۱۰۰	۱۴
۳۷	۱۱	۱۰۰	۱۵	۱۰۰	۱۵	۱۰۰	۱۵
۳۷	۱۲	۱۰۰	۱۶	۱۰۰	۱۶	۱۰۰	۱۶
۳۷	۱۳	۱۰۰	۱۷	۱۰۰	۱۷	۱۰۰	۱۷
۳۷	۱۴	۱۰۰	۱۸	۱۰۰	۱۸	۱۰۰	۱۸
۳۷	۱۵	۱۰۰	۱۹	۱۰۰	۱۹	۱۰۰	۱۹
۳۷	۱۶	۱۰۰	۲۰	۱۰۰	۲۰	۱۰۰	۲۰
۳۷	۱۷	۱۰۰	۲۱	۱۰۰	۲۱	۱۰۰	۲۱
۳۷	۱۸	۱۰۰	۲۲	۱۰۰	۲۲	۱۰۰	۲۲
۳۷	۱۹	۱۰۰	۲۳	۱۰۰	۲۳	۱۰۰	۲۳
۳۷	۲۰	۱۰۰	۲۴	۱۰۰	۲۴	۱۰۰	۲۴
۳۷	۲۱	۱۰۰	۲۵	۱۰۰	۲۵	۱۰۰	۲۵
۳۷	۲۲	۱۰۰	۲۶	۱۰۰	۲۶	۱۰۰	۲۶
۳۷	۲۳	۱۰۰	۲۷	۱۰۰	۲۷	۱۰۰	۲۷
۳۷	۲۴	۱۰۰	۲۸	۱۰۰	۲۸	۱۰۰	۲۸
۳۷	۲۵	۱۰۰	۲۹	۱۰۰	۲۹	۱۰۰	۲۹
۳۷	۲۶	۱۰۰	۳۰	۱۰۰	۳۰	۱۰۰	۳۰
۳۷	۲۷	۱۰۰	۳۱	۱۰۰	۳۱	۱۰۰	۳۱
۳۷	۲۸	۱۰۰	۳۲	۱۰۰	۳۲	۱۰۰	۳۲
۳۷	۲۹	۱۰۰	۳۳	۱۰۰	۳۳	۱۰۰	۳۳
۳۷	۳۰	۱۰۰	۳۴	۱۰۰	۳۴	۱۰۰	۳۴
۳۷	۳۱	۱۰۰	۳۵	۱۰۰	۳۵	۱۰۰	۳۵
۳۷	۳۲	۱۰۰	۳۶	۱۰۰	۳۶	۱۰۰	۳۶
۳۷	۳۳	۱۰۰	۳۷	۱۰۰	۳۷	۱۰۰	۳۷
۳۷	۳۴	۱۰۰	۳۸	۱۰۰	۳۸	۱۰۰	۳۸
۳۷	۳۵	۱۰۰	۳۹	۱۰۰	۳۹	۱۰۰	۳۹
۳۷	۳۶	۱۰۰	۴۰	۱۰۰	۴۰	۱۰۰	۴۰
۳۷	۳۷	۱۰۰	۴۱	۱۰۰	۴۱	۱۰۰	۴۱
۳۷	۳۸	۱۰۰	۴۲	۱۰۰	۴۲	۱۰۰	۴۲
۳۷	۳۹	۱۰۰	۴۳	۱۰۰	۴۳	۱۰۰	۴۳
۳۷	۴۰	۱۰۰	۴۴	۱۰۰	۴۴	۱۰۰	۴۴
۳۷	۴۱	۱۰۰	۴۵	۱۰۰	۴۵	۱۰۰	۴۵
۳۷	۴۲	۱۰۰	۴۶	۱۰۰	۴۶	۱۰۰	۴۶
۳۷	۴۳	۱۰۰	۴۷	۱۰۰	۴۷	۱۰۰	۴۷
۳۷	۴۴	۱۰۰	۴۸	۱۰۰	۴۸	۱۰۰	۴۸
۳۷	۴۵	۱۰۰	۴۹	۱۰۰	۴۹	۱۰۰	۴۹
۳۷	۴۶	۱۰۰	۵۰	۱۰۰	۵۰	۱۰۰	۵۰
۳۷	۴۷	۱۰۰	۵۱	۱۰۰	۵۱	۱۰۰	۵۱
۳۷	۴۸	۱۰۰	۵۲	۱۰۰	۵۲	۱۰۰	۵۲
۳۷	۴۹	۱۰۰	۵۳	۱۰۰	۵۳	۱۰۰	۵۳
۳۷	۵۰	۱۰۰	۵۴	۱۰۰	۵۴	۱۰۰	۵۴
۳۷	۵۱	۱۰۰	۵۵	۱۰۰	۵۵	۱۰۰	۵۵
۳۷	۵۲	۱۰۰	۵۶	۱۰۰	۵۶	۱۰۰	۵۶
۳۷	۵۳	۱۰۰	۵۷	۱۰۰	۵۷	۱۰۰	۵۷
۳۷	۵۴	۱۰۰	۵۸	۱۰۰	۵۸	۱۰۰	۵۸
۳۷	۵۵	۱۰۰	۵۹	۱۰۰	۵۹	۱۰۰	۵۹
۳۷	۵۶	۱۰۰	۶۰	۱۰۰	۶۰	۱۰۰	۶۰
۳۷	۵۷	۱۰۰	۶۱	۱۰۰	۶۱	۱۰۰	۶۱
۳۷	۵۸	۱۰۰	۶۲	۱۰۰	۶۲	۱۰۰	۶۲
۳۷	۵۹	۱۰۰	۶۳	۱۰۰	۶۳	۱۰۰	۶۳
۳۷	۶۰	۱۰۰	۶۴	۱۰۰	۶۴	۱۰۰	۶۴
۳۷	۶۱	۱۰۰	۶۵	۱۰۰	۶۵	۱۰۰	۶۵
۳۷	۶۲	۱۰۰	۶۶	۱۰۰	۶۶	۱۰۰	۶۶
۳۷	۶۳	۱۰۰	۶۷	۱۰۰	۶۷	۱۰۰	۶۷
۳۷	۶۴	۱۰۰	۶۸	۱۰۰	۶۸	۱۰۰	۶۸
۳۷	۶۵	۱۰۰	۶۹	۱۰۰	۶۹	۱۰۰	۶۹
۳۷	۶۶	۱۰۰	۷۰	۱۰۰	۷۰	۱۰۰	۷۰
۳۷	۶۷	۱۰۰	۷۱	۱۰۰	۷۱	۱۰۰	۷۱
۳۷	۶۸	۱۰۰	۷۲	۱۰۰	۷۲	۱۰۰	۷۲
۳۷	۶۹	۱۰۰	۷۳	۱۰۰	۷۳	۱۰۰	۷۳
۳۷	۷۰	۱۰۰	۷۴	۱۰۰	۷۴	۱۰۰	۷۴
۳۷	۷۱	۱۰۰	۷۵	۱۰۰	۷۵	۱۰۰	۷۵
۳۷	۷۲	۱۰۰	۷۶	۱۰۰	۷۶	۱۰۰	۷۶
۳۷	۷۳	۱۰۰	۷۷	۱۰۰	۷۷	۱۰۰	۷۷
۳۷	۷۴	۱۰۰	۷۸	۱۰۰	۷۸	۱۰۰	۷۸
۳۷	۷۵	۱۰۰	۷۹	۱۰۰	۷۹	۱۰۰	۷۹
۳۷	۷۶	۱۰۰	۸۰	۱۰۰	۸۰	۱۰۰	۸۰
۳۷	۷۷	۱۰۰	۸۱	۱۰۰	۸۱	۱۰۰	۸۱
۳۷	۷۸	۱۰۰	۸۲	۱۰۰	۸۲	۱۰۰	۸۲
۳۷	۷۹	۱۰۰	۸۳	۱۰۰	۸۳	۱۰۰	۸۳
۳۷	۸۰	۱۰۰	۸۴	۱۰۰	۸۴	۱۰۰	۸۴
۳۷	۸۱	۱۰۰	۸۵	۱۰۰	۸۵	۱۰۰	۸۵
۳۷	۸۲	۱۰۰	۸۶	۱۰۰	۸۶	۱۰۰	۸۶
۳۷	۸۳	۱۰۰	۸۷	۱۰۰	۸۷	۱۰۰	۸۷
۳۷	۸۴	۱۰۰	۸۸	۱۰۰	۸۸	۱۰۰	۸۸
۳۷	۸۵	۱۰۰	۸۹	۱۰۰	۸۹	۱۰۰	۸۹
۳۷	۸۶	۱۰۰	۹۰	۱۰۰	۹۰	۱۰۰	۹۰
۳۷	۸۷	۱۰۰	۹۱	۱۰۰	۹۱	۱۰۰	۹۱
۳۷	۸۸	۱۰۰	۹۲	۱۰۰	۹۲	۱۰۰	۹۲
۳۷	۸۹	۱۰۰	۹۳	۱۰۰	۹۳	۱۰۰	۹۳
۳۷	۹۰	۱۰۰	۹۴	۱۰۰	۹۴	۱۰۰	۹۴
۳۷	۹۱	۱۰۰	۹۵	۱۰۰	۹۵	۱۰۰	۹۵
۳۷	۹۲	۱۰۰	۹۶	۱۰۰	۹۶	۱۰۰	۹۶
۳۷	۹۳	۱۰۰	۹۷	۱۰۰	۹۷	۱۰۰	۹۷
۳۷	۹۴	۱۰۰	۹۸	۱۰۰	۹۸	۱۰۰	۹۸
۳۷	۹۵	۱۰۰	۹۹	۱۰۰	۹۹	۱۰۰	۹۹
۳۷	۹۶	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰

تقریظ و پذیرامام الحدیث غوامض کبر  
 علوم القرآن وحید العصر نجم المشرق  
 عالی جناب مولانا مولوی الحاج  
 حسن الزمان محمد صاحب قبلہ دام فیوضہم

## التقریظ

ما شاء الله لا قوة الا بالله کتاب بغایت صوابی جزاکم الله

خیر الجزاء یوم الحساب والجزاء

وامر بکتابتہ العبد المقتاق الی رحمتہ رب الصمد

حسن الزمان محمد

لا یشال فی احسانہ الموبد

حسن الزمان محمد

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	خط	خط	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	خط	خط
۲۱۹	۲۲۰	۱۵	۴	عرض کیا جاتا ہے	عرض کیا جاتا ہے	شَمَّ	شَمَّ
۲۲۳	۲۲۲	۵	۱۶	اور خدا کے	اور خدا کے	فینبکم	فینبکم
۲۳۵	۲۳۴	۱۱	۱۷	شفعاؤنا	شفعاؤنا	بھلائی برائی	بھلائی برائی
۲۴۴	۲۴۳	۴	۱۸	عالم بھی	عالم بھی	انتما	انتما
۲۵۲	۲۵۱	۷	۱۹	وہدیہم	وہدیہم	پڑے ہین	پڑے ہین
۲۶۰	۲۵۹	۱۰	۲۰	خدا ان سے	خدا ان سے	من لدن	من لدن
۲۶۵	۲۶۴	۱۶	۲۱	افزہ	افزہ	بھائیوں	بھائیوں
۲۷۲	۲۷۱	۱۱	۲۲	بہتر	بہتر	مفید تاکید ہے	مفید تاکید ہے
۲۷۹	۲۷۸	۱۲	۲۳	در شراب	در شراب	بما تظفون	بما تظفون
۲۸۵	۲۸۴	۸	۲۴	حدیث	حدیث	سمجھنے کے لئے	سمجھنے کے لئے
۲۹۰	۲۸۹	۱۶	۲۵	نظم	نظم	رسول مقبول	رسول مقبول
۳۰۵	۳۰۴	۱۰	۲۶	خود پرستی	خود پرستی	موجودات	موجودات
۳۱۵	۳۱۴	۳	۲۷	ارستہ	ارستہ	آحق کی	آحق کی
۳۲۰	۳۱۹	۴	۲۸	انک	انک	مشک جو یا شد	مشک جو یا شد
۳۲۵	۳۲۴	۱۶	۲۹	وہ شان	وہ شان	چھوٹے	چھوٹے
۳۳۰	۳۲۹	۱۱	۳۰	پیش آئی	پیش آئی	جن جن	جن جن
۳۳۵	۳۳۴	۱۱	۳۱	یحسنون	یحسنون	بتلا دینا	بتلا دینا
۳۴۰	۳۳۹	۴	۳۲	تمام تر عرب	تمام تر عرب	پیش کش	پیش کش

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۱۲	۵	تفسیر	تفسیر	۱۵۶	۱	ہر	پہر
۱۱۵	۶	بتلایا گیا ہے	بتلایا گیا ہے	۱۶۲	۱۶	والا ارشد ہم	والا ارشد اہم
"	۱۰	بعدہ	بعدہ	۱۶۸	۳	تعفو	تعفو
۱۱۶	۲	بعدہ	بعدہ	۱۶۹	۹	موجبہ	موجبہ
"	۶	عبادات پر	عبادات پر	۱۷۶	۵	بعد حد سے	بعد حد سے
۱۱۷	۱	مخلوق	مخلوق	۱۷۸	۷	عرض کیا	عرض کی
"	۱۵	استوار	استوار	"	۱۷	زن شوہر	زن و شوہر
۱۱۹	۱	چند روز	چند روزہ	۱۸۳	۴	چار جنب	چار جنب
۱۲۵	۲	تھی سوقت	تھی سوقت	۱۸۵	۱۲	سچائی و دلائل	سچائی اور دلائل
"	۱۲	ان تتفقوا	ان تتفقوا	۱۸۶	۲	ذهب الدنیا	ذهب الدنیا
۱۲۶	۴	تو	تو	"	"	الملائکۃ	الملائکۃ
۱۲۷	۱۰	رکھے	رکھے	۱۹۳	۱۵	اختیار کے نسبت	اختیار کر کے نسبت
۱۲۸	۱۶	ہین کہ	ہین اور	۱۹۴	۱۰	صادر کی	صادر کر نیکی
۱۲۹	۱۷	بخندند	بخندید	۱۹۶	۱۶	کام دیا	کام لیا
۱۳۰	۵	انبیا	انبیا	۱۹۹	۶	فرمایا گیا ہے خدا کی	گیا ہے کہ خدا کی
۱۳۱	۶	دفع کرتا	دفع کرنا	۲۰۰	۱۰	لئے چھوڑ دو	لئے پانی چھوڑ دو
۱۳۲	۶	مسلمانوں	اسلام میں	۲۰۹	۱۱	بتلا تھے	بتلا رہتے
"	۱۳	مسلمانوں	مسلمانوں	۲۰۹	۴	شفاعت	شفاعت
۱۵۱	۱۰	کھرا	گھرا	"	۱۶	ان اللہ	ان اللہ کان





صفحہ	ک	صفحہ	ک	صفحہ	ک	صفحہ	ک
۳۸۵	۷	عربا	غربا	۴۱۵	۵	یُؤْتِنِ	یُؤْتِنِ
۳۸۹	۱۱	پیدا گیا ہے	پیدا کیا گیا ہے	"	۵	یُرْسِلُ	یُرْسِلُ
۳۹۲	۳	یہ طرز خواہشات	یہ طرز غلبہ	"	۶	یُصِیْمُ	یُصِیْمُ
"	۱۲	پھاڑ	پھاڑ	"	۶	تَسْطِیْعُ	تَسْطِیْعُ
۳۹۵	۵	اور اس پر ہنر	اور نہ اس پر ہنر	"	۸	اُشْرِكْ	اُشْرِكْ
۴۰۱	۶	پلید و نجس	پلید و نجس	"	۱۱	وَالْبُنُونُ	وَالْبُنُونُ
"	۹۰	وہ موجب	کہ وہ موجب	۴۱۷	۵	کیسی	کیسی
۴۰۴	۱۳	اختیار رکھتے ہو	اختیار رکھتے ہو	۴۱۸	۴	مختلف المذہب	مختلف المذہب
۴۰۶	۱۳	بنشہ	نغشہ	۴۱۹	۱۲	مردت	مردت
"	۱۳	لا تلعبین	لا تلعبین	۴۲۰	۱۰	چاہنے سے	چاہنے سے
"	۱۴	مرجلہ وغیرہ	مرجلہ وغیرہ	۴۲۱	۴	ہو امین	ہو امین
۴۱۱	۱۷	توفیقی	توفیقی	۴۲۲	۱۱	کار نامے	کار نامے
۴۱۵	۱	لے رہی	لی رہی	"	۱۳	کے لئے	کے لئے